UNIVERSAL LIBRARY

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء

معارف

مجلسِ دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُرتّبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڈھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبیؐ عام طور سے مشہور ہے مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید وتاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات، اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کی گئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بہ روایات صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں،

پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق وفضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اس کی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے،

	قیمت بڑی تقطیع	حجم	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	قیمت چھوٹی تقطیع		حجم	قسم اول	قسم دوم
	سیرۃ النبیؐ حصہ اول	×	×	×		سیرۃ النبیؐ حصہ اول	۵۶۱	×	للعہ
،،	،، دوم	۳۵۱	سعہ	للعہ	،،	،، دوم	۴۳۸	صہ	سعہ
،،	،، سوم	۵۹۹	للعہ	عہ	،،	،، سوم	۶۹۴	معہ	صہ
،،	،، چہارم	۶۸۶	سعہ	للعہ	،،	،، چہارم	۸۸۸	معہ	عہ
،،	،، پنجم	۳۶۸	للعہ	عہ	،،	،، پنجم	۴۹۳	صہ	سعہ
،،	،، ششم	۶۱۲	عہ	للعہ	،،	،، ششم	۸۶۲	معہ	عہ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۳ ویں جلد

از جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

جلد ۵۳

جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۵۳ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۴ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

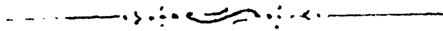
اُردو اور ہندوستانی کے مقابلہ میں ایک نئی زبان "ہندی ہندستانی" کی پُر فریب اصطلاح سب سے اوّل "بھارتیہ ساہتیہ پریشد" کے اجلاس ناگپور ۱۹۳۶ء میں وضع ہوئی، پھر یہیں "ودیا مندر" کی اُردو کش تعلیمی سکیم مرتب ہوئی، آج بھی اُردو نوازی میں صوبہ متوسط بہت "نیک نام" ہے، اس لئے یہاں اردو کے بقا وتحفظ کے لئے خدامِ اردو کی خاص توجہ کی ضرورت تھی، ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب عرصہ سے اس فرض کو انجام دے رہے تھے، اب اس سلسلہ میں کل ہند انجمن ترقی اردو کا سالانہ اجلاس ۹، ۲۰، ۲۱ جنوری ۱۹۴۴ء کو نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی صدارت میں بڑے اہتمام سے ناگپور میں منعقد ہو رہا ہے اور اس میں اردو زبان و ادب کی اشاعت و ترقی کے لئے بہت اہم تجاویز پیش ہونگی، توقع ہے کہ یہ اجلاس اردو کی عام نشر و اشاعت خصوصاً صوبہ متوسط میں اس کے تحفظ اور ترقی کے مفید عملی نتائج پر مشتمل ہوگا،

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے عربی کے دس دیوان ہیں، اب تک ان کے مکمل چھپنے کی نوبت نہیں آئی عرصہ ہوا حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھنؤ کے عربی رسالہ البیان میں پہلے سات دیوانوں کا جو سبعہ سیارہ کے نام سے موسوم ہیں انتخاب شائع کیا تھا، آسی پریس نے اس انتخاب کو علحدہ کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا تھا جو شاید اب بھی کتب فروشوں کے یہاں ملتا ہو، آخری تینوں دیوان یعنی آٹھویں نویں اور دسویں مکمل کمیاب تھے، مولانا راغب صاحب بدایونی لکچرار شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ان کو تلاش کر کے حاصل کیا ہے اور ان کو تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں

جن اصحابِ علم کے پاس ان دواوین یا آزاد کی مثنوی مظہر العجائب کا کوئی نسخہ ہو وہ مہربانی کر کے مولانا موصوف کو اس سے مطلع فرمائیں، یہ ایک علمی خدمت ہوگی، دسویں دیوان کے آخر میں آزاد کے قلم سے دسوں دیوانوں کی تصنیف کے مختصر حالات ہیں، مثنوی مظہر البرکات کا ایک عمدہ نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے،



انجمن عربی صوبہ متحدہ الہ آباد کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مسلمان طلبہ میں عربی زبان کی تعلیم کی ترغیب وتشویق اور ان کی حوصلہ افزائی کا کام عرصہ سے انجام دے رہی ہے، اس سلسلہ میں اس نے گذشتہ سال ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب لکچرار عربی گورنمنٹ کالج لاہور کے انگریزی رسالے "ہم عربی زبان کیوں سیکھیں" (why we learn the Arabic language) کی بہت سی کاپیاں لکھنؤ، الہ آباد اور علی گڈھ کی یونیورسٹیوں کے ایم اے کے طلبہ میں مفت تقسیم کیں، اب وہ ہائی اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کے عربی طلبہ میں تقسیم کرنے کے لئے اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اس میں کافی مصارف ہوں گے، جس کا تحمل تنہا انجمن مذکور کے لئے دشوار ہے، اس لئے جو اصحاب خیر اس میں مالی مدد دینا چاہیں وہ پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب نمبر ۱ ایلی روڈ الہ آباد سے خط وکتابت فرمائیں،



حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں حافظ ابن قیم جوزی کی جانب منسوب ایک کتاب "احکام اہل الذمہ" دستیاب ہوئی ہے، جو مصنف کے کل پچاس ساٹھ سال بعد کی لکھی ہوئی ہے، اس کی ضخامت چھ سو صفحات ہے، کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ "دوسرے حصہ میں دلیل خامس سے بیان شروع ہوگا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اور بھی حصے ہیں، ابن جوزی کی معلوم کتابوں میں اس کتاب کا نام نہیں ہے اور نہ دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرستوں میں اس کا کوئی ذکر ہے، اگر کسی صاحبِ علم

کی واقفیت میں اس کتاب کا کوئی اور نسخہ خصوصاً دوسرا حصہ ہو تو اس سے مطلع فرمائیں،



دار المصنفین میں تاریخ اسلام کا جو وسیع سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ بحمد اللہ ختم کے قریب ہے، اس میں تیرہ صدیوں کے اندر دنیائے اسلام میں جتنی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں ان سب کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہوگی، اس سلسلہ کی تیسری جلد بنی عباس کی تاریخ کا پہلا حصہ زیر طباعت ہے، عباسی حکومت کسی نہ کسی شکل میں تقریباً پانچ برس تک قائم رہی اور اس کے گوناگوں علمی و تمدنی کارنامے ہیں، اس لئے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا، پہلے حصہ میں عہد عروج کی تاریخ ہے، دوسرے میں دورِ زوال کی، تیسرا حصہ علمی اور تمدنی کارناموں پر مشتمل ہوگا، تاریخ ہند کے سلسلہ کے بعض حصے بھی تیار ہیں، امید ہے کہ اس سال اس کا پہلا حصہ جو سندھ میں اسلامی حکومت کی تاریخ کے متعلق ہے، پریس میں چلا جائے،



گذشتہ معارف میں حیات شبلی کی تیاری کی اطلاع دی جا چکی ہے، صرف تصویروں کے بلاک کی تیاری میں کچھ دیر ہوگئی تھی، اب تصویریں بھی چھپ گئی ہیں، اور کتاب بالکل تیار ہے، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، دار المصنفین، ندوہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور شبلی انٹر کالج کی عمارتوں کے ۱۳ ہاف ٹون بلاک فوٹو ہیں، کاغذ اور دوسرے سامانِ طباعت کی موجودہ گرانی کے اعتبار سے کتاب کی تیاری پر بڑی لاگت آئی ہے، لیکن شائقین کی سہولت اور عام اشاعت کے خیال سے علاوہ محصول ڈاک کل آٹھ روپے قیمت رکھی گئی ہے،

علم و ادب کے ایک شائق کے پاس نظامی گنجوی کی مثنوی "شیریں خسرو" کا ایک قدیم قلمی نسخہ اچھی حالت میں ہے، صفحات کی تعداد دو سو ستر اور جدول مطلا ہے، وہ اُسے الگ کرنا چاہتے ہیں، جو صاحب ذوق اس کو خریدنا چاہیں وہ جناب حامد حسن صاحب ایم اے قیصر ین راجپور روڈ دہرہ دون سے خط و کتابت کریں،

مقالات

تاریخ افکار وسیاسیات اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۵)

ملوکیت کے بعد کلام مجید کے نزول، اس کی ترتیب و تدوین کی تاریخ اور تفسیر قرآن کی بحث ہے، اوّل الذکر خالص تاریخی ہے، اس لئے مصنف کو اس میں اپنے ذاتی خیالات کی آمیزش اور تدلیس کا بہت کم موقع ملا ہے، اور ایک دو معمولی فروگذاشتون کے علاوہ باقی ان کے بیانات صحیح ہین، لیکن تفسیر کی بحث مین اونھون نے حسب معمول صحیح اور غلط واقعات کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے، اور ان سے ایسے غلط نتائج نکالے ہین، کہ اس سے تفسیرون کا اعتبار اوٹھ جاتا ہے، اس بحث مین انھون نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے، کہ صحابۂ کرام نے تفسیر قرآن کی جانب زیادہ اعتنا نہین کیا، سب سے اول تابعین نے تفسیر لکھنے کی طرف توجہ کی لیکن اس دور مین پورے قرآن کی تفسیر نہین لکھی گئی، اس کا آغاز چوتھی صدی سے ہوا، اس دور مین بیرونی اثرات کی وجہ سے بہت سے غیر قومون کے خیالات اور ان کی دور از کار روایات تفسیرون مین شامل ہوگئین چنانچہ لکھتے ہین :-

"قرآن کریم کا زیادہ حصہ آیاتِ محکمات پر مشتمل تھا جن میں اوامر و نواہی و فرائض کے احکام وغیرہ ہوتے تھے، جن پر مسلمان اسی وقت عمل شروع کر دیتے تھے، .... جو آیات متشابہات نازل ہوتی تھین .... ان پر عوام

کو بحث و مباحثہ کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن ساتھ ہی قرآن کریم کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس پر تدبر و فکر کی دعوت بار بار دی گئی ہے، اور جس کے سمجھنے کی انسان کو ضرورت ہے،.... معمولی انسان اوامر و فرائض سے متعلق آیات کو فوراً سمجھ لیتے تھے، لیکن بہت سے مضامین ایسے ہوتے تھے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھے، اسی لئے جب صحابۂ کرام کو کسی آیت کے صحیح مطلب سمجھنے میں دقت ہوتی، تو وہ خود رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر سمجھ لیتے تھے،.... اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیاتِ الٰہی کی ضروری تشریح صحابۂ کرام کے سامنے کر دیا کرتے تھے"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہ کسی نے تفسیر لکھنے کی کوشش کی، نہ تفسیر کے متعلق زیادہ روایات ہیں،.... وہ تمام تفسیری روایتیں جو صحابۂ کرام کے ذریعہ رسول سے آئیں کل بیس صفحات پر مشتمل ہیں (ص ۱۴۳)

"خلفائے راشدین، حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے بہت سی آیاتِ قرآنی کی تفسیریں روایت کیں، لیکن پہلی صدی کے اخیر تک کوئی تفسیر کتابی شکل میں نہیں لکھی گئی" (ص ۱۴۳)

"عہدِ صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا، اس وقت سب سے پہلے تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا، اور مسلمانوں کو اس طرف توجہ ہوئی، اور انھوں نے احادیثِ رسول اور تفسیروں کو لکھنے کا ارادہ کیا، (ص ۱۴۴)

"سب سے پہلی تفسیر مجاہد بن جبیر المتوفی ۱۰۳ھ نے لکھی، تاریخ القرآن میں سعید بن جبیر کو پہلا مفسر قرآن بتایا گیا ہے، لیکن ابن خلکان کے بیان کے مطابق سب سے پہلی تفسیر اسلام میں ابن جریج نے لکھی، یہ ۸۰ھ میں ایمان لائے، اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی، اس زمانہ میں ان کے علاوہ عطا ابن دینار المتوفی ۱۲۶ھ، مقاتل بن سلیمان المتوفی ۱۵۰ھ، سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ اور دیگر چند علما نے تفاسیر میں کتب کی تصنیف کا آغاز کیا، لیکن تیسری صدی کے آخر تک پورے قرآن کی

تفسیر کا ثبوت نہیں ملتا، ہارون رشید کے زمانہ میں جب جعفر برمکی نے کاغذ کو رائج کیا، تو کتابت کا شوق بڑھا، اس زمانہ مین پورے قرآن کی تفسیرین بھی لکھی گئین، (ص ۱۴۴)

"اسلام کے دور اول یعنی خلافت راشدہ کے ختم ہونے تک رومی اور عجمی عقائد کی زہریلی ہوائین اس کے مضبوط حصار مین داخل نہ ہونے پائی تھین،...... لیکن جب خلافت کو سلطنت کا جامہ پہنا دیا گیا، اور خلفاء کے بجاے ملوک و سلاطین مسلط ہوئے، جنھون نے حکومت کو اپنے خاندان مین محفوظ رکھنے کے لئے خود قرآن کریم کے مستقر اول یعنی مکہ اور مدینہ دونون بلاد امنا کو میدان کارزار و فتنہ و فساد بنا ڈالا، اور اسلام اپنے وطن سے بیگانہ سا ہوگیا تو رومی اور عجمی عقائد کی طوفان خیز ہوا اُن کو کون روک سکتا تھا، جب چمن کا باغبان غافل ہو تو گلچین کے دست برد سے اس کو کون محفوظ رکھ سکتا ہے، جب عرب کے یہود و نصاریٰ اور ایران کے مجوسیون نے اسلام مین داخل ہونا شروع کیا تو یہ سب اپنے آبا و اجداد کے مذہبی تخیلات قدیم و پارینہ روایات اپنے ساتھ لے کر آئے، ادھر کوئی طاقت ان کو روکنے یا اصلاح کرنے والی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان قصص و روایات اور اسرائیلیات و خرافات کا ایک بے پناہ سیلاب اسلام مین داخل ہوگیا، اور اس کے سیدھے سادے اور فطری اصول و عقائد کے صاف و شفاف چشمون کو اپنے ساتھ لائی ہوئی گندگیون مین آلودہ کر دیا، (ص ۱۴۶)

تکوین عالم، تخلیق آدم اور گذشتہ انبیا کے واقعات و قصص جب مسلمانون کے سامنے قرآن مجید مین آئے تو انھون نے ان کو یہودی علماء سے دریافت کرنا شروع کر دیا، کیونکہ ان تمام چیزون کا ذکر ان کی کتابون میں آچکا تھا، (صفحہ ۱۴۷)

مصنف کا یہ بیان اگرچہ انفرادی واقعات کی حیثیت سے ایک حد تک صحیح ہے لیکن اغلاط سے پاک نہین، اور اس مین واقعات کا صرف ایک ہی رُخ دکھایا گیا ہے، خصوصاً جس نہج اور ترتیب سے اس کو پیش کیا گیا ہے، اور اس سے جو نتائج نکلتے ہین، وہ سراسر غلط ہین، اس بیان کے پڑھنے سے یہ اثر پڑتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ

تفسیر قرآن کا زیادہ اہتمام نہ تھا، کلام اللہ کا بڑا حصہ صحابہ خود سمجھ لیتے تھے جو نہ سمجھ سکتے تھے، اس کو آنحضرت صلعم سے پوچھ لیا کرتے تھے، یا آپ خود اس کی تشریح فرما دیا کرتے تھے، اسی لئے نہ صحابہ سے تفسیر کی زیادہ روایتین ہین اور نہ اونھون نے تفسیر لکھنے کی طرف توجہ کی، سب سے اول تابعین کو ادھر توجہ ہوئی، لیکن اونھون نے پورے قرآن کی تفسیر نہین لکھی، اس کا آغاز چوتھی صدی مین ہوا، اس وقت یہود و نصاریٰ اور عجمیوں کے خیالات و روایات مسلمانون مین پھیل چکے تھے، جو تفسیرون مین داخل ہو گئے تھے، اسلئے یہ تفسیرین لائق اعتماد نہین،

ان مین سے ایک نتیجہ بھی صحیح نہین، مصنف کو اتنا تو تسلیم ہی ہوگا، کہ قرآن مجید ہی اسلام کی بنیاد اور مسلمانون کی دینی اور دنیوی صلاح و فلاح کا واحد صحیفہ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپ کا سب سے مقدم فرض اس کی وضاحت و تشریح اور مسلمانون مین اسکی تعلیم کی اشاعت تھا اس لئے اس کی تعلیم کی اہمیت اس سے کہین زیادہ ہے، جتنی مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے، کہ صحابہ خود قرآن کو سمجھ لیتے تھے، اور جہان کوئی مشکل پیش آتی تھی، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے، یا آپ خود اس کی تشریح فرما دیتے تھے، اور اسی پر قرآن کی تعلیم و تشریح ختم ہو جاتی تھی، اس کے برخلاف عہد نبوی عہد صحابہ عہد تابعین ہر دور مین کلام مجید کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا، جن صحابہ مین تعلیم و تعلم کی صلاحیت تھی، انکو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بنفس نفیس خصوصیت کے ساتھ قرآن کی تعلیم دیتے تھے، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور بعض دوسرے صحابہ کو آپ نے خاص طور سے خود قرآن کی تعلیم دی تھی حضرت ابی بن کعبؓ نے پورے قرآن کی تعلیم خود زبان مبارک سے پائی تھی[۱] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپ سے ستر سورتین سیکھی تھین،[۲] حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن کی تعلیم براہ راست زبان وحی والہام سے حاصل کی تھی، گو عہد نبوی مین حضرت ابن عباسؓ کم سن اور حضرت ابن عمرؓ نوجوان تھے لیکن ان دونون مین فہم قرآن کی فطری صلاحیت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۱۳ [۲] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۸،

کے لئے دعا فرمائی تھی کہ خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کا علم عطا فرما[1]، اس دعائے مستجاب کے اثر اور اپنے شوق و محنت سے وہ جماعت صحابہ میں قرآن کے اتنے بڑے عالم بن گئے تھے، کہ ترجمان القرآن لقب ملا تھا، عبد اللہ بن عمر میں فہم قرآن کا ایسا ملکہ تھا کہ گو وہ نوجوان تھے لیکن اکابر صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، اور اس مجمع میں انکے فہم قرآن کے جوہر نمایاں نظر آتے تھے[2]،

اس انفرادی طریقہ تعلیم کے علاوہ تعلیم قرآن کے اجتماعی حلقے بھی تھے جن میں صحابہ کرام باہم مذاکرہ کرتے تھے، ان میں کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوتے تھے، صفہ کی درسگاہ میں دو حلقے تھے، ایک اصحاب ذکر و فکر کا، دوسرا قرار کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے، تو قرار کے حلقہ میں بیٹھتے، اور فرماتے کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں[3]، اس درسگاہ میں حافظ قرآن صحابہ تعلیم دیتے تھے جن میں ایک حضرت عبادہ بن صامت تھے[4]،

جن لوگوں کو کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے دن کو تعلیم کا موقع نہ ملتا تھا، ان کے لئے رات کی تعلیم کا انتظام تھا، چنانچہ بعض اصحاب صفہ رات کو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے[5]،

جو جدید الاسلام اشخاص اور قبائل مدینہ سے دور رہتے تھے، اور ان کو مدینہ آنے کا کم موقع ملتا تھا، انکی تعلیم انصار کے سپرد تھی، وفد عبد القیس کا بیان ہے، کہ انصار ہم کو ہمارے رب کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت کی تعلیم دیتے تھے[6]، اس قسم کے جدید الاسلام قبائل کی تعلیم کے اور بہت سے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں،

جو اشخاص یا قبائل کسی معذوری کی بنا پر مدینہ نہیں آسکتے تھے یا بقدر ضرورت یہاں قیام نہیں کر سکتے تھے، ان کی تعلیم کبھی وہاں کے مسلمان عمال کے سپرد کر دیجاتی تھی، اور کبھی مستقل معلم بھیجے جاتے تھے، چنانچہ یمن کے مسلمانوں کی قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ کے متعلق تھی، جو وہاں کے قاضی تھے[7]، ہجرت سے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ [2] بخاری کتاب التفسیر سورۂ ابراہیم و کتاب العلم باب الفہم [3] ابو داؤد فضل العلماء والحث علی العلم [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۲۴ [5] ایضاً [6] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳ [7] استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبلؓ

پہلے جب مدینہ کے چند انصاری گھرانوں نے اسلام قبول کیا، تو اون کی تعلیم قرآن کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ بھیجے گئے،[۱] تعلیم قرآن سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے، کہ وہ محض ناظرہ اور حفظ قرآن تک محدود تھی، بلکہ حسب ضرورت قرأۃ اور قرآن کی تفسیر و تشریح ہر طرح کی تعلیم ہوتی تھی، بعض لوگ محض قرأۃ یا احکام کی آیات سیکھتے تھے، بعض پوری تکمیل کرتے تھے، حضرت ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے، تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے،[۲] ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تھا، تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک ان کے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا تھا،[۳]

تابعین کے زمانہ میں بھی تعلیم کا یہی انداز تھا، ابو عبد الرحمن سلمی تابعی کا بیان ہے کہ جب ہم قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تھے، تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے جب تک ان کے حلال و حرام اور امر و نہی سے پوری طرح واقف نہ ہو جاتے،[۴]

مشہور مفسر تابعی مجاہد بن جبیر نے ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کامل تیس مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا، اور اس محنت کے ساتھ کہ ہر سورۃ کے جملہ متعلقات کی پوری تحقیق کرتے جاتے تھے،[۵]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اپنے محبوب غلام اور نامور تابعی عالم عکرمہ کو اس توجہ اور انہماک سے تعلیم دی تھی کہ اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا، ان کے فیض سے عکرمہ جماعتِ تابعین میں بڑے نامور عالم ہوئے، خصوصاً تفسیر میں ابن عباسؓ کے تمام تلامذہ میں وہ ممتاز تھے،[۶]

حفاظ قرآن صحابہ خصوصاً حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے فیض سے تابعین میں بڑے بڑے مفسر پیدا ہوئے ان میں سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم، عطا بن رباح، حسن بصری اور محمد بن کعب قرظی خاص طور سے قابل ذکر ہیں

---

[۱] بخاری کتاب التفسیر [۲] تفسیر قرطبی ج اول ص ۳۴ [۳] ابن جریر ج اول ص ۲۹ [۴] تفسیر قرطبی ج اول ص ۲۴

[۵] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳ [۶] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲ و تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۵،

ان میں سے ہر ایک امام تفسیر تھا، سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد رشید تھے، قرأت اور تفسیر دونوں کی تعلیم انہی سے حاصل کی تھی، اور جماعت مفسرین میں امام وقت شمار ہوتے تھے[۱] عطا بن رباح نے ابن عباسؓ کے علاوہ اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا تھا، یہ بھی جلیل القدر عالم اور مفسر قرآن تھے، تفسیر کا درس بھی دیتے تھے[۲] حضرت حسن بصری علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کے بھی جلیل القدر عالم تھے، تفسیر میں خاص ملکہ تھا، اور اس کا درس بھی دیتے تھے[۳] محمد بن کعب قرظی بھی نامور عالم قرآن تھے[۴] یہ تو صحابۂ کرام اور تابعین کے انفرادی حلقہائے درس کا حال تھا، حکومت کی جانب سے علحدہ قرآن کی تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا، حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن کے مدارس قائم کئے، اور قرا صحابہ کو ان میں تعلیم کے لئے بھیجا، حضرت عبادہؓ بن صامت، معاذؓ بن جبل اور ابو درداء انصاریؓ کو شام بھیجا، حضرت عبادہؓ نے حمص میں قیام کیا، ابو درداءؓ نے دمشق کو مستقر بنایا، معاذؓ بن جبل نے فلسطین میں اقامت اختیار کی، پھر عبادہؓ بھی اسی ارض مقدس میں چلے آئے[۵] عمران بن حصین قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجے گئے[۶] ایک قاری ابو سفیان کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا، وہ قبائل کا دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیتے تھے، جس کو قرآن یاد نہ ہوتا تھا اس کو سزا دیتے تھے[۷] سورۂ بقر، مائدہ، حج اور نور کا جن میں احکام و فرائض ہیں، ہر شخص کے لئے سیکھنا ضروری قرار دیا[۸] اس سے ظاہر ہے کہ اس میں تفسیر بھی شامل تھی قرآن کے معنی اور مفہوم کو صحیح سمجھنے کے لئے لغت اور کلام عرب کی تعلیم کی ہدایت کی، غیر عالم لغت کو قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کر دی[۹]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر تابعین کے زمانہ تک کے تعلیم قرآن کے نظام کا یہ سرسری خاکہ ہے، اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان زمانوں میں قرآن کی تعلیم کی کتنی اہمیت تھی اور اس کا کتنا اہتمام تھا،

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴ و ۲۰۵ [۲] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴ [۳] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۶ و تہذیب تذکرہ جابر بن زید [۴] تہذیب جلد ۹ ص ۴۲۱ [۵] اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت [۶] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۶۵ [۷] اصابہ تذکرہ اوقل بن خالد [۸] کنز العمال ج اول ص ۲۲۴ [۹] کنز العمال،

مصنف کے بیان کے مطابق محض اسی پر بس نہین تھا، کہ "احکام و فرائض و محکمات خود صحابہ سمجھ لیتے تھے، اور جب کسی صحابی کو کسی آیت کا صحیح مطلب سمجھنے میں دقت ہوتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے یا آپ خود ضروری تشریح فرما دیتے" اگر مصنف کا بیان صرف اسی حد تک ہوتا تو بھی ہم کو اس کے ماننے مین تامل نہ ہوتا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس دور مین تعلیم و تفسیر قرآن کا اہتمام نہ تھا" اسی لئے حیات نبوی میں نہ کسی نے تفسیر لکھنے کی کوشش کی، اور نہ تفسیر کے متعلق صحابہ کی زیادہ روایات ہین، بلکہ ان کی پوری تعداد بیس سے زیادہ نہین بڑھتی" کس قدر غلط ہے،

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین کوئی تفسیر نہین لکھی گئی، لیکن اس بنا پر نہین کہ اس کی کوئی اہمیت نہ تھی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی مین تفسیر لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی، صاحب وحی و الہام ان کے درمیان خود موجود تھے، پھر عہد صحابہ مین اکابر صحابہ خود عالم قرآن تھے، اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی، کہ اس زمانہ مین کسی علم و فن کو قلمبند کرنے کا رواج ہی نہ تھا، اور اس کا خزانہ علماء کا سینہ ہوتا تھا، عرب جاہلی کا سارا کلام محض سینون مین محفوظ تھا، تعلیم و اشاعت کا طریقہ زبانی درس و روایت تھا، بنی امیہ کے زمانہ تک یہی طریقہ رائج رہا،

اگرچہ تاریخون مین اس عہد کی بعض تالیفات کا ذکر ہے، لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہین، تصنیف و تالیف کا باقاعدہ آغاز عباسی دور سے ہوا، لیکن تحریری یادداشتون کا طریقہ عہد نبوی مین بھی تھا، چنانچہ متعدد صحابہ حدیث کے متعلق یادداشتین قلمبند کرتے تھے، حضرت ابی ابن کعبؓ کی تو ایک تفسیری کتاب کا بھی ثبوت ملتا ہے، شیخ محمد خضری دمیاطی لکھتے ہین، کہ ابی بن کعبؓ کا ایک بڑا تفسیری نسخہ موجود تھا جس سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، احمد بن حنبل اور حاکم نے اپنی کتابون مین فائدہ اٹھایا ہے[1]، تابعین مین مجاہد بن جبیر اور سعید بن جبیر تبع تابعین مین ابن جریج کے متعلق خود مصنف کو اعتراف ہے، کہ انھون نے تفسیرین لکھیں، گو وہ ان کے نزدیک پورے قرآن کی تفسیر نہ تھیں، تاہم اس سے کم از کم اتنا ثابت ہے، کہ گو اس زمانہ مین تفسیر پر موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے مستقل کتابین نہ لکھی گئی تھیں،

---

[1] مبادی التفسیر صفحہ ۱۱

لیکن ان کے متعلق تحریری سرمایہ فراہم ہو گیا تھا، مصنف کا یہ بیان کس درجہ مضحکہ خیز ہے کہ صحابہ سے تفسیری روایتین بہت کم مروی ہین، اور ان کی تعداد بیس صفحون سے زیادہ نہین" لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی ہے کہ خلفاے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے بہت سی آیات قرآنی کی تفسیرین روایت کین" کیا سات صحابۂ کرام کی "بہت سی" تفسیری روایات مل کر بھی بیس صفحون سے زیادہ نہ ہون گی، اگر تنہا ابن عباسؓ ہی کی روایات لے لیجائین تو بھی ایک پوری کتاب تیار ہو جائے، مصنف نے ایک موقع پر ابن جریر کی بڑی تعریف کی ہے لکھتے ہین:۔

"ابن جریر کی تفسیر کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس کو امام التفسیر کہا جاتا ہے، اور بعض علما، کا قول اس تفسیر کے متعلق یہ ہے کہ اگر کسی نے چین تک کا سفر تفسیر طبری (ابن جریر) کو حاصل کرنے کے لئے کیا تو بھی کوئی زحمت نہین اٹھائی، اس تفسیر مین سب سے پہلے ذہنی کاوش اور دماغی کوشش سے کام لیا گیا ہے اور اس وقت تک جتنے علوم قرآن کی تفسیر کے متعلق جمع ہو چکے تھے، اس مین ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ہر روایت کی سند بھی دے دی گئی ہے"۔

یہ کتاب تیس جلدون مین ہے، اور اس میں تمامتر روایات ہی روایات ہین، لیکن ان روایات مین صحابۂ کرام کی مستند روایات کا بھی معتدبہ حصہ ہے، اس کے بعد یہ کہنا کہ صحابۂ کرام کی روایات بیس صفحون سے زیادہ نہین کس درجہ حیرت انگیز ہے،

مصنف کا یہ بیان تشریح طلب ہے کہ "تابعین نے پورے قرآن کی تفسیر نہین لکھی"، اگر اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ موجودہ کتابون کے طرز پر پورے قرآن کی مرتب تفسیر نہین لکھی، تو یہ صحیح ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، کہ اس زمانہ میں کتابون کے لکھنے کا طریقہ نہ تھا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قرآنی مشکلات کا حل باقی رہ گیا جس کو بعد کے مصنفین نے اپنی ذہانت سے گڑھا، تو یہ غلط ہے، تمام مشکلات قرآنی کا حل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور صحابۂ کرام سے مروی ہے، جو حدیث اور تفسیر کی کتابون مین محفوظ ہے، یہ اور بات ہے کہ بعد کے علما،

و مصنفین نے اپنے علم و نظر اور اپنے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق اس مین اور اضافے کئے، صرف ابن جریر کی روایات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہین، کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ مین کلام مجید کی کسی حل طلب آیۃ کی تشریح باقی نہ رہ گئی تھی، گو وہ بعد مین کتابی صورت مین مدون ہوئی، اس لئے تفسیرون کے بعد مین مدون ہونے سے کلام مجید کی صحت تفسیر پر اثر نہین پڑسکتا،

یہ بھی واضح رہے کہ کلام مجید کی ہر آیۃ کی تفسیر تو کسی بڑی سے بڑی تفسیر مین بھی نہین، بہت سی آیات اتنی ظاہر و واضح ہین، کہ ان کی تفسیر کی ضرورت ہی نہ تھی، بعض اہم مشکلات کی متفقاً تمام مفسرین نے تفسیر کی ہے، بعض ایسی ہین جن کی تفسیر بعض مفسرین کے نزدیک ضروری تھی، بعض کے نزدیک غیر ضروری، اس کی مثال بلا تشبیہ دنیاوی کتابون کی شرح سے دیجا سکتی ہے کہ ایک کتاب کی مختلف شرحین لکھی جاتی ہین، جامعیت کے اعتبار سے ممکن ہے ایک شرح دوسری سے بہتر ہو، لیکن پوری کتاب کی شرحین سب کہلائین گی، اس لئے دیکھنا صرف یہ چاہیئے کہ مجموعی حیثیت سے تمام حل طلب آیات کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی زبانی منقول ہے یا نہیں، اگر ہے تو پورے قرآن کی تفسیر کے لئے اتنا کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ مرتب طریقہ سے کسی ایک کتاب مین مدون یا کسی ایک صحابی یا ایک تابعی سے منقول ہو، یہ واضح رہے کہ صحابہ کی جن تفسیری روایات مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کی تصریح نہیں ہے، وہ بھی درحقیقت آپ ہی سے سُنی ہوئی ہین، یا کم از کم صحابۂ کرام کے فہم قرآن کا نتیجہ ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم کا فیض ہے،

یہ انکشاف بالکل نیا ہے، کہ ہارون رشید کے زمانہ مین جب جعفر نے کاغذ کو رائج کیا، اس وقت کتابت کا شوق بڑھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کاغذ رائج نہ ہوا تھا، ممکن ہے آغاز اسلام مین عرب مین اسکا استعمال نہ ہوتا ہو، لیکن عہد نبوی کے آخر مین تو رائج ہو چکا تھا، بخاری کی حدیث قرطاس تو بہت مشہور ہے، مصنف کو یہ تو سوچنا چاہیئے تھا، کہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین اتنی بڑی سلطنت کا دفتری کاروبار کیا صرف اونٹ کی ہڈیون اور کھجور کے پتون سے چلتا تھا، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ مین باقاعدہ رجسٹر تیار ہو گئے تھے، لیکن مصنف کو

عقل و درایت سے کیا سروکار انھین تو محض اعتراض چاہئے، خواہ وہ کتنا ہی بے سرو پا کیون نہ ہو،

یہ تسلیم ہے کہ ملوک و سلاطین کے زمانہ مین اسلام کے حصار مین رومی و عجمی عقائد کی طوفان خیز آندھیان آئین اس سے بھی انکار نہین کہ عرب کے یہود و نصاری اور ایران کے مجوسی اپنے آبا و اجداد کے مذہبی تخیلات اور پارینہ روایات اپنے ساتھ لائے، اور ان کے قصص و روایات و اسرائیلیات و خرافات کا بے پناہ سیلاب اسلام مین داخل ہوگیا لیکن یہ غلط ہے کہ اس کا سبب ملوکیت تھی، اور اس کا کوئی روکنے والا نہ تھا، اور ان بیرونی اثرات کی آمیزش کی وجہ سے حدیث و تفسیر کا سارا دفتر بے کار ہوگیا، ملوکیت کو اس سے کوئی تعلق نہین، بلکہ جیسا کہ ہم نے کسی مقام پر کہا ہے، یہ مختلف قومون اور مذہبون کے باہمی اختلاط کا فطری نتیجہ تھا، جس کے ابتدائی اثرات خلافت راشدہ ہی کے زمانہ سے شروع ہوگئے تھے، لیکن اس کا پورا ظہور اموی اور عباسی عہد مین ہوا، جس کو حکومت اور اسلام کے اصلی محافظین یعنی صحابہؓ تابعینؒ اور علماء و محدثین نے روکنے کی پوری کوشش کی،

مصنف کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے اپنی اور مسلمانون کی حفاظت کی ذمہ داری تنہا حکومت پر کبھی نہین رکھی ہے، بلکہ یہ فرض علی قدر مراتب تمام مسلمانون پر عائد کیا ہے، اور اس کے سب سے بڑے ذمہ دار حاملین قرآن و حدیث ہین، اور الحمدللہ کہ مسلمانون مین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والی جماعت ہر دور مین موجود رہی ہے، خود خلفاے راشدین کے زمانہ مین بھی جنھون نے اسلام کی حفاظت کا پورا حق ادا کیا، یہ جماعت اپنے فریضہ سے غافل نہ رہی اور حکومت سے الگ صحابہ خود اپنے طور پر بھی اس فرض کو انجام دیتے رہے، خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور مین بھی جب اموی اور عباسی سلاطین نے بعض امور مین غفلت اور مسامحت سے کام لیا، تو اسلام لاوارث نہین ہوگیا تھا بلکہ یہ جماعت برابر اپنا فرض انجام دیتی رہی، درحقیقت اسلام کے اصلی محافظ یہی لوگ تھے، جو ہر زمانہ مین موجود اور اپنے فرض کو ہمیشہ انجام دیتے رہے، حتی کہ حکومت کے مقابلہ مین بھی ان کی حق گو زبانین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے خاموش نہ رہین، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، اس لئے بعض امور مین گو ملوک و سلاطین نے غفلت ضرور کی، لیکن اس کی وجہ سے اسلام کی حفاظت

مین فرق نہین آنے پایا،

اس سے انکار نہین کہ تفسیرون بلکہ حدیثون تک مین اسرائیلی روایات داخل ہوگئین، لیکن اس زہر کا تریاق بھی مہیا ہوتا رہا، اور ہر دور کے محدثین اس آمیزش کو برابر چھانٹتے رہے، اسی کی پرکھ کے لئے رجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا، جس مین ہزارون رواۃ حدیث کے صحیح حالات مندرج ہین، فن روایت و درایت کے اصول بنائے موضوعات پر کتابین لکھین، غرض کلام نبی کو دوسرے کلام کی آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے طاقت بشری مین جتنی کوششین اور احتیاطین ممکن تھیں صرف کر دین، اور ایک ایک باطل حدیث کو چھانٹ کر الگ کر دیا، احادیث و تفسیر پر جن لوگون کی نظر ہے، وہ ایک نگاہ مین اسرائیلیات کو پہچان سکتے ہین، بلکہ اسرائیلیات کا موضوع اور اس کا دائرہ تو اتنا معلوم اور متعین ہے، کہ جس کو تھوڑا سا بھی اسلامی علوم مین درک ہے، وہ بہ یک نظر ان کو پہچان لے گا، پھر یہ کہ ان اسرائیلیات کا تعلق اسلام کے ارکان و عقائد سے مطلق نہین ہے، بلکہ وہ صرف گذشتہ انبیاء و رسل اور ان کی امتون یا دنیا کی قدیم تاریخ ترغیب و ترہیب یا دوسرے قصص و حکایات پر مشتمل ہین، اور ان مین کسی چیز کو بھی اسلامی ارکان و عقائد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اس لئے اسرائیلیات کی آمیزش سے اسلام کی حقیقی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے کہ اصلی تعلیمات مین بھی اسرائیلیات داخل ہوگئین تو ان کو الگ کرنے کی تدبیرین اور صورتین اختیار کیجائین گی، یا ان کی وجہ سے مذہب کا پورا دفتر بیکار کر دیا جائے گا، اور اسرائیلیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین اور روایتیں بھی مسترد کر دیجائین گی، سچ میں جھوٹ کی آمیزش تو زندگی کے روزانہ کے واقعات مین ناگزیر چیز ہے جس سے کسی حالت میں مفر ممکن نہیں، مقدمات میں جھوٹ کی آمیزش تو روزانہ کا مشاہدہ ہے، لیکن کیا اس آمیزش کی وجہ سے سچائی کی تحقیق کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور ایک حاکم محض جھوٹ کی آمیزش کی وجہ سے سچی شہادتون اور سچے واقعات کو بھی مسترد کر دیتا ہے، اور سچائی کی تلاش و تحقیق سے بھی دست بردار ہو جاتا ہے، جھوٹی روایات میں سچائی اور اصلیت کی تلاش و تحقیق تو اس کا فرض ہے، اگر جھوٹ کی وجہ سے سچ کو بھی ناقابل اعتبار قرار دیدیا جائے، اور سچائی کی تلاش چھوڑ دیجائے، تو زندگی کا سارا کاروبار ہی معطل ہو جائے، جب دنیاوی امور

ین جھوٹ کے خاطر سچ کو ترک نہین کیا جا سکتا، تو کیا محض اسرائیلیات یا جھوٹی روایات کی وجہ سے قولِ رسول کو مسترد کر دیا جائے گا،

اس کے بعد اسلامی عقائد اور تفسیرون مین ایرانی و یونانی خیالات و عقائد کی آمیزش کے سلسلہ مین ارشاد ہوتا ہے:

"یہود و نصاری کے خرافات سے بھی زیادہ جس چیز نے اسلامی عقائد کو متاثر کیا، وہ ایران و یونان کا فلسفہ قدیم تھا، جب ان ممالک کے علما، و حکما اسلام مین داخل ہونے لگے، تو ایران سے زردشت مزدک اور مانی کے خیالات اور یونان سے افلاطون ارسطو اور دوسرے حکما، کی تعلیمات نے مفسرین اسلام کو اس قدر متاثر کیا، کہ انھون نے ان حکما، کے غیر الہامی اور انسانی دماغ کے بنائے ہوئے مسائل کو مسلمات سمجھکر اختیار کر لیا، اور تمام تفاسیر مین دور از کار بحثین اور غیر مفید الجھنین شامل ہوگئیں، مثلاً برق، رعد سماء وغیرہ قرآن مجید مین خود اپنے مستقل معنی رکھتے تھے، مگر جب یونانی علم الاصنام کی اصطلاحات کا ترجمہ اس قسم کے الفاظ مین کیا گیا، تو وہی مطالب تفسیرون مین شامل کر لئے گئے جو طبیعات یونانی مین مستعمل تھے، متکلمین نے اسلامی عقائد و خیالات کو ارسطو کی کسوٹی پر رکھ کر ان سے مطابقت دینے کو بڑی خدمت سمجھا یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی سے آج تک بے شمار تفسیرین اس قسم کی فلسفیانہ موشگافیون سے بھری پڑی ہین، انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے، کہ وہ اپنے وقت کے رجحانات کے سامنے سپر ڈالدیتا ہے اور اپنے ماحول کا شکار ہو جاتا ہے...... وقت کے غلط تخیلات سے اثر پذیر ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر تفسیرین مفسرین کے ذاتی رجحانات کا شکار ہو گئین متکلمین نے اپنی تفاسیر مین منطق فلسفہ اور خطابت کا تمام زور صرف کر دیا، جو صرف و نحو اور بلاغت مین ید طولیٰ رکھتے تھے، انھون نے فنی زاویۂ نظر سے بحثون کے دروازے کھول دیئے، جو علم تاریخ سے دلچسپی رکھتے تھے، انھون نے قصص و امثال ہی کو اصل قرآن سمجھ کر پوری قوت ان کی تشریحات مین صرف کر دی، جو فروعات فقہ مین ماہر تھے، ان کی تفاسیر مسائل فقہ پر ملین گی، پھر جب فقہ اور فلسفہ کی بنا پر مختلف مذہب قائم ہو گئے، تو ہر ایک مذہب نے اپنے اپنے عقائد

کے مطابق تفسیریں شروع کردیں، معتزلہ اور اشعریہ نے ایک دوسرے کی ضد میں صفات و ذات الٰہی کی بحثوں میں بے شمار کتب تفسیر مدون کیں، تو صوفیہ نے عزلت نشینی تزکیۂ قلب اور جہاد بالنفس کا رنگ بھر دیا (ص ۱۴۹ و ۱۵۰)

لائق مصنف نے اس بیان میں مختلف النوع مسائل کو خلط ملط کر دیا ہے، اور تفسیر کی بحث میں کلام کے مسائل چھیڑ دیئے، ان مسائل پر آیندہ مستقل گفتگو ہوگی، اس لئے اس موقع پر ہم اس کی تفصیل میں نہیں پڑتے، مصنف کے اس بیان میں بھی چند در چند غلطیاں ہیں، یہ تسلیم ہے کہ یونانی فلسفہ نے بعض اسلامی عقائد کو متاثر کیا، اور اس کی بنا پر مسلمانوں میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے، لیکن ایران کا اثر محض تمدن و معاشرت تک محدود رہا، اسلامی عقائد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، کسی اسلامی عقیدہ میں زردشت، مزدک اور مانی کے خیالات کا اثر نہیں مل سکتا، فرق کی کتابوں میں بعض ایسے عجمی فرقوں کا حال ضرور ملتا ہے جنھوں نے زردشتی، مزدکی، مانوی اور اسلامی عقائد کا ایک معجون مرکب تیار کیا لیکن ان کو کسی زمانہ میں بھی مسلمان نہیں سمجھا گیا، اور نہ صرف محدثین بلکہ حکما تک نے انھیں مسلمان نہیں مانا، اور تفسیروں میں تو زردشتی، مزدکی یا مانوی اثرات کا کوئی خفیف پرتو بھی نہیں مل سکتا، یونانی فلسفہ کے اثرات بھی جن سے مسلمان زیادہ متاثر ہوئے محض ذات و صفات الٰہی کے چند مسائل تک محدود ہیں، تفسیروں سے ان کا بھی کوئی تعلق نہیں، بعض تفسیروں میں تردیداً ضرور یہ خیالات نقل کئے گئے ہیں، جس کو قبول اثر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں، یہ مصنف کا محض زور بیان ہے، کہ "مفسرین نے یونانی حکما کے غیر الہامی خیالات کو مسلمات سمجھ کر اختیار کر لیا، اور تمام تفسیروں میں دور از کار بحثیں شامل کر دیں، اور چوتھی صدی سے آج تک بے شمار تفسیریں اس قسم کی فلسفیانہ موشگافیوں سے بھری پڑی ہیں" جو سراسر غلط ہے، نہ مفسرین نے ان خیالات کو کبھی قبول کیا، اور نہ تفسیروں میں ان کو جگہ دی، بعض متکلمانہ تفسیروں میں تردید کے لئے البتہ یہ خیالات نقل کئے گئے ہیں، جن کو ان کے قبول سے تعبیر کرنا غلط ہے، کاش مصنف نے ان بے شمار تفسیروں میں چند ہی کا نام لے لیا ہوتا،

فلسفۂ یونان سے مسلمانوں اور اسلامی عقائد کے اثر پذیر ہونے کا جملہ جسے راقم الحروف نے بھی

جا بجا استعمال کیا ہے، تشریح طلب ہے، اس کا یہ مطلب نہین ہے کہ مسلمانون کی ساری قوم اور ان کے تمام عقائد اس سے متاثر ہو گئے، بلکہ اہلِ علم کی ایک جماعت اور بعض عقائد پر اس کا اثر پڑا تھا، جو لوگ فلسفۂ یونان سے زیادہ متاثر ہوئے وہ حکما، کہلائے، مگر ان کو کسی زمانہ مین بھی مذہب کا ترجمان، اسلام کا نمایندہ اور مسلمانون کا رہنما نہین سمجھا گیا، بلکہ وہ ہمیشہ اس مقدس دائرہ سے الگ رکھے گئے، اسلام کے اصلی ترجمان اور اس کے محافظ اور مسلمانون کے ہادی و رہنما محدثین کرام تھے، جو ہمیشہ مسلمان حکما کے خیالات کی تردید اور اس سے تبری کرتے رہے، اور اسلام کے صاف وشفاف چشمے کو اس کی کدورتون سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کی، اکابر حکما رمین کندی فارابی، ابن سینا، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن ہثیم ابن مسکویہ، کسی کو یہ منصب حاصل نہ ہوا، اور نہ ان مین سے کسی نے تفسیر لکھی، بلکہ قاضی ابن رشد تک کو جو جلیل القدر عالم دین بھی تھے محض فلسفہ کے داغ کی وجہ سے کبھی دین کی ترجمانی کا منصب نہ ملا،

لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ اہلِ علم کی ایک جماعت فلسفۂ یونان سے متاثر تھی، اور اوس کے اثر سے مسلمانون کے ایک طبقہ مین یہ خیالات پھیل رہے تھے، ٹھیک اسی طرح جس طرح آج مغربی علوم وفنون کے اثرات پھیل رہے ہین، ایسی صورت مین علما یا خاموش بیٹھے رہتے اور مسلمانون کو ان ملحدانہ خیالات کا شکار ہونے دیتے، یا ان کی تشفی بخش تردید کرتے، عقلی علوم کی تردید کے لئے تنہا نقل کافی نہ تھی، اس لئے علما، کی ایک جماعت کو محض اسلامی عقائد کو یونانی علوم کے حملہ سے بچانے کے لئے اس مین حصہ لینا پڑا، اور چونکہ محض نقلی علوم سے ان کی تردید ممکن نہ تھی، اس لئے ان کو بھی فلسفہ اور عقلیات کے اسلحہ سنبھالنے پڑے جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی، ان علما مین بہت سے صاحب بصیرت اور اربابِ عزیمت متکلم اور فلسفی علما رنے فلسفۂ یونان پر تنقید کر کے اس کے نقائص دکھائے، اور ان کا رد کیا، مثلاً امام غزالی، امام رازی، ابوالبرکات بغدادی، شیخ شہاب الدین مقتول اور ابن تیمیہ اور امام شہرستانی وغیرہ،

جن علما رمین اتنی ہمت و بصیرت نہ تھی، اونھون نے اسلامی عقائد اور فلسفۂ یونان مین مطابقت دینے کی کوشش کی گو انکا یہ طریقہ صحیح نہ تھا، لیکن ان کی نیت نیک تھی، اس کے باوجود چونکہ یہ طرز کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف تھا، اور اس مطابقت مین کہین کہین اسلامی تعلیمات میں تاویل سے کام لینا پڑتا، اور آیات قرآنی کے ظاہری معنی سے

ہٹنا پڑتا تھا، اس لئے محدثین اور دیندار علما نے اس کو بھی خلاف مذہب قرار دیا، اور ان کی تردید کی مگر اسی سے ضرور بعض فلسفیانہ خیالات اسلامی عقائد مین آگئے، جن کو مصنف نے فلسفہ یونان کے قبول سے تعبیر کیا ہے، ان خیالات کے قبول کرنے کا تو سوال الگ رہا، محدثین نے تو ان کے حملہ سے اسلامی عقائد کو بچانے کے لئے ایسے طریقہ دفاع تک کو گوارا نہ کیا جس سے صاف وسادہ اسلامی عقائد میں کوئی ایسی خفیف تاویل بھی کرنی پڑے جس کی سند کتاب اللہ وسنت رسول مین موجود نہین ہے' رہا یہ امر کہ یہ طریقۂ دفاع مفید ثابت ہوا یا مضر تو اس کے فائدہ مین کوئی شبہہ نہین، اس سے بعض اسلامی تعلیمات اور اسلامی عقائد کے بارہ میں اس زمانہ کے عقل پرستون کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگیا، لیکن اسی کے ساتھ مذہب مین بعض غیر ضروری مسائل پیدا ہوگئے، جن کو اسلام کے سادہ اور صاف عقائد سے کوئی علاقہ نہ تھا، لیکن متکلمین کے حسن نیت مین کوئی شبہہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نیتون کا اجر دے گا، دین کے اصلی محافظون کو تو بیشک ان پر اعتراض کا حق ہے، لیکن دور جدید کے مصلحین کو ہرگز اس کا حق نہین پہنچتا، جو لوگ سرسید احمد خان، مولوی چراغ علی اور ان کے ہم مشربون کی قرآنی تاویلات اور اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیرون کو جو متکلمین اسلام کی غلطیون سے کہین زیادہ گمراہ کن ہین، صحیح اور اس کو خدمت دین سمجھتے ہون، انھین متکلمین اسلام پر اعتراض کا کیا حق ہے،

مصنف کا یہ اعتراض کہ "ہر فن کے علما نے اپنے فن کی روشنی مین کتاب اللہ کی تفسیر کی، اور اکثر تفسیرین مفسرین کے ذاتی رجحانات کا شکار ہوگئیں" قرآن مجید سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے، یہ ان مفسرون اور ان کی تفسیرون کا عیب نہین، بلکہ ان کا کمال وہنر اور ان کی بہت بڑی دینی خدمت ہے، یہانتک تو تسلیم ہے، کہ کلام مجید کو یونانی فلسفہ سے کوئی علاقہ نہین، اور جن لوگون نے اس کی روشنی مین اس کی تفسیر کی ہے، انھون نے دین کی خدمت انجام نہین دی لیکن مصنف نے اور جن علوم کا نام لیا ہے مثلاً صرف ونحو، معانی وبیان، تاریخ فقہ اور تصوف تو قرآن تو ان سب کا جامع ہے، اور اس کو ان سے نہایت گہرا تعلق ہے، قرآن عربی زبان مین ہے، اس لئے غیر عرب کے عربی زبان کے صحیح پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے کا دارومدار تمامتر صرف ونحو کے علم پر ہے، اس سے ناواقف

شخص نہ صرف یہ کہ عربی کے صحیح معنی نہین سمجھ سکتا، بلکہ عبارت تک صحیح نہین پڑھ سکتا، پھر اس میں جا بجا صرفی و نحوی اشکالات ہین جن کے حل کے لئے صرف و نحو مین بصیرت کی ضرورت ہے، اس لئے کلام مجید کی صرفی اور نحوی تشریح اس کی خدمت ہوئی یا مخالفت، خود فاضل مصنف نے عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر کلام مجید کے سمجھنے مین جو جو غلطیان کی ہین، اس کی مثالیں آیندہ آئین گی، کلام مجید مین گذشتہ انبیا و رسل اور ان کی امتون اور قدیم اقوام کے سبق آموز تاریخی واقعات ہین، اس لئے اگر کسی مورخ نے تاریخی پہلو سے اس پر نگاہ ڈالی تو کیا گناہ کیا، اسی طرح کلام مجید فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، بلکہ اوس نے فصحاے عرب کو اپنا جواب بنانے کی تحدی کی جس سے وہ عاجز رہے، اگر کسی نے کلام مجید کے اس دعوی کے ثبوت مین فصاحت و بلاغت کے پہلو سے آیاتِ قرآنی کی تشریح کی، تو اوس نے اوس کی خدمت کی یا اوس کو بگاڑا، کلام مجید میں، طہارت عبادت، معاملات، نماز روزہ حج زکوٰۃ نکاح و طلاق، وراثت تجارت، لین دین وغیرہ کے صدہا مسائل اور قوانین ہین بعض کلی مسائل سے جزئیات کا استنباط ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی نے اس کے فقہی پہلو پر نگاہ ڈالی، اور اس سے مسائل استنباط کئے، تو اوس نے دین کی خدمت کی یا اس کی مخالفت کی، اسی طریقہ سے کلام مجید کا اصل مقصد تزکیۂ روح و قلب اور تعلق مع اللہ ہے، اور جہاد نفس اس کا وسیلہ ہے، اس کے بغیر روح کا تزکیہ ممکن ہی نہین ہے، اس لئے اگر کسی صاحب نظر و اہل دل مفسر نے اس روح کو نمایان کیا، تو اوس نے کلام مجید کے اصل منشاء کو پورا کیا یا اوسے اپنے ذاتی رجحانات کا شکار بنایا، درحقیقت کلام مجید، فصاحت و بلاغت کا نمونہ بھی ہے، دنیاوی قانون کا ضابطہ بھی ہے، زندگی کا دستور العمل بھی ہے، تزکیۂ قلب و روح کا نسخہ بھی ہے، نجات اُخروی کا صحیفہ بھی ہے، غرض وہ ایک مسلمان کے لئے دین بھی ہے، دنیا بھی، وہ تو ایسی جامع الحیثیات کتاب ہے کہ اس کے محاسن کا احاطہ مشکل ہے،

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ جمالِ تو ز داماں گلہ دارد

اسلئے جن علما نے ان مین سے کسی جہت کی تشریح و تفسیر کی، اونھون نے اس کے جمال رُخ کو نمایان کیا یا اوس کو بگاڑا، یہ تو مسلمانون کا نہایت پر فخر کارنامہ ہے، کہ اونھون نے اپنی مذہبی کتاب کے سیکڑون پہلوؤن پر کتابین لکھین، اور حتی الامکان اوس کا کوئی گوشہ تشنہ نہین چھوڑا، اور علوم قرآنی پر ایسا عظیم الشان ذخیرہ فراہم ہوگیا، جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہین پیش کر سکتی، لائق مؤلف نے مسلمانون کے اس سارے کارنامے پر بہ یک جنبش قلم خط نسخ پھیر دیا،

(باقی)

کلیاتِ فارسی

خط و کتابت کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے کیجائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

ابن منظور افریقی
کی
لسان العرب پر ایک نظر

از جناب پروفیسر عبد القیوم صاحب ایم اے، لکچرار زمیندار کالج گجرات

جن جن ملکون مین اسلام کا پرچم لہرایا، اور جہان جہان عربون نے دین حنیف کا پھریرا اڑایا، وہان علم وعرفان کے چشمے ابل پڑے، جو ملک بھی اسلام کے زیر اثر آیا، عربی علم وادب کا مرکز بن گیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عربی علوم وآداب کی تاریخ کے ایک طالب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہین رہ سکتی،

افریقہ بھی مسلمانون کے انھی مفتوحہ ممالک مین سے ہے، جہان عربون نے اپنی تہذیب وثقافت کے اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہین، کہ زمانہ کی دستبرد اب تک انھیں مٹا نہین سکی، اور باوجودیکہ افریقہ وحشت اور بربریت مین شہرۂ آفاق ہے لیکن عربی زبان کی گرفت مین کچھ اس طرح آیا، کہ صدیان گذر جانے کے بعد بھی وہان اسلامی اثرات بڑے نمایان اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہین، چند برس ہوے ایک امریکن مسیحی مبلغ نے لکھا تھا:

"اسلام نے افریقہ کے لئے ایک مخصوص تعلیمی اسکیم تیار کر رکھی ہے، سینی گال مین جو فرانس کے ماتحت ہے، عربی زبان اسکولون مین پڑھائی جاتی ہے، اور اس قسم کے اٹھارہ سو ابتدائی مدارس موجود ہین، ان سب مدارس مین بارہ ہزار طلبہ تعلیم پا رہے ہین، فرانسیسی سوڈان مین بھی عربی کی تعلیم کا انتظام ہے، وہان دو ہزار ایک سو تیرہ مدارس ہین، جن مین چھبیس ہزار طلبہ پڑھتے ہین، فرانسیسی گائنا مین بھی عربی تعلیم ترقی پر ہے، آئیوری کوسٹ مین اگرچہ مسلمانون کی آبادی صرف گیارہ فیصدی ہے لیکن

وہان تین سو مسجدین اور چار سو پچیس مدارس قرآن ہین، برٹش نائجیریا کے تمام مدرسون مین بھی ع.بی پڑھائی جاتی ہے"۔

یہ حالت اس زمانہ مین نظر آتی ہے جب افریقہ کی حکومت کی باگ دوسری اقوام کے ہاتھون مین ہے، اگر اپنی حکومت کے دور مین ہم وہان جلیل القدر علما، ائمہ اور ادبا، اور مختلف علوم و فنون کے ارباب کمال دیکھتے ہین تو چندان تعجب کی بات نہین،

مؤلف لسان العرب کے مختصر حالات

اس مضمون کے موضوع بحث لسان العرب کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ صاحب کتاب کے حالات چند سطرون مین پیش کر دیئے جائین، یہ بڑے افسوس کی بات ہے، کہ تاریخ اسلام کے اس جلیل القدر لغوی اور ادیب کے حالات کی جانب تاریخ اور تذکرہ نگارون نے بہت کم توجہ کی ہے اور کتابون مین اس کے نہایت مختصر اور مجمل حالات ملتے ہین، اگر اتنا بڑا عالم یورپ مین پیدا ہوا ہوتا، تو اس کی سیرت پر مستقل کتابین لکھی جاتین، اور اس کی زندگی کا کوئی گوشہ ہماری نظرون سے اوجھل نہ رہنے پاتا، اس ضمن مین یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا، کہ صاحب لسان العرب کے حالات زیادہ تر اس کے دو معاصرین کی روایت پر منحصر ہین، ایک صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (۶۹۶ھ ۷۶۴ھ) اس نے اپنی کتاب نکت الھمیان مطبوعہ ۱۹۱۱ء (ص ۲۷۵ و ما بعد) اور الوافی بالوفیات مطبوعہ ۱۹۳۱ء (ج اوّل ص ۵۰) مین اس کے حالات لکھے ہین، دوسرے محمد بن شاکر الکتبی (۶۸۶ھ۔ ۷۶۴ھ) نے اپنی کتاب فوات الوفیات مطبوعہ ۱۲۹۹ھ (جلد ۲ ص ۲۶۵) مین حالات قلمبند کئے ہین، بعد کے تمام سیرت نگارون نے انہی دونون سے استفادہ کیا ہے، اور بیشتر انہی دونون کے بیانات نقل کر دیئے ہین، اس مین حافظ ابن حجر کی الدرر الکامنہ (جلد ۴ ص ۲۶۲) سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ (ص ۱۰۶) ابن العماد حنبلی کی شذرات الذہب (جلد ۶ ص ۲۶) سرکیس کی معجم المطبوعات، زرکلی کی الاعلام (ج ۳ ص ۹۹۰ - ۹۹۱) کسی کا استثنا نہین، المنہل العذب فی تاریخ طرابلس الغرب (ص ۱۵۷) اور مفتاح السعادۃ (ج اوّل ص ۱۰۱) مین بھی کچھ حالات مندرج ہین،

ولادت اور تعلیم محمد نام، جمال الدین لقب، ابو الفضل کنیت اور الافریقی اور المصری نسبت ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی القاسم بن حبقۃ بن منظور[۱] سیوطی نے سلسلۂ نسب میں علی (دادا کے نام) کے ساتھ کسی دوسری روایت کے مطابق رضوان بھی لکھا ہے، اور صفدی[۲] نے الرُّویفعی الانصاری نسبت درج کی ہے، اس نسبت کے لحاظ سے مؤلف حضرت رُویفع بن ثابت صحابیؓ کے خاندان کی یادگار تھے ابن منظور اور ابن مکرم کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں،

۲۲ محرم الحرام ۶۳۰ھ کو دوشنبہ کے دن مصر کے ایک بڑے علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے[۳]، بچپن ہی سے علم و ادب کی طرف میلان تھا، مختلف اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، ان میں ابن المقیر، مرتضی بن حاتم، عبدالرحیم بن الطفیل اور یوسف المخیلی زیادہ مشہور ہیں[۴]، نحو، لغت، تاریخ اور کتابت میں کمال حاصل کیا[۵]، مؤلف کا اندازِ تحریر نہایت سلیس، شگفتہ، متین اور سنجیدہ ہے، ادبیات میں نہایت بلند درجہ ہے، نظم و نثر دونوں میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، شعر کے نمونے صفدی اور ابن شاکر نے نکت الہمیان اور فوات الوفیات میں درج کئے ہیں

مشاغل بعض تاریخی حقائق بڑے ہی تعجب انگیز ہوتے ہیں، ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ہمارے اسلاف زندگی کی دوسری مشغولیتوں کے باوجود علمی مشاغل میں کتنا انہماک رکھتے تھے یاقوت حموی امام ابن جریر کے متعلق لکھتا ہے، کہ اگر ان کی تصنیفات اور تالیفات کے اوراق کو ان کی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا جائے، تو چالیس ورق یعنی اسّی صفحات روزانہ کا اوسط پڑتا ہے، حافظ ابن حجر کی تصانیف کتنے مختلف علوم پر ہیں، فتح الباری، اصابہ، درر کامنہ اور تہذیب جیسی ضخیم کتابیں ابن حجر کے علم و فضل کی شاہد ہیں، سیوطی کی روایات کے استناد و عدم استناد کے متعلق جو بھی کہا جائے لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۱۰۶، [۲] نکت الہمیان ص ۲۷۶، [۳] ایضاً [۴] الدرر الکامنہ ج ۴ ص ۲۶۲، ۲۶۳، نکت الہمیان میں عبدالرحیم کی بجائے عبدالرحمن بن الطفیل مرقوم ہے جو زیادہ قرین صحت ہے،

[۵] بغیۃ الوعاۃ ص ۱۰۶،

کہ چار پانچسو کے درمیان کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، یاقوت حموی ابن کثیر، ابن تیمیہ اور دوسرے بے شمار علمار ہیں جن کے قلم کی روانی اور برق رفتاری دیکھ کر ایک انسان انگشت بدندان رہ جاتا ہے، اور اندازہ نہیں کرپاتا کہ یہ بزرگ لکھنے پڑھنے کے لئے اتنا وقت کیسے نکال لیا کرتے تھے،

ہمارے مؤلف کو کتب بینی اور تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا، باوجودیکہ قاہرہ میں مدت العمر دیوان الانشار سے وابستہ رہے،[۱] پھر طرابلس میں نظارت اور قضار کے فرائض انجام دیتے رہے، لیکن لکھنے پڑھنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ ان مشغولیتوں کے باوجود تاریخ ادب کی بہت کم کتابیں ایسی ہونگی جو ابن منظور کی نگاہ سے بچ سکی ہوں گی، محض مطالعہ ہی کا شوق نہ تھا، بلکہ اس کے ساتھ تالیف و تصنیف کا بھی ذوق تھا، ابن شاکر نے فوات الوفیات میں ان کو کثیر الخط لکھا ہے، صلاح الدین صفدی نے خود ابن منظور کے صاحبزادے قاضی قطب الدین کا یہ بیان نقل کیا ہے، کہ اُن کے والد ابن منظور نے پانسو کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی چھوڑیں،[۲] صفدی کا بیان ہے کہ وَما اعرف فی کتب الادب شیئًا الا اختصرہ، سیوطی لکھتے ہیں کہ روایات و نقل کے اعتبار سے ابن منظور کی مختصرات کی تعداد پانچ سو مجلدات تک پہنچتی ہے،[۳] ابن منظور نے جو مختصرات و مختارات لکھے ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) مختار الاغانی بہ ترتیب حروف تہجی (۲) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر قریبًا چوتھائی حصہ میں اختصار لکھا ہے (۳) مختصر تاریخ بغداد للسمعانی (۴) مختصر مفردات ابن البیطار (۵) مہذب سرور النفس بمدارک

---

[۱] فوات الوفیات، دیوان الانشار میں خدمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس کے لئے بڑے علم و فضل کی ضرورت تھی، قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ کتنے علوم و فنون میں کمال حاصل کئے بغیر دیوان الانشار میں کام کرنا قطعًا ناممکن تھا،[۲] نکت الهمیان ص ۲۷۶،

[۳] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۰۶، اس زمانہ میں قدیم علمار کی مطول کتابوں کو محفوظ کرنے کے لئے ان کی تلخیص کا زیادہ رواج تھا،

الحواس الخمس للتیفاشی (۶) مختصر العقد لابن عبدربہ (۷) مختصر ذخیرہ لابن بسام (۸) مختصر زہر الآداب للحصری (۹) مختصر یتیمۃ الدہر للثعالبی (۱۰) مختصر نشوان المحاضرۃ (۱۱) مختصر صفوۃ الصفوۃ (۱۲) مختصر تاریخ الخطیب (۱۳) مختصر الحیوان للجاحظ (۱۴) اختیار الازہار فی اللیل والنہار،

انہی چند کتابوں سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ ابن منظور کتب بینی اور تصنیف و تالیف میں کس درجہ استغراق اور انہماک رکھتے تھے کتنی ضخیم ضخیم کتابوں کو اوّل سے آخر تک بنظر غائر پڑھا، یاد رکھا، اور پھر ان کے مختارات اور مختصرات لکھے، ایک الاغانی ہی کو لے لیجئے، کہ بقول صاحب الوافی الوفیات[1] ابو الفرج اصفہانی نے اس کتاب کو پچاس برس کی طویل مدت میں تالیف کیا، پھر غور فرمائیے، کہ اس کتاب کے مطالعہ اور بلحاظ حروف تہجی اس کے اختیار اور ترتیب کے لئے کتنی مہلت اور محنت کی ضرورت تھی، یہ بھی پیش نظر رہے کہ مؤلف کے لئے تنہا یہی ایک کام نہ تھا، بلکہ دفتری مشاغل بھی تھے، اور پھر تنہا یہی ایک کتاب مؤلف کے قلم کا ثمرہ نہیں ہے، بلکہ ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے ایک ایک کے مطالعہ کے لئے عمر درکار ہے،

ابن العماد حنبلی کے قول کے مطابق ابن منظور مصر اور دمشق میں حدیث کا درس بھی دیتے رہے ہیں[2]، اور سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام سبکی اور حافظ ذہبی نے ابن منظور سے روایت بیان کی ہے[3] لیکن ان کا شمار محدّثین کے اس زمرہ میں کیا ہے جو لم یبلغوا درجۃ الحفظ والمنفردین بعلو الاسناد[4] مگر جہاں تک نحو و لغت کا تعلق ہے ابن منظور کا شمار ان علوم کے ائمہ میں ہے[5]، حافظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ ابن منظور آخری عمر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے[6]، ظاہر ہے کہ یہ محرومی بصارت کتب بینی اور کتب نویسی میں حد درجہ انہماک کا نتیجہ تھی، آخر میں مصر میں قیام اختیار کیا، اور وہیں بیاسی برس کی عمر میں شعبان ۷۱۱ھ میں وفات پائی،[7]

---

[1] جلد اول ص ۵۰ [2] شذرات الذہب ج ۶، ص ۲۶ [3] بغیۃ الوعاۃ ص ۱۰۶ [4] جلد اول ص ۱۶۳ [5] رر ص ۲۲۹ [6] الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۲۶۳ [7] حسن المحاضرہ، ج ۱ ص ۱۶۳

ابن شاکر[51] نے ابن منظور کے تشیع بلا رفض کا بھی ذکر کیا ہے لیکن معاصرانہ چشمک سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، دوسرے سیرت نگارون نے بھی اس کی تقلید مین اس کو نقل کر دیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کہا تک حقیقت و اصلیت پر مبنی ہے،

لسان العرب ابن منظور کی سب سے قیمتی اور اہم تالیف لسان العرب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے بیس ضخیم جلدون مین شائع ہوا، یہ عربی زبان کا بڑا مستند اور مفصل لغت ہے، کتاب کے نام کے ضمن مین یہ عرض کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا، کہ ابن منظور ہی پہلا مؤلف نہین جس نے لسان العرب کے نام سے عربی کا اتنا ضخیم لغت ترتیب دیا ہو، اس سے کئی صدی پہلے شیخ ابو علی سینا (م ۳۷۰ھ یا ۴۲۸ھ) نے اسی نام سے ایک ضخیم لغت مرتب کیا تھا، ڈاکٹر جمیل صلیبا نے اپنی کتاب ابن سینا کے صفحہ ۵۰ پر عربی لغت کی ایک کتاب موسوم بہ لسان العرب دس جلدون مین ابن سینا کی جانب منسوب کی ہے، شہرزوری کی کتاب نزہۃ الارواح مین ابو علی سینا کے ترجمہ کے تحت زیادات مین مرقوم ہے:

"ثم صنف الشیخ کتاباً فی اللغۃ وسماہ لسان العرب، لم یصنف مثلہ فی اللغۃ ولم ینقل الی البیاض فبقی علی مسودتہ لم یھتد احد الی ترتیبہ"

شیخ کی لسان العرب کی عدم موجودگی مین ہم نہین کہہ سکتے کہ ابن منظور نے اپنی اس کتاب کا نام محض اتفاقی طور پر رکھا یا مستعار لیا، ورنہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لسان العرب پہلی لسان العرب کا کہان تک چربہ ہے

وجہ تالیف ابن منظور کے لغت سے پہلے بھی عربی کے مستند لغات موجود تھے، خلیل بن احمد (المتوفی ۱۷۵ھ) کی کتاب العین اگرچہ اب ناپید ہے[52] لیکن بعد کے مولفون نے اس سے استفادہ کیا ہے، اور اندلس کے مشہور مصنف ابو بکر زبیدی (المتوفی ۳۷۹ھ) نے اس کا اختصار بھی کیا، اس کے بعد ابن درید (المتوفی ۳۲۱ھ) نے کتاب العین

---

[51] فوات الوفیات ج ۲، صفحہ ۲۶۵،

[52] لسان العرب ج ا، صفحہ ۲،

کے انداز پر کتاب الجمہرۃ فی اللغۃ لکھی، بعد کی مشہور کتب لغت مین سے ابو علی القالی (المتوفی ۳۵۶ھ) کی البارع ابو منصور الازہری (المتوفی ۳۷۰ھ) کی التہذیب، صاحب ابن عباد (المتوفی ۳۸۵ھ) کی المحیط، ابو الحسین ابن فارس (المتوفی ۳۹۵ھ) کی المجمل، الجوہری (المتوفی ۳۹۸ھ) کی الصحاح، ابو غالب قرطبی (المتوفی ۴۳۶ھ) کی الموعب، ابن سیدہ (المتوفی ۴۵۸ھ) کی المحکم، زمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) کی اساس البلاغہ اور صاغانی (المتوفی ۶۶۰ھ) کی العباب قابل ذکر ہین، لیکن ان کتب کی موجودگی بھی ابن منظور کے لئے وجہ تسلی نہ ہوئی، اور ان کو ان مین سے ہر ایک کتاب مین کچھ نہ کچھ ایسی کمی اور کوئی نہ کوئی خامی نظر آئی کہ ایک لغت کی تالیف کی ضرورت محسوس کی، انھین اگر کسی کتاب مین علم و ادب کا کوئی بڑا ذخیرہ نظر بھی آیا تو اسکی ترتیب انکی نگاہ مین ناپسندیدہ ٹھہری اور اگر کسی کی ترتیب تسلی بخش نظر آئی تو اسکو علمی و ادبی خامیون سے مبرانہ پایا، اسلئے ایک ایسے جامع لغت کی ترتیب کی ضرورت محسوس کی جو انکے نقطۂ نظر سے ترتیب اور علم و ادب کے ذخیرہ دونون لحاظ سے تسلی بخش اور قابلِ اعتبار ہو، اس مقصد کے پیش نظر ابن منظور نے لسان العرب کی تیاری شروع کی، لیکن انھین اپنے پیشرو مؤلفین لغت کی طرح الفاظ کی تشریح و تحقیق کے لئے بڑے بڑے طول طویل سفر اختیار نہین کرنے پڑے، اور نہ بے آب و گیاہ صحراؤن کی خاک چھاننی پڑی، مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں یہ اعتراف کیا ہے، کہ انھون نے پہلی کتب لغت پر انحصار کرتے ہوئے انہی کی مختارات سے استفادہ کیا ہے[۱] سیوطی بغیۃ الوعاۃ مین لکھتے ہین:

"جمع فی لسان العرب بین التھذیب والمحکم والصحاح وحواشیہ الجمہرۃ والنھایۃ"

لیکن احمد پاشا تیمور، سیوطی کی تغلیط کرتے ہوئے اپنی کتاب تصحیح لسان العرب مین یون رقمطراز ہین:

"وَالصَّوابُ انّ الجمھرۃ لیست مما جمعہ ابن منظور، بل مبنی کتابہ علی خمسۃ نقط وھی التی صرح باسمائھا فی خطبتہ"

لسان کی ترتیب | مولفین لغت نے اپنی کتب لغت کو تین طریقون سے ترتیب دیا ہے،

---

[۱] لسان العرب ج ۱ ص ۳،

(۱) خلیل نے کتاب العین کو مخارج الفاظ کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، المحکم اور التہذیب مین بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے،

(۲) ابن درید نے الجمہرۃ مین حروف تہجی کی اصل ترتیب کے لحاظ سے الفاظ کو ترتیب دیا ہے، المجمل، المحیط، اساس البلاغۃ وغیرہ بھی اسی طریقہ سے مرتب کی گئی ہین،

(۳) تیسرے گروہ کا امام جوہری ہے، اس نے الصحاح مین نیا انداز ترتیب اختیار کیا، اور الفاظ کے حرفِ آخر کے اعتبار سے کتاب مرتب کی، لسان العرب، قاموس اور تاج العروس مین بھی یہی ترتیب اختیار کی گئی ہے،

کتاب کی اہمیت | لسان العرب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے، کہ مؤلف نے ساٹھ ہزار الفاظ کے مصادر اور مادّون پر بحث کی ہے، اور ان کی تشریح و توضیح مین کلام عرب، ان کے ضرب الامثال، محاورات، خطبات، آیات قرآنی اور احادیثِ نبوی سے استشہاد کیا ہے، اس ضمن مین کم و بیش سترہ سو شعرا کے نام اور بے شمار اشعار لسان العرب میں محفوظ ہوگئے ہین،

غور فرمائیے کہ اتنے ضخیم اور مفصل لغت کی تدوین کے لئے کتنے صبر و استقلال، عزم و ہمت، علم و فضل، محنت و مشقت اور ذہانت و ہوشمندی کی ضرورت تھی، آج اس ترقی کے زمانے مین اگر ایک اتنا بڑا لغت لکھنا ہو تو ایک چھوڑ کئی علمی مجالس قائم کرنی پڑ ین، بلکہ کیجاتی ہین، مولفین کے بورڈ بنائے جاتے ہین، مختلف شعبون کے ماہرین کی امداد حاصل کیجاتی ہے، تب کہیں جاکر یہ بیل منڈھے چڑھتی ہے، لیکن اوس زمانے مین جب کہ یہ علمی سہولتین مفقود تھین، نہ پریس اور مطابع تھے، نہ نقل و حمل کے وسائل و ذرائع آج کے جیسے تھے، اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھانا کتنا مشکل کام تھا، اور اس کو تکمیل تک پہونچانا تو اور بھی دشوار تھا، مگر آفرین ہے ان اولوالعزم بزرگون کی جوانمردی اور ہمت پر جنھون نے اتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے کہ انھین دیکھکر آج دنیا فرط حیرت و استعجاب سے انگشت بدندان رہ جاتی ہے،

سالہا سال کی مسلسل و پیہم محنت کے بعد ابن منظور نے لسان العرب کو ۶۸۹ھ مین پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اور لغت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کا اتنا شاندار اور قابل فخر ذخیرہ جمع کر دیا، کہ یہ کتاب محض ایک لغت ہی نہین بلکہ عربی علوم کی انسائیکلوپیڈیا بن گئی، اگر ابن منظور اور کوئی کتاب نہ لکھتا اور صرف لسان العرب ہی چھوڑ جاتا تو تنہا یہی اتنی بڑی یادگار تھی، کہ رہتی دنیا تک اس کا نام فراموش نہ کیا جا سکتا،

یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین نے دوسری زبانون کے مقابلہ مین عربی زبان و لغت کی وسعت کا اعتراف کیا اور ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء-۱۸۷۶ء) جس نے عربی لغت کے مطالعہ اور تدوین مین ساری عمر صرف کر دی، اس اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا، کہ عربی زبان لغات علمی تحقیق، وسعت نظر اور محنت و تفصیل کے اعتبار سے تمام لغات سے سبقت و فوقیت لے گئی ہے[۱] لیکن المانی مستشرق نلدکے اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود، دبی زبان سے اس مین وسعت نظر کی کمی کا بھی اظہار کیا ہے[۲] افسوس کہ اس نے لسان العرب نہین دیکھی، ورنہ اس کو ابن منظور کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا، وہ عجمی الفاظ کی اصلیت و ماخذ کا پتہ بھی دیتا ہے، چند مثالین ملاحظہ ہون،

"الفلسفة الحکمة اعجمی (۱۱: ۱۸۰، سطر ۳) والتریاق بکسر التاء معروف فارسی معرب نیز (حبتی) الجوسق.... معرب واصله کوشک بالفارسیة (۱۱: ۳۱۵) القندع والقندع والقنذع کلمه الدیوث سریانیة لیست بعربیة محضة (۱۰: ۱۷۷) نستق کانه بلسان الروم تکلمت به العرب (۱۲: ۲۳۰)

اسی طرح جہان کہین اس قسم کے الفاظ آگئے ہین، ابن منظور نے ان کے ماخذ اور ان کی اصل بتانے کا پورا اہتمام کیا ہے، ان چار مثالون سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ عربی لغت نویس، فارسی، سریانی، ترکی، رومی وغیرہ ماخذون کا بھی پتہ دیتے ہین،

تسامحات کسی کتاب کے متعلق نقص سے یکسر برأت کا دعوی نہیں کیا جا سکتا، اس لئے لسان العرب جیسی

---

[۱] دیباچہ مد القاموس [۲] لسان العرب ج ۴ صفحہ ۹۷،

بڑی کتاب مین مسامحات کا رہجانا کوئی تعجب کی بات نہین کہ ایک انسان کا حافظہ اور علم کہان تک کام دے سکتا ہے، لیکن افسوس ان لوگون پر ہے جنھون نے لسان العرب کی نقل مین اس کے تسامحات پر نظر نہ ڈالی، اور انھین جو کچھ ملا بے کم و کاست نقل کر دیا، مثلاً لسان مین معقل بن خویلد کا یہ شعر مرقوم ہے،[۱]

وسو دِجعا د الر قا بِمِثلهُم یَرهَبُ الراهِبُ

مصحح نے اس کی تصحیح کی زحمت اٹھائے بغیر حاشیہ پر لکھدیا: "کذا فی الاصل بحذف بعض الشطر الاول" تاج العروس کے مولف شہیر سید مرتضیٰ زبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) نے بھی لسان العرب کے تتبع مین یہی ناقص شعر نقل کر دیا،[۲] وہان بھی حاشیہ نگار صاحب نے لکھدیا کہ لسان مین اسی طرح مرقوم ہے، حالانکہ اشعار الہذلیین مین یہ شعر یون ملتا ہے،:

وسو دِجعا دِغلاظِ الرّقا ب مثلهمو یرهب الراهب

لسان العرب (۱۵: ۱۲۳) مین عبید بن الابرص کا ایک شعر یون مندرج ہے:

اعاقرٌ کذاتِ رِحْمٍ ام غانمٌ کمن یخیبُ

لیکن عبید کے دیوان (ص ۱۱) مین یہ شعر اس طرح ہے:

اعاقرٌ مثل ذ ت رِحْمٍ اَمْ غانمٌ مثل من یخیب

ایک دو مثالین اس کی بھی ہین، کہ ایک جگہ ایک شعر ایک ترتیب سے درج ہے، لیکن دوسرے مقام پر اسی شعر کا مصراع اوّل مصراع ثانی بن گیا ہے، مثلاً حمید الارقط کے شعر مین (۹: ۴۱) اور (۱۸: ۱۶) مین مصرعے الٹ گئے ہین، یا (۲۰: ۲۹) پر مؤلف نے بطور استشہاد کمیت کا شعر درج کرنا چاہا ہے، اور "قال الکمیت" لکھکر شعر کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے وقت مؤلف کو شعر بھول گیا، اور بعد مین درج کر دینے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی لیکن بات ذہن سے اُتر گئی، اور شعر درج نہ ہو سکا،

---

[۱] لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۹ [۲] تاج العروس ج ۲ صفحہ ۳۲۰،

(۴ : ۴، ۴۲۴) پر ایک شعر ہے،

رَكَضنَ الخيلَ فيها بين بُسٍّ الى الاوداتِ تنحطُ بالنِّهابِ

اس سلسلہ مین مؤلف نے "قال عباس بن" لکھکر شاعر کے باپ کا نام درج نہین کیا، اور جگہ خالی چھوڑ دی لیکن بعینہٖ یہی شعر دوسرے مقام[۱] پر درج کرتے ہوئے لکھا: قال عباس بن مرداس السلمی، (ج ۷، ص ۳۲۷)

اس کی مثال بھی ہے کہ مؤلف کو شعر نقل کرتے وقت شاعر کے متعلق شک ہوگیا ہے اور بجائے ایک شاعر کا نام لکھنے کے دو کا لکھ دیا ہے مثلاً (۲ : ۳۳۶) پر لکھتا ہے "قال ابو ذویب او صخر الغی" بعض دفعہ ایسا بھی کہ ایک مقام (۲ : ۲۰۷) پر ایک شعر عبد اللہ بن عنمۃ الضبی کی جانب منسوب کیا ہے، پھر بعینہٖ وہی شعر دوسرے مقام (۱۹ : ۱۴۳) پر اسی شاعر کی جانب منسوب کرنے کے بعد انتساب مین شک پیدا ہوگیا، پھر خود ہی اس کی تصحیح کر دی ہے "والصحیح انہ لسلمۃ بن عوبۃ الضبی"

یا ایک شعر ایک مقام پر (۶ : ۷۶) غسان بن دعلہ کی جانب منسوب کیا ہے لیکن وہی شعر دوسرے مقام (۱۹ : ۱۹۴) النمر بن تولب کی طرف منسوب کر دیا، اس قسم کی مثالین اور بھی ملتی ہین، انتساب مین اختلاف کے علاوہ خود شعرون مین بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک مقام پر ایک شعر درج ہے، دوسرے مقام پر وہی شعر تھوڑے سے اختلاف سے مرقوم ہے، اس کی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہین،

بعض ایسے اشعار ہین کہ مؤلف لسان العرب نے ان کو کسی شاعر کی جانب منسوب کیا ہے لیکن وہ اشعار اس شاعر کے مطبوعہ دیوان مین نہین ملتے، مثلاً ذیل کا شعر طرماح کی جانب منسوب کیا ہے، (۶ : ۲۵۸)

كل مشكوك عصا فيره قانئُ اللونِ حديث الزماهر

یہ شعر طرماح کے دیوان میں موجود نہین، اور نہ اس کے ملحقہ ضمیمہ مین ہے، جس مین مختلف کتب سے اس کے اشعار جمع کرکے درج کئے گئے ہین، بعض اشعار لسان العرب اور دواوین مین باختلاف الفاظ پائے جاتے ہین،

اسی طرح اور بھی بہت سے مسامحات ہین جنھین مین نے لسان العرب کی فہارس مرتب کرتے وقت جمع کیا تھا، اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے کئی مقالون کی ضرورت ہوگی،

زندگی مین غم کیون ہے؟[۱]

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

بے خلش ہا زیستن نا زیستن! باید آتش در تہ پا زیستن

زیستن این گونہ تقدیر خودی است از ہمین تقدیر تعمیر خودی است (اقبال)

ابتلار یا آزمایش انسان کی تقدیر ہے، اور ابتلا ہوتی ہے زندگی کی محبوب و مرغوب چیزون کے روک لئے جانے یا فنا کر دیئے جانے سے، ان پر آفات کے نزول سے ان کے حصول مین مشکلات کے پیدا ہونے سے خلش سے درد و غم سے رنج و الم سے، قلب کے تار ٹوٹنے سے، یا زیادہ جامع الفاظ مین یون کہو، خوف سے، بھوک سے، جان و مال و ثمرات کے نقص و کمی سے، اور ابتلار کا مقصد سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، خودی کی پختگی ہوتی ہے، حیات کی زیادتی ہوتی ہے، قوت کی توفیر ہوتی ہے، خاص و عام رحمتون و راحتون کا نزول ہوتا ہے! اور جو شخص ابتلار سے بھاگنا چاہتا ہے، وہ ایک کلی و وجوبی قانون کی ہمہ گیر قوت سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اور نا دانستہ طور پر اپنا ہی نقصان چاہتا ہے، اپنی خودی کی تکمیل و تعمیر نہین چاہتا، حیات و قوت کی توفیر نہیں چاہتا! وہ بھول جاتا ہے کہ

دوام ما ز سوز نا تمام است چو ماہی جز تپیش بر ما حرام است

مجو ساحل کہ در آغوش ساحل تپیدیک دم و مرگ دوام است! (اقبال)

---

[۱] یہ مقالہ حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس نظام آباد دکن مین سنایا گیا،

اپنے اس دعوی کی تائید مین ہم آپ کو کچھ دیر کے لئے فکر و نظر کی دعوت دیتے ہین، اور کائنات و فطرتِ انسانی کے چند کلی و ضروری قوانین کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتے ہین، ع

یک تنقیہ دماغ می باید کرد!

انسان احتیاج کا دوسرا نام ہے، انسان کی عضویت کی تحدید و تقیید ہی سے احتیاج پیدا ہوتی ہی، یعنی اس کی فطرت ہی مین احتیاج ہے، وہ حاجت مند ہے، فقیر ہے، اور درد نتیجہ ہے اسی فقر و احتیاج کا، فطری طور پر وہ اس درد کی دوا چاہتا ہے :

عالم ہمہ در دست و دوا می خواہد　　　از خوانِ کرم برگ و نوا می خواہد

کس بے حاجت نمی تواند دیدن　　　درویش غذا شہ اشتہا می خواہد

(سحابی استرآبادی)

اب اس عالمِ اسباب و علل مین جس کی تشبیہ انگارہ سے دیجا سکتی ہے، مجاہدہ اور عمل ہی سے احتیاج و فقر اور درد و غم بڑی حد تک دور کئے جا سکتے ہین، جو اپنی بنیاد و اساس کے طور پر علم صحیح کو فرض کرتا ہے، مجاہدہ بغیر علم صحیح کے ممکن نہین، اور علم صحیح عمل سے علٰحدہ ہو کر نافع نہین ہو سکتا، اس لئے ہم انھین دو پہلوؤن کو یہان اختصار کے ساتھ پیش کر کے اپنے دعوی کی تائید کرین گے،

یاد رکھو کہ انسان کی زندگی اس معنی مین ہمیشہ خطرناک زندگی ہے، کہ درد و غم، سوز و الم اس کی ماہیت مین داخل ہین، کائنات کے اندرونی اسرار سے جو لوگ واقفیت رکھتے ہین، ان کا ایقان ہے، کہ کائنات کا مبدٔ حق تعالیٰ ہین، جو حکمت و خیر کے اعتبار سے مطلق و لامحدود ہین، وہی اس کائنات پر حکمران ہین، حکم ان ہی کا چلتا ہے، مشیئت ان ہی کی نافذ ہو رہی ہے، لہذا یہ کائنات مظہر ہے خیر و حکمت کا، ہر درد و غم جو انسان کی زندگی کا ساتھ نہین چھوڑتے، اور ہر رنگ مین انسان جو جلتا رہتا ہے، اس مین کونسی حکمت ہے، اور خیر کا کونسا نمایان پہلو ہے؟ ان ہی واقفانِ راز کا بیان ہے، کہ اہلِ ذکر یا مشاہدہ پر اس کی حکمت مبرہن ہے، اس کی

توضیح تین توانین کی شکل مین پیش کیجا سکتی ہے،

(۱) درد وغم، سوز والم نتیجہ ہے جرم ومعصیت کا، گناہ وبدکرداری کا، ذمائم اخلاق اوران سے پیدا ہونیوالے افعال واعمال کا، اس راز کو قرآن حکیم نے اس آیت مین پیش کیا ہے :-

وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (پ ۲۵ ع ۵)	تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمھارے ہی ہاتھون کے کئے ہوئے کامون سے ہے اور بہت سے تو درگذر ہی کر دیتا ہے،

اسی راز کو کسی اور جگہ زیادہ واضح الفاظ مین یون ظاہر فرمایا گیا ہے :

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ (پ ۴ ع ۸)	اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی، کہ تم اس سے دوچند پہنچا چکے ہو، تو کہتے ہو، کہ یہ کہان سے آئی؟ آپ فرما دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تمھارے ہی طرف سے پہنچی،

صاحب کتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس اصول کی تفسیر مین فرمایا کہ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ عَلَيْكُمْ[۱] یہ تمھارے ہی اعمال ہین جو تم پر لوٹائے جاتے ہین، قرآن وخبر سے اس راز کو معلوم کر کے حکما وصوفیاے اسلام نے یہ اصول قرار دے لیا ہے، کہ

اِنَّ جميع الوجود يقابلكم بحسب ما برز منكم من الاعمال فانظر واكيف تكونون ‘

فانّ الظل تابع للشاخص فی العوج والاستقامة (شیخ ابوالنجیب)

یعنی جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہین ویسے ہی بدلہ بھی دیا جاتا ہے، اس لئے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے، اگر کوئی شے ٹیڑہی ہے، تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا، اور اگر سیدھی ہے

۱؎ انما هی اعمالکم احصیها علیکم فمن وجد خیرًا فلیحمد الله ومن وجد غیرها فلا یلومن الا نفسه

محال کی تمنا کی، مَنْ طلبَ استقامة الظل مع عوج الشاخص فقد رام المحال! اسلئے یاد رکھو اور خوب سمجھ لو، کہ یہ جو سوز و غم تمھارے قلب کو کھائے جارہا ہے، یہ نتیجہ ہے تمھارے ہی اعمال بد کا، مثلاً جب تم کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ تم کو ناحق آزار پہنچارہا ہے، بے وجہ تکلیف دے رہا ہے، زبردستی ستارہا ہے، تو ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا تم نے بھی اسی قسم کی حرکت کسی معصوم و مظلوم کے ساتھ نہین کی تھی، جس نے تم کو کوئی تکلیف نہین پہنچائی تھی؟ ممکن ہے کہ فوراً یاد نہ آئے لیکن تحت الشعور نفس کی گہرائیون مین یہ واقعہ ضرور مندرج ہے، وہ ایک روز تمھارے غور و فکر کرنے پر ظاہر و باہر ہو جائے گا! ہر حادثہ اور مصیبت کے وقت اسی قسم کی سوچ بچار سے کام لیا جائے اور دیانت فکری کو ہاتھ سے نہ دیا جائے تو آدمی بالآخر اس امر کا قائل ہو جاتا ہے، کہ اللوم علی لا علیھم، ملامت مجھ پر ہے، میرے دشمنون پر نہین، کیونکہ حقیقی معنی مین میرا دشمن کوئی نہین، مین ہی اپنی ذات کا بڑا دشمن ہون، دوسرے دشمن، میرے ہی طبیعت کے پیدا کردہ ہین، ع

نزادہ طبع من اند آنانکہ خصمان من اند (خاقانی)

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جان و دل سے تصدیق کرنے لگے گا، کہ "اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک" تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونون پہلوؤن مین ہے! درد و الم تیرے ہی ہاتھون کی کمائی ہے، یداک کسبتا و فوک نفخ![1]

جو مصیبت و آفت، درد و غم گناہون کی عقوبت کے طور پر وارد ہوتے ہین، ان کی پہچان بس یہی ہے، کہ انسان نزول بلا پر صبر نہین کرتا، اپنی جیسی بے بس و بے کس ہستیون کی طرف اپیل کرتا ہے، جزع و فزع کرتا ہے، شکایتون کا دفتر کھول دیتا ہے، مقام شکوی مین داخل ہو جاتا ہے، اور مقام صبر سے خارج ہو جاتا ہے، مصیبت کے دفع کرنے کا واحد علاج یہی ہے، کہ اپنے اعمال کی اصلاح کی جانب توجہ کرے، اپنے نفس کا تزکیہ کرے، قلب کا تصفیہ کرے، اپنے سر کا اوہام باطلہ سے تخلیہ کرے، خیر کی جانب لوٹے، نور کی طرف پلٹے، ظلمتون سے نکل جائے غم و الم

---

[1] قول شیخ اکبرؒ، تیرے ہاتھون نے کمایا، اور تیرے منہ نے پھونکا،

کی تاریکیاں خود بخود دور ہوجائیں گی، اور راحت و مسرت کا نور اس کی رگ و پے میں سرایت کرنے لگے گا،

درد و غم وہ اشارات ہیں جو انسان کو اس کے اعمال کی جانب متوجہ کرتے ہیں، یہ خیر کی طرف ہدایت کرتے ہیں، ان کا وجود اس پر اسرار کائنات میں بے معنی نہیں، شر محض نہیں، یہ خیر کے تحقق کا زبردست آلہ ہیں، خیر کی منزل تک پہنچانے کا نہایت قوی ذریعہ ہیں یہ جرائم و معاصی کی ظلمتوں کو رفع کرنے میں نور کا کام دیتے ہیں، ایک لفظ میں یوں کہو کہ یہ خام کو پختہ بنانے کیلئے ضروری ہیں، اقبال نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے :

جہان ما کہ جز انگارۂ نیست   اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سوہانِ قضا ہموار گردد   ہنوز این پیکرِ گل ناتمام است

سوہان قضا پیکر خاکی کے نقص و تحدید کو کجی و خامی کو، غم و الم کے انگارہ سے دور کرتا جاتا ہے اور اس کو کمال کی طرف کھینچ لاتا ہے !

(۲) بعض دفعہ درد و الم، سوز و غم، معاصی و جرائم کی عقوبت کے طور پر نہیں عائد کئے جاتے، مقصود محض سزا دینا نہیں ہوتا، بلکہ تطہیر ہوتی ہے، تکفیر و تمحیص ہوتی ہے، شہوتوں و لذتوں کے اتباع سے نفس میں تاریکی پیدا ہوتی ہے، اوامر الٰہی کی مخالفتوں سے قلب مردہ ہوجاتا ہے، درد و غم سوز و الم نفس سے ظلمتوں کو رفع کرتے ہیں، مردہ قلب کو جلاتے جگاتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف اُس کا رُخ پھیرتے ہیں، جو نور مطلق ہیں، وہ ان کی طرف رُخ کرکے نورانی ہوجاتا ہے، اور گناہوں کی ساری تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں، ! بلاؤں اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل و خوار ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، شہوتوں اور لذتوں سے ٹوٹ کر ان سے جڑ جاتا ہے، ربط قائم کرلیتا ہے، غم سے زیادہ مؤثر تطہیر کے لئے کوئی اور شے نہیں، اور بلا آتی ہے اسی تطہیر کی خاطر ع

این بلاے دوست تطہیرِ شما است   (رومی)

اسی مقصود کے پیشِ نظر یہ کہکر عارف روم درد و غم (قبض) سے رنجیدہ نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں، اور اس کو سالک کے لئے مفید قرار دیتے ہیں،

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین تازہ باش و چین میفگن بر جبین

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو آن صلاح تست آیس دل مشو

اسی خیال سے صوفیۂ کرام نے بلا و مصیبت کو حق تعالیٰ کے انعامات سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے آلام محبوب به از انعام محبوب، بلا ہی عطا ہے، اور عطا پر غم کیسے، بلا از دوست عطا است و از عطا نالیدن خطا ست!

کے ز آزار تو بیزار شود جان حسین زخم چوں از تو رسد با ہمہ آزار خوشیم

(منصور حلاج)

بلا و غم جب تکفیر و تمحیص کے لئے آتے ہیں، تو اس کی صاف علامت یہی ہے، کہ مبتلیٰ جزع و فزع نہیں کرتا، صبر جمیل سے کام لیتا ہے، دوستوں اور ہمسایوں کے سامنے اپنی مصیبت کو پیش کر کے شکوی و شکایت نہیں کرتا، صبر کر کے بے حساب اجر کا امیدوار رہتا ہے!

(۳) اور بعض دفعہ بلا و مصیبت محض تطہیر و تکفیر کے لئے بھی نہیں آتی، بلکہ ارتفاعِ درجات اور بلوغِ منازلِ عالیات اس کا مقصد ہوتا ہے، یہ قانون اہل اللہ کے متعلق ہے جنھوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہے، جن کے قلوب پاک و مصفی ہیں جنھیں ربط بحق قائم ہے، یا دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے بلائیں ان ہی پر نازل ہوتی ہیں چنانچہ البلاء للولاء، بلا دوستوں کے لئے ہوتی ہے، مشہور خاص و عام یہی ہے، اس قانون کو رازدانِ حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے:

اذا احب اللہ عبداً ابتلاہ فان صبر اجتباہ وان رضی اصطفاہ،

یعنی جب حق تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، اگر وہ صبر کرے تو اپنا پسندیدہ بنا لیتے ہیں، اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ قرار دے لیتے ہیں، اسی لئے حضرت معروفؒ فرمایا کرتے تھے

لیس بصادق فی دعواہ من لم یتلذذ بضرب مولاہ، جو اپنے مولا کی مار سے لذت نہیں لیتا وہ سچا غلام ہی نہیں!

اسی مفہوم کو کسی عاشق نے ان پُر کیف نغمون مین ادا کیا ہے :

جان بلب آمد زدرد کردم از دو دطلب گفت اگر تو عاشقی صبر کن و رضا طلب

یار دے کہ بر سرت تیغ زند تو دم مزن سر بفدائے یار کن ہیچ نہ خون بہا طلب

محوِ مرادِ یار شو تا شود او بہ کامِ تو قابل التفات نیست عاشق مدعا طلب

انسان کی فطرت کے اقتضاءات و قابلیات کا جن کو حکیمانہ علم حاصل ہے، وہ اس راز کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہین، کہ منازلِ عالیہ تک رسائی کے لئے درد و غم لابدی و لازمی ہے، تقیید جو انسان کی فطرت ہے، اطلاق کے کسی درجہ کی متحمل نہیں ہوسکتی، درد و الم ہی سے رفتہ رفتہ اضافی اطلاقیت پیدا ہو تی جاتی ہے، یہ اطلاقیت کیا ہے؟ نفس کی تحدیدات سے رہائی ہے، ذمائم اخلاقیہ تحدیدہی کا نتیجہ ہین، صفاتِ حسنہ کا پیدا کرنا مشقتون کا برداشت کرنا ہے، تحمل مشاق موجب الم ہوتا ہے، لیکن ایک دفعہ جب صفاتِ حسنہ پیدا ہو جاتے ہین، تو انسان ترفع محسوس کرنے لگتا اور ہزارون غمون سے نجات پاتا ہے، گو درد و غم کو وہ فطرةً مکروہ سمجھتا ہے، لیکن نتائج سے واقف ہونے کے بعد وہ حق تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق کرنے لگتا ہے، کہ

عسیٰ ان تکرھوا شیئًا ویجعل اللّٰہ فیہ خیرًا کثیرًا، یعنی شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اس مین خیر کثیر رکھی ہو،

اولیا پر جو بلائین نازل ہو تی ہین، وہ ان کے درجات کے ارتفاع کے لئے ہو تی ہین، حق تعالیٰ انھین اپنا قرب عطا کرتے ہین، فقر و نیستی مین انھیں مبتلا کرتے ہین، درد و حزن ان پر طاری کرتے ہین، ان سے ارشاد ہوتا ہے کہ البلاء کنز من کنوز الجنۃ لا یعطیٰ الا باولیاء ہٗ عشاق بلا، کی اہمیت و قیمت سے واقف ہوتے ہین متوار وہ اس کے طالب ہوتے ہین، کہ

دردِ قدح درد کہ آن می باید دردیکہ ز تست بیشتر می باید

تلخست عجب لیک بسے خوش خوار است ہر چند ہمی خورم دگر می باید!

کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو یہ کہکر تسکین دیتے ہین، کہ

بفقر و نیستی، یک دو روزہ خوش می باش   کہ یار خود ز کرم عذر خواہ می گردد!

ان کے نزدیک جان کے مقابلہ مین تن کی زیادہ قدر نہین اور جان کی قدر "جانان" کی وجہ سے ہے، تن اگر تکلیف مین ہو، لیکن جان جانان کے مراد کے مطابق ہو، اور اس کے جمال سے کیف اندوز تو پھر تن کی تکلیف کی کیا شکایت! اسی لئے بلا مین یہ عوام کالانعام کے خلاف

(۱) کسی غیر کے آگے شاکی نہین ہوتے، اور اپنی تنگ دلی کا کسی کے سامنے اظہار نہین کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہین، کہ فَاِنَّھُمْ لَنْ یُّغْنُوا عَنْکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئًا،

ستم کشان محبت دم از فغان بستند
گرہ ز جبہ کشاوند و بر زبان بستند

(۲) اپنے باطن مین اتہام اپنے رب پر نہین رکھتے، اس کی حکمت بالغہ مین انھین کوئی شک نہین ہوتا! وہ حق تعالیٰ سے یہ خطاب سنتے ہین،

با درد بساز چون دوائے تو منم   در کس منگر کہ آشنائے تو منم
گر بر سر کوئے عشق ما کشتہ شوی   شکرانہ بدہ کہ خونبہائے تو منم

(۳) انھین یقین کامل ہوتا ہے، کہ حق تعالیٰ نے جو بات اون کے لئے اختیار کی ہے وہی ان کیلئے دین و دنیا مین اچھی ہے، ع

صلاح ما ہمہ آنست کان تراست صلاح

"حدیث الولی" مین اس آخری نکتہ کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین، کہ میرے بندون مین کوئی ایسا بھی ہے کہ تونگری یا غنا کے سوا کوئی چیز اس کو صالح نہین کر سکتی، اگر مین اوس کو فقیر کر دون تو وہ فقر اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے

کہ اس کو فقیری و درویشی کے سوا کوئی چیز نیک نہین بنا سکتی، اگر مین اوس کو غنی کر دون تو غنا اوس کے ایمان کو فاسد کر دے، اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو صحت و تندرستی کے سوا کوئی چیز اس کو درست نہین رکھ سکتی اگر مین اوس کو بیمار کر دون تو وہ بیماری اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے، کہ بیماری کے سوا کوئی چیز اس کے ایمان کو درست نہین رکھ سکتی، اگر مین اوس کو تندرست رکھون تو یہ تندرستی اس کے ایمان کو فاسد کر دے، مجھے اپنے بندون کے احوال سے پوری آگاہی ہے، اور مین ان کے مطابق اپنا کام کرتا ہون

حق تعالیٰ کی ان ہی حکمتون سے واقف ہو کر عشاق ان کی حُسنِ تدبیر، قضا و اختیار سے راضی اور مطمئن رہتے ہین، اور ہر حال مین "رضا بالعطا اور حفظ حال" کو ضروری سمجھتے ہین، اور قلب کی گہرائیون سے ع

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

کے قائل ہوتے ہین! اسی لئے گو وہ "طبعی" غم و اندوہ مین مبتلا ہوتے ہین، لیکن "عقلی سرور" سے اون کے قلب خالی نہین ہوتے، یہ ہے "جمع بین الاضداد" اور "ضدون کی جمع کا یہ ہنر" ان ہی کو آتا ہے! رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ!

غرض طبعی حزن و غم کے لحاظ سے کلیہ یہ ہے کہ ع

عالم ہمہ درد است و دوا می خواہد!

یہ درد یا تو گناہون اور بدکرداریون کا نتیجہ ہے، یا تطہیر و تکفیر کے لئے وارد ہوتا ہے یا رفعِ درجات کے واسطے عائد کیا جاتا ہے! بہر حال

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (ع پ ۳۰) ہم نے انسان کو بڑی مشقت مین پیدا کیا

کے کلی قانون کا کوئی استثنار نہین دکھائی دیتا، انسان کی ساری عمر محنت اور دکھ غم و اندوہ مین گذرتی ہے، سوز والم مین بسر ہوتی ہے، وہ ایک موج بیقرار کے مانند ہے، جس کی ماہیت ہی مین پیچ و تاب ہے، چنانچہ اقبال نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے ؎

چہ پرسی از کجا یم چیستم من؟ بجز و پیچیدہ ام تا زیستم من
درین دریا چو موج بیقرارم اگر بر خود نہ پیچم نیستم من!

لیکن جیسا کہ اوپر واضح ہوا درد و غم سوز و الم بے معنی نہین، بغیر مقصد و غایت کے نہین، اس کا مقصد خودی کی تعمیر ہے، قوتِ حیات کی توفیر ہے، اسی مقصود کو پیشِ نظر رکھنے سے انسان کو طبعی درد کی حالت مین بھی عقلی سرور حاصل ہو سکتا ہے، یعنی اوس کو اپنی جہت سے غم ہی غم ہے لیکن حق تعالیٰ کی جہت سے سرور ہی سرور، اسی نکتہ کو سمجھ کر عارف رومی نے فرمایا تھا ؎

چون بدانستی کہ ظلِ کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی
قطرۂ نوری سراپا نور باش بگذر از غم دائماً مسرور باش

فافہم و تدبر!

الفاروق

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرزِ حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

یہ کتاب مولنٰا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبع معارف نے نہایت اہتمام سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے، جس کے ساتھ دنیاے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل ہے، طباعت و کاغذ نہایت عمدہ قیمت ۓ ضخامت ۲۱۲ صفحے،

المامون

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات، مولنٰا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جس مین ممدوح نے تاریخ اسلام کے پر فخر عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی حالات قلمبند کئے ہین، جن سے دولتِ عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، دار المصنفین نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے، قیمت عہ، ضخامت ۲۴۴ صفحے،

"مینجر"

نواحِ دہلی

کی

اردو کی دو قدیم ترین کتابین

از

جناب ڈاکٹر رشید الدین احمد صاحب بی ایس سی علیگ خانقاہ شعیبہ بنجارہ

صاحبِ گلشنِ ہند و آبِ حیات وغیرہ نے شاہ ولی اللہ دکنی اورنگ آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ کو زبان اردو کا پہلا شاعر لکھا ہے، جو سید ابو المعالیؒ کے ساتھ بعہدِ سلطنت محمد شاہ ۱۱۳۴ھ میں دہلی آئے چنانچہ لکھتے ہین ؎

دل ولی کا لے لیا دلّی نے چھین   جا کہو کوئی محمد شاہ سون،

۱۱۴۱ھ مین اونھون نے مثنوی دہ مجلس لکھی، مثنوی مین ہے،

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال   تھا گیارہ سو یہ اکتالیسوان سال

مصنف "دکن مین اردو" نے وجدی کی مثنوی تحفۂ عاشقان کو ۱۰۱۵ھ کی تصنیف قرار دیکر زبانِ اردو کا پہلا شاعر وجدی کو مانا ہے، مگر بہار منظر مین ہے کہ وجدی مسمی وجیہ الدین قوم شیخ کرنولی کی تحفۂ عاشقان جو مثنوی گل وہرمز عرف گل خسرو فریدی کا ترجمہ ہے، ۱۱۵۲ھ مین، اور پنچھی نامہ یا پنچھی باچھا جو منطق الطیر کا ترجمہ ہے ۱۱۴۶ھ مین اور باغ جانفزا ۱۱۴۵ھ مین لکھی گئی ہین، تحفہ کا ایک شعر یہ ہے ؎

کردن پاک دل ہو زبان پاک سون   تنا پاک اس عاشق پاک سون

جواہر سخن مطبوعہ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد کی جلد اول مین اردو کا پہلا شاعر وجہی دکنی کو لکھا

گیا ہے، جنھون نے کتاب سب رس نثر میں بزبان دکنی سنہ ۱۰۴۵ھ میں لکھی،

تاریخ ادب اردو میں پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ متوفی سنہ ۱۰۲۲ھ کو لکھا گیا ہے، ان کا ایک شعر یہ ہے،

بخشا فصیح شعر معانی کے تئین خدا کرتے ہین دعوی شعر کا سب اپنی طبع سون

اور حسب تحقیق ولی اللّٰہی حضرت شیخ رزق اللہ علوی دہلوی[1] متوفی سنہ ۹۸۹ھ نے فارسی مین جن کا تخلص مشتاقی اور ہندی مین راجن ہے بہت اشعار ہندی میں تحریر فرمائے ہین، ہندی مین رسالہ پیمان اور جوت نرجن وغیرہ بھی ارقام فرمائے ہین،

مثنوی واقعات امامیہ | لیکن میرے نزدیک اردو کی سب سے قدیم تر مثنوی، مثنوی واقعات امامیہ ہے، یہ مثنوی حضرت شاہ غلام رسول تجاوری[2] برادر حضرت شاہ حافظ منور بایزید ثانی معمر قریشی نے ہمایون کے عہد سنہ ۹۳۸ھ میں اردو مین جس کو اس زمانہ مین ہندی کہتے تھے، لکھی، چنانچہ مثنوی مین ہے،

ہمایون شہ آن شاہ جمشید جاہ جو ہے حکمران اب بلا اشتباہ

غلام رسول است امیدوار شہا شہریاران مرادش برآر

تجارہ شہر وطن مالوف اوست درین ملک میوات معروف اوست

یہ مثنوی کتب خانہ مجیدی واقع خانقاہ شعیبی مملوکہ و مقبوضہ حضرت صاحب سجادہ نشین خانقاہ شعیبیہ تجارہ آفتاب میوات میں موجود ہے، جس کو عالیجناب میجر سی، ڈبلو، ایل ہاروے صاحب بہادر، او، بی، ای، ایم، سابق پرایم منسٹر ٹونک وغیرہ چیف منسٹر راج الور نے عجائبات مین شمار کرتے ہوے میوزیم فنڈ سے حفاظت کتب کے لئے ایک سو بیس روپیے مرحمت فرما کر قدردانی کا ثبوت دیا ہے،

---

[1] آپ کا مزار دہلی کی عیدگاہ کے پاس ہے [2] تجارہ پہلے توابع دہلی میں شمار ہوتا تھا، آج کل ریاست الور مین ہے، کتاب صبح گلشن میں تجارہ من اعمال شاہجہان آباد تحریر ہے، اور زیر حکومت فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ مورث اعلیٰ نواب صاحب آف لوہارو کے بھی رہا ہے،

نمونہ کلام | اس مثنوی کے چند اشعار یہ ہین،

الٰہی ترا فضل جو یار ہو فلک اور ملک سب مددگار ہو

میرے دل مین ہے آرزوے تمام حقیقت لکھون واقعاتِ امام

بہندی زبان بعض در فرس ہم نگارش نمودیم ترتیب نظم

کتھا درد دکھ کی جگر سوز ہے دل افسردگان شعلہ افروز ہے

رضاے خدا گر نبودے چنین ستمگر نہ بستے میان پھر کہین

زمین پیٹ پھٹ کھائی جاتی بدم فلک ٹوٹ پڑتا نہ با این ستم

غلام رسول آؤ سرکر سخن کھڑی خلق تیرے سخن کو سُنن

اردو ہندی کے الفاظ | اس مین اردو اور ہندی کے حسب ذیل الفاظ پائے جاتے ہین :-

جتن، آپ روپ، ہاہا، سریہ، بہاگ، بالی (لڑکی) بالا، اگا، دلہن، راکھے، ساریان، چوک، دونون بل (طرف) تھوں، ہمون، برین، دہن دہرو، بتنگا، چپٹ، اوکھٹ، کپٹ، نپٹ، بچی جھٹکن، سوہا، ماتھے، بات لاگو، ہنگورا، کاپن، دللے، اوسان بہین، کبھووی، موے، کارنے، ستن، کون، سون، جون، پٹرا، گڈا، پڈھ، بڈا، کتھا، بیتی، بہت، کمائی، اوتی، جادتی، رُوتی، وسوُتی، پہرے (پڑھے) پچھانا (پہچانا) بہجایا ہیں بہوت (بہت) جل (پانی) انجھواں (آنسو) اوگے، اوترہ، ندان، پڑ گئے، چہون اور، نروار، سوگند، باگ (لگام) کتے، کنے، سوائس سورسا نوت لایا بلاک، پہریہ (پہن لیا) اینچ کر، انون، لک، چونب (چوم) انکھیان مجہہ، بنانا، رتہ چین، بکھ سون دیدن آپنا، سنگاتی، گلے لاگ، چاچا، وادینے، پتاسا، نراسا، انکھیون، کملا، لوہوبہن، کہونرتدی، پچھون کنک، تنک، بچے، آؤتا، لاوتا، ہول، سراوپر لیا، جگ، بوتا، سورمان، لڑن، بکیان (رنگہ دانے) کمس بلی، بلادن، راہ لورن لگے، کیتے، تینے، جدی، کنے، کرتیان، ملن بلن، بیاہلی، چہراون، بچاون، روس، جھیلین، اپنے بچل، ترت، کملا،

دیوان منعم تجا.ری اسی دور کی دوسری کتاب دیوان منعم ہے، اس کے مصنف حضرت مولانا شاہ محمد اشرف عمرانی القریشی المتخلص بہ منعم ہیں، یہ حضرت شاہ غلام رسول مصنف واقعات امامیہ کے بھتیجے تھے، یہ دیوان بھی مذکورہ بالا لائبریری میں موجود ہے، اس کے اشعار کا نمونہ یہ ہے،

نمونۂ کلام

دیکھ کر اس قد موزون کو زبس شرم کے سات — گڈ گیا خاک میں سرو آج گلستان کے بیچ

ہے بپیچ و تاب مین سنبل کا دل ہی اٹکھ — سُن کر صبا سین طرۂ دستار کی خبر

شمع اس یار کے رخسار کون دیکھ — ہوئی فانوس مین جل کرکے روپوش

ٹک ایک تو چیت مت کھو عمر ضائع — نہین بہتر ہے منعم خواب خرگوش

رونق نہین ہے سفحہ کی جد دل بغیر دیکھ — ایسے ہی حسن کے تئیں دے ہے بہار خط

کونسا معشوق ہے جگ مین جلے عاشق کیساتھ — اس قدر عاشق نوازی کون ترے چھاتی ہی شمع

ابر ہے سبزہ ہے اور خندان ہی گل گلشن کے بیچ — حیف ہے اس وقت میں ساقی نہیں دیتا ایاغ

رات دن ہے شوق سین گل کے چمن مین پابند — سب غلط ہے جو کوئی کہتا ہے سرو آزاد ہی

منعم ہو عاشقان میں اس وقت کا سلیمان — دیو گر اپنی اسکون انگشتری نشانی

اردو اور ہندی کے الفاظ بل گئے، جھکجھورے، بسرام، بسر، مان سوں، لگ، سیں، سیتی، جاگین، زدولوں، جوں، باج، کھوؤتا، ٹباں، لباں، بوتے، (بت) گلے ہار، بوجھ، تیں، نیں، نین، تس پی، سجدار، تد، تدہر، جد، بہیر، (پھر) جیک، ٹک، چیت، اسے آگیں، جھلکا صحبت برار، جگ وو ہین، آج اداں، بوجھتی، انکھاں، پریت، پاؤتی، تریتنگی، سرخوشی، پڈی، ڈھلا، لیئں، کیھو، بوتے، (بت) جا تا زہ دیو، (دیکھے) تجھ اوپر، پٹرو، حوش نیں، جاکہا، جیو، من، لگن، اگن، لکھن، تیکھی، نپٹ، بھنک، بڈھ، گھل مل، جھسیلیں، اپیتے، اپتا، کیدھر، ادڈگئے، وسکا، جس، اودر، سجن، ساجن، اندوک،

یا نام نداب وغیرہ،

سلسلۂ رسولیہ کے متعدد بزرگ ارشاد و ہدایت کے ساتھ صاحبِ علم بھی تھے، حضرت شاہ غلام رسول نے مثنوی واقعاتِ امامیہ تصنیف فرمائی، مولانا شاہ محمد اشرف، حضرت خواجہ محمد ارشد فردوسی، حضرت مخدوم محمد شعیب قریشی، حضرت مخدوم محمد یونس احمد قبلہ نما صاحبِ دیوان تھے، ان سب کے دیوان اردو مین ہین حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی حافظ اجیرالدین نے الہ آباد مین مدرسۂ اسلامیہ قائم فرمایا آپ حضرت مولانا محمد حسین صاحب مرحوم الہ آبادی کے استاد بھی تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی اور جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اور مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے، قیمت :- للعہ ر ۲۴۶ ۵ صفحے،

سیر الصحابہ جلد ششم

اس مین عہد صحابہ کی چار اہم ہستیون حضرت حسینؓ، امیر معاویہؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے مفصل حالات و سوانح اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون اور ان کے باہمی سیاسی اختلافات کی تفصیل ہے، واقعۂ کربلا اور امیر معاویہؓ کے متعلق اردو مین اس سے زیادہ مستند اور تحقیقی حالات نہین مل سکتے، قیمت عہ

"مینیجر"

طبِّ فرشتہ

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

ذی الحجہ سنہ حال کے معارف مین عزیزی مولوی سید ابوظفر نے طبِ فرشتہ پر ایک مقالہ لکھا ہے، اون کے پیش نظر نسخہ دوسرے مقالے پر ختم ہوجاتا ہے،

میرے کتابخانہ مین بھی ایک نسخہ طبِ فرشتہ "دستور الاطبار" کا ہے، سن کتابت اس پر بھی نہین ہے ایک جگہ لوح پر یہ عبارت تحریر ہے :-

"طب فرشتہ حکیم عسکری در ۱۱۹۱ھ ابتیاع نمود برائے اولاد خود"

اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم دو سو برس کا لکھا ہوا یہ نسخہ ہے، اس مین تین مقالے ہین، تیسرا مقالہ معالجات مین ہے جس مین ۱۶۰ فصلین ہین، یہان کے نسخے مین ۱۰۷ (ایک سو سات) فصلین ہین، اخیر کی تین فصلین نہین ہین، آخر فصل اس نسخے کی تپ کے علاج پر ہے، اسی فصل پر یہ نسخہ ختم ہوجاتا ہے،

استفسار و جواب

مسلمان سلاطین کے لوازم شاہی

تخت تاج، چتر و علم

پروفیسر غلام مصطفے خان صاحب
کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

مخدومی و مکرمی دام ظلکم

"قدمبوسی و سلام مسنون عرض ہے، ایک بات کے لئے آپ کو تکلیف دیتا ہون میں نے بہرام شاہ غزنوی کی مفصل تاریخ بفضلہ تعالیٰ لکھ لی ہے، مجھے بعض شعراء کے اشعار ملے ہین جو ابراہیم غزنوی (المتوفی ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء) اور اس کے بعد کے سلاطین کے متعلق ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنویون کا علم سیاہ تھا، اس پر شیر اور ہلال کی تصویر تھی، تاج سفید تھا، اور چتر سیاہ تھا، آداب الحرب (ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین ص ۹) سے معلوم ہوتا ہے، کہ چتر پر باز تھا، جیسا کہ سنجر کے یہان بھی تھا، (کلیاتِ انوری ہنشائہ ص ۱۰۳)

شیرِ علم کے متعلق رونی (ص ۶۱) کہتے ہین :-

چو شیر رایتِ شیرِ دلیرِ او بیدل | چو شاخِ آہو شاخِ درختِ او بے بر

صفحہ ۹۰ مین کہتے ہین :-

درجہد باسِ او بشیرِ فلک | اگر اندر شود بہ شیرِ علم

سنائی (بمبئی۔ ص۔ ۳۴۰) کہتے ہین :۔

آن چنان شیرِ علم سر بفراز د بشل گوئی از چشمۂ خورشید کند آب خوری

وغیرہ وغیرہ،

اب آپ سے دو باتین معلوم کرنا چاہتا ہون :۔

(۱) ان اشعار مین شیر علم سے کیا یہی مراد ہوگی، کہ علم مین شیر کی تصویر تھی ؟ یا یہ محض استعارہ ہے ؟

(۲) مسلمانون اور بالخصوص غزنوی عہد کے سلاطین کے علم، چتر اور تاج وغیرہ کا حال کہان معلوم ہوگا، ؟ کیا کسی صاحب نے اس موضوع پر کوئی مضمون لکھا ہے ؟

امید ہے کہ جواب سے جلد سرفراز فرمائین گے، اور تشنۂ علم کی تسکین فرمائین گے،

میرا تہنیت نامہ خدمت مین پہونچا ہوگا، والسّلام

معارف :۔ محترمی زاد لطفکم

السلام علیکم، گرامی نامہ ملا، آپ کے دونون استفسارون کے متعلق حسب ذیل گذارشین ہین :۔

۱۔ بعض سلاطین کے علم مین "سورج" اور "شیر" کی تصویرین دراصل بنی ہوئی تھین، ابھی کچھ دن گذرے کسی مستند کتاب مین یہ روایت نظر سے گذری تھی، "کہ "برج اسد" سے کچھ تفاول لے کر شیر کی تصویر کو علم مین داخل کیا گیا، آج حوالہ کے لئے یہ روایت بہت سی کتابون مین تلاش کی، لیکن افسوس ہے کہ نہ مل سکی تاہم اپنے حافظہ اور یادداشت کے بھروسہ پر یہ عرض کرسکتا ہون کہ آپ "شیرِ عَلَم" کو استعارہ کے بجاے حقیقت پر محمول فرمائین، اور جن اشعار مین آپ نے غزنویون کے علم کے سیاہ ہونے اور اس پر شیر اور ہلال کی تصویرون کے موجود ہونے کا تذکرہ دیکھا ہے، اس کو بھی حقیقت نگاری پر محمول فرمائین، جب کبھی وہ روایت دوبارہ نظر سے گذرے گی، انشاء اللہ اس کو نقل کرکے ارسالِ خدمت کرون گا، بہارِ عجم مین بھی شیر علم کا مختصر ذکر ملا ہی، چنانچہ مذکور ہے :۔

شیر علم ، نقش شیر کہ بر علم کنند مولوی معنوی ؎

ما ہمہ شیران ولے شیر علم حملہ شان از باد باشد دمبدم (جلد ۲ ص ۱۸۳)

اس کے ساتھ اس سلسلہ مین یہ امر بھی پیش نگاہ رہے ، کہ خونخوار درندہ کی تصویر علم پر اس لئے بھی بنائی جاسکتی ہے ، کہ علم بردار فوج دشمنون کے لئے خونخوار ثابت ہو ،

۲ - سلاطینِ اسلام کے مختلف خانوادون مین جو مختلف شاہی رسوم و مراتب رائج تھے ، ان کا مفصل تذکرہ قلقشندی متوفی ۸۲۱ھ کی صبح الاعشیٰ کی مختلف جلدون مثلاً ج ۳ ص ۲ ، ۴ ، ۸ ، ۴۹ ، ۲۲ ، ۵ ، ج ۴ ص ۶ ، ۸ ، ج ۵ ص ۲۰۶ ، ۲۲۳ ، مین ملے گا ، اسی طرح مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸۴ ، ۲۸۵ ، اور خطط مصر مقریزی ج ۳ ص ۳۴۰ ، ص ۳۴۲ وغیرہ مین مختلف مواقع پر شاہی تخت ، چتر ، تاج و علم غرض جملہ شاہی لوازم کا ذکر آیا ہے ،

اردو مین ابھی تک اس موضوع پر کوئی مستقل مضمون نظر سے نہیں گذرا ، مذکورۂ بالا ماخذ سے ان چیزون کے متعلق ذیل مین سرسری معلومات مرتب کر دیئے جاتے ہین ، مزید تفصیلات کی ضرورت ہو تو اصل ماخذ کی طرف رجوع کرین ،

ان لوازم شاہی مین مختلف شاہی خانوادون مین کم و بیش مختلف چیزین مثلاً تخت ، تاج ، چتر ، علم ، نقارہ ، مجیرا ، شہنائی ، قرنا ، خیمہ ، سراپردہ ، چاؤش و تبردار ، اور کوتل گھوڑے ، اور ان کے چند مخصوص شاہی زین اور گردنی (الرقبہ) وغیرہ مختلف صورتون اور شکلون مین رائج تھیں ، اور یہ مختلف شاہانہ موکب وجلوس و مجالس کے موقعون پر استعمال کیجاتی تھین ، ابن خلدون ان لوازم پر فلسفیانہ انداز مین نظر ڈالتے ہوے لکھتا ہے کہ

سلاطین ان لوازم کو اپنے کر و فر اور دبدبہ و سطوت کی نمایش اور امراء ، ارکان دولت اور عامۃ الناس سے اپنے امتیاز و اختصاص کو قائم رکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے ، ارسطو کے خیال کے مطابق طبل و نقارہ کا رواج ان مین ابتداءً اس لئے ہوا کہ لڑائیون مین اس کی آواز کی ہیبت سے دشمنون کے دل دہل جائین ، اس کے علاوہ نغمون کے سننے سے طبیعت مین سرور و نشاط پیدا ہوتا ہے اور اس وقت طبیعت مشکل سے مشکل کام کو انجام دینے

پر آمادہ ہو جاتی ہے، اس لئے عجم لڑائیون اور شاہانہ موکب وجلوس کے موقعون پر نشاط پیدا کرنے کے لئے موسیقی کے تناسب آلات استعمال کرتے تھے، اور عرب اپنی اس ضرورت کو اپنے مطربانہ اشعار سے پورا کرتے تھے، لیکن مسلمان سلاطین نے جب عجمی طریقے قبول کرلئے، تو ان کے تمام شاہانہ لوازم کو بھی اختیار کرلیا، اور شاہی امتیاز ونشان کے لئے چند خاص چیزین مخصوص شکل و وضع کی خاص کر لی گئین،

تخت جلوس سلطانی کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا، اس مین بنیادی تخیل یہ تھا، کہ سلطان کی نشست گاہ مجلس کے حاضرین سے بلند رہے، تخت کا استعمال قدیم زمانہ سے سلاطین کے دربار مین رائج تھا، وہ عموماً سونے کا ہوتا تھا، حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا تخت ہاتھی دانت کا تھا، اور وہ سونے سے منڈھا ہوا تھا، اور جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہین، سلاطین اس کو اپنی سلطنت کی ترقی کرجانے کے بعد اختیار کیا کرتے تھے، اسلام مین اس کو سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے اختیار کیا تھا، اونھون نے اس کو استعمال کرتے وقت لوگون سے یہ کہکر کہ ان کے جسم مین فربہی آگئی ہے، اس کے استعمال کرنے کی اجازت چاہی، چنانچہ لوگون (صحابہ) نے ان کو اجازت دیدی اور اونھون نے اپنے لئے غالباً گدے دار اونچا تخت تیار کرایا، پھر آگے چل کر مسلمان سلاطین نے انھی کا اتباع کیا، ورنہ عربون مین پہلے اس کا رواج نہ تھا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ والئ مصر کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنے قصر مین سب عربون کے ساتھ زمین پر بیٹھا کرتے تھے، جب مصر کا مقوقس ان سے ملنے کے لئے قصر مین آتا تھا تو اس کے ساتھ سونے کا ایک تخت بھی آدمیون کے ہاتھ مین اٹھا کر لایا جاتا تھا، اور وہ اسی تخت پر بیٹھا کرتا تھا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ اس کے سامنے اپنی جگہ فرش پر بیٹھتے تھے، اور چونکہ مقوقس اپنے یہان کی رسم کی پابندی کرتا تھا، اس لئے حاضرین اس کے اس طرح بیٹھنے کو برا نہ مانتے تھے،

اس کے بعد جب بنو عباس اور عبیدیین (فاطمیین مصر) کا زمانہ آیا تو اونھون نے قیصر وکسریٰ کے یہ طریقے خود اختیار کرلئے، (مقدمہ ابن خلدون ملخصاً ص ۲۸۳ و ۲۸۵۔۲۸۶)

چنانچہ مسلمان سلاطین کے مختلف خانوادون مین شاہی جلوس کے لئے مختلف قسم کے تخت وکرسی رائج تھے،

بنو عباس کا تخت زمین سے ۶ فٹ اونچا تھا، فاطمین کا تخت سنگ رخام کا ایک منبر تھا، جیسا کہ جامع مسجدون مین ہوتا ہے، لیکن اس کی پشت علیحدہ سے ہونے کے بجائے دیوار سے لگی ہوئی تھی، اس منبر پر سلطان اہم موقعون پر جلوس کرتا تھا، ورنہ عام دنون مین حریر سے منڈھی ہوئی لکڑی کی ایک کرسی پر بیٹھا کرتا تھا، جو اس تخت شاہی کے پاس رکھی رہتی تھی، (صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۶، ۴۴)

ان شاہی تختون مین رفتہ رفتہ کس قدر تکلفات بڑھتے گئے، اس کا اندازہ ایران و ہندوستان کے تخت طاؤس وغیرہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے،

تاج، سلاطینِ اسلام مین تاج کا استعمال نسبتہً بعد مین ہوا ہے، موسیٰ بن نصیر کا لڑکا عبد العزیز اندلس کی فتح کے بعد اس کا پہلا والی مقرر ہوا تھا، اسپین کے سابق فرمانروا راڈرک کی بیوہ ایجیلینا اس کے حبالۂ عقد مین آگئی تھی، عبد العزیز کے خلاف اندلس کے عربون مین شورش پھیلائی گئی تھی، اور اس پر دو الزامات عائد کئے گئے تھے، جن مین سے پہلا الزام یہ تھا کہ راڈرک کی بیوہ نے جو اب ام عاصم تھی، عبد العزیز سے کہا کہ ہمارے یہان کے حکمران جب تک اپنے سر پر تاج نہ رکھین وہ حکمران معلوم نہین ہوتے، اس کے پاس جواہرات موجود تھے چنانچہ اس نے انہی جواہرات سے مرصع سونے کا ایک تاج اپنے ہاتھون سے تیار کرکے عبد العزیز کے سامنے رکھا، عبد العزیز نے کہا کہ اس کا پہننا اس کے مذہب مین روا نہین ہے، بایں ہمہ عبد العزیز ایجیلینا کی دلدہی کے لئے اس کو خلوت مین اس کے ساتھ پہننے پر آمادہ ہوگیا، اور خلوت کا یہ راز بعض ذرائع سے جلوت مین پہونچ کر طشت از بام ہوگیا اور اس کے خلاف ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا، (افتتاح الاندلس ابن القوطیہ ص ۱۱) لیکن مسلمان حکمرانون کی یہ احتیاط کچھ زیادہ دنون تک قائم نہ رہی، رفتہ رفتہ اس کا استعمال شروع ہوگیا، اور اس کا وقار سلطنت کے وقار کے مترادف سمجھا جانے لگا، چنانچہ فاطمین مصر کا تاج "تاج شریف" کہا جاتا تھا، اس تاج مین بہت سے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، ان مین کا سب سے بڑا گوہر "یتیمہ" کے نام سے معروف تھا، اور وہ وزن مین، درہم کے مساوی تھا،

(صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۴۷۲)

چتر، شاہانہ جلوس مین سلطان کے سر پر سایہ افگن رہا کرتا تھا، یہ قبہ نما ہوتا تھا، اس کی کمانیان اوپر جاکر سونے کے ایک حلقہ مین پیوست رہتی تھین، فاطمین کے چتر کا کپڑا ان کے لباس شاہانہ کے رنگ سے ملتا جلتا رہتا تھا، چونکہ چتر شاہی خلیفہ کے سر پر بلند رہتا تھا اسلئے وہ بھی بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، چتر افگنی کی خدمت امرائے نامدار مین سے کسی ایک کے سپرد رہتی تھی، (صبح الاعشیٰ لطفاً ج ۳ ص ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴)

فاطمین کا یہ چتر ایوبیین کے قبضہ مین آیا، اور اسی طرح استعمال کیا گیا، ان کے عہد مین اس کا کپڑا زرد حریر کا تھا، جو سنہرے نقش و نگار سے آراستہ تھا، اور "مظلہ" کے بجائے چتر ہی کہا جاتا تھا، چتر کے اوپر چڑیا کی ایک نقرئی مورتی تھی، جس پر طلا کاری تھی، (صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۸۰۷)

اس سے معلوم ہوا کہ فاطمین کے چتر مین بھی اسی طرح کسی چڑیا کی تصویر تھی، جیسا کہ مبارک شاہ نے آداب الحرب مین غزنویوں کے چتر کے متعلق لکھا ہے، کہ اس پر باز بنا ہوا تھا، (ص ۹) عجب کیا کہ فاطمین کے چتر مین بھی باز ہی کی تصویر ہو، غزنویون کے چتر میں باز کی تصویر کے ہونے سے ذہن ایک روایت کی طرف منتقل ہوتا ہے جس سے شاہی چتر سے باز کے تعلق پر قیاساً ایک رائے قائم کیجا سکتی ہے مسعودی نے اسپین کے قدیم حکمرانون کے سلسلہ مین یہ دلچسپ روایت نقل کی ہے کہ

اسپین کے یہ عیسائی حکمران جب کشتیون پر سوار ہوتے تھے، تو شاہین شاہانہ سواری پر، سایہ افگن کشتی کے ساتھ ساتھ اوپر اوپر جلو مین اڑتے ہوئے چلتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان مین کے ایک حکمران "اذرق" نامی کی کشتی پر شاہین سایہ افگن جا رہے تھے، کہ ایک چڑیا سامنے آگئی، شاہین نے جھپٹ کر اس کا شکار کر لیا، اور انسانون کے علم مین پہلی مرتبہ یہ بات آئی کہ شاہین شکار بھی کر سکتے ہین، چنانچہ اس کے بعد شاہین کے ذریعہ سے شکار کھیلنے کا عام رواج ہو گیا، (مسعودی ج ۲ ص ۳۶، ۳۷، و ۲۸۰ و ۲۸۱)

اس روایت سے قدر مشترک کے طور پر یہ معلوم ہوا کہ شاہین سلاطین کے جلوس مین ان کے سرون پر سایہ افگن رہتے تھے، اسلئے شاہی سواریون سے ان کا تعلق قدیم زمانہ سے ثابت ہوتا ہے اور شاہانہ جلوس مین ان کا

سر پر سایہ افگن رکھنے کا ایک مدعا یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح سوار و پیادہ شاہ کی سواری کے جلو مین اس کی حفاظت اور اس کے مرتبہ کے بڑھانے کے لئے ہوتے ہین، اس لئے طیور کا یہ حکمران فضا مین انہی خدمات کی بجاآوری پر مامور ہوتا ہے،

علم کے متعلق ابن خلدون لکھتا ہے کہ علم عہد قدیم سے لڑائیون کی نشانیون مین داخل ہے، میدان جنگ مین اس کی کثرت، اس کے مختلف رنگ اور اس کے طول سے نفسیاتی طور پر دشمن کے دلون پر خوف و ہراس طاری کرنا مقصود ہوتا تھا، اسلام مین عہد نبوی کے آغاز سے اس کو اختیار کیا گیا، چنانچہ غزوات مین علم موجود رہتے تھے، امتداد زمانہ سے اس کے استعمال کے طریقون مین فرق ہوتا گیا، چنانچہ عہد رسالت وخلافت راشدہ مین صرف لڑائیون کے موقع پر استعمال کرتے تھے، جب بعد کے خلفاء نے شاہانہ طور وطریق اختیار کئے، اسی طرح علم کو بھی استعمال کرنے لگے، جیسے عجمی سلاطین استعمال کرتے تھے، پھر خلفاء و سلاطین کے علاوہ امراء و عمال بھی اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لئے اس سے اپنے جلوس وموکب کی زینت بڑھانے لگے، اور آگے چل کر علم کی کثرت وقلت خلفاء و عمال کے جلوس وموکب مین فرق وامتیاز قائم رکھنے کا ایک ذریعہ بن گئی،

پھر علم کے مختلف رنگون سے مختلف خانوادون کی تمیز کیجانے لگی، مثلاً عباسیون نے اپنے علم کے لئے سیاہ رنگ اختیار کیا، تاکہ وہ ہاشمی شہداء پر اپنے پائدار غم والم کا اعلان کرتے رہین، اس لئے وہ "مسودہ" کہے گئے، پھر جب بنو ہاشم مین تفریق ہوئی، اور بنو طالب بنو عباس کے خلاف اٹھنے لگے، تو انھون نے اپنے علم کا رنگ سفید اختیار کیا، اور وہ "مبیضہ" کہے گئے، اس کے بعد المامون نے ماتمی سیاہ لباس کو چھوڑ کر سبز رنگ اختیار کر لیا، اور اس کے جھنڈے کا رنگ بھی سبز ہو گیا،

دوسری طرف مغرب مین بربری سلاطین صنہاجی وغیرہ نے علم کے لئے کوئی مخصوص رنگ اختیار کرنے کے بجائے رنگین ریشمی کپڑے اختیار کئے، ان کپڑون پر وہ سنہرا کام بنا لیتے تھے، اس کے بعد جب موحدین کا دور آیا، تو انھون نے علم وطبل وغیرہ شاہی لوازم کے استعمال کو سلطان کے لئے مخصوص کر دیا، اور دوسرے عمال وامراء کو ان کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی، پھر مختلف سلاطین نے اپنے ذوق کے لحاظ سے اپنے جلوس

کے لئے علم کی مختلف تعداد مقرر کی، چنانچہ موحدین اور اندلس کے بنو احمر سات علم رکھتے تھے، پھر بعضوں نے یہ تعداد بڑھا کر دس کردی، پھر بیس ہوئی، یہاں تک کہ سو تک پہنچی، چنانچہ ابن خلدون کہتا ہے کہ اس کے زمانہ مین سلطان ابو الحسن جلوس مین سو علم رکھتا ہے، جو سنہرے کامون سے آراستہ، رنگین ریشمی کپڑون کے ہوتے ہین، پھر اسی زمانہ مین ولاۃ، عمال، اور قواد کو سفید کتان کے صرف ایک چھوٹے علم اور صرف ایک چھوٹے نقارہ کی اجازت دی گئی، وہ لڑائیون کے موقعون پر بھی اس ایک علم سے زیادہ علم میدانِ جنگ مین نہین لیجا سکتے تھے،

اسی طرح سلاجقہ کے یہان ابتداً صرف ایک بہت بڑا علم رہتا تھا، جس کے سرے پر بالون کا گندھا ہوا ایک بڑا گچھا ہوتا تھا، یہ علم خاص سلطانی نشان سمجھا جاتا تھا، او "ترہ شاش" کہا جاتا تھا، اور چھوٹے چھوٹے علم بھی ہوتے تھے، وہ "سنجق" کہے جاتے تھے، (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۸۴، ۲۸۵)

فاطمیین کا علم جیسا کہ ابن خلدون کے بیان مین اوپر گذرا، سفید رنگ کا ہوتا تھا، ان کے جھنڈون مین دو سب سے اونچے ہوتے تھے، وہ "لواے احمد" کہے جاتے تھے، یہ دونون دو لمبے نیزون مین ہوتے تھے، جو اپنی نوکون تک سونے کے خول مین ڈھکے ہوئے تھے، ان دونون کے اوپر سفید حریر کی دو جھنڈیان جن پر سونے کے بوٹے کڑھے ہوئے تھے، ہوتی تھیں، یہ جھنڈیان ان نیزون مین لپٹی رہتی تھین، جلوس مین یہ دونون علم دو ممتاز امیرون کے ہاتھوں میں ہوتے تھے، پھر ان دونوں علم سے دو پست نیزے ہوتے تھے ان کے سرون پر ٹھوس سونے کے ہلال ہوتے تھے اور ان مین سو ایک شیر مین سرخ اور زرد رنگ کے سات دیبا ہوتے تھے، پھر ان کے پیچھے پیچھے نازک نازک رنگین جھنڈیان بوٹے دار حریر کی ہوتی تھین جن پر آیت کریمہ "نصرٌ مِنَ اللّٰہ وفتحٌ قریبٌ" کڑھی رہتی تھی، (صبح الاعشی للقلقشندی ج ۳ ص ۴۷۴، ۴۷۵)

موحدین کے پرچم کی تصویر لیبان کی تمدن عرب کے اردو ترجمہ مین شائع ہوئی ہے، اس پرچم مین آیاتِ قرآنی سے نقش ونگار بنائے گئے ہین (تمدن عرب ص ۱۳۳)

اسی طرح بنو مرین کا علم سفید حریر کا ہوتا تھا، جس پر دائرہ کی شکل مین سنہرے حروف مین آیاتِ قرآنی نقش کیجاتی تھین، (ر ج ۵ ص ۲۰۶)

طبل و دیگر لوازم شاہی میں موسیقی کے آلات، نقارہ، قرنا، شہنائی وغیرہ کا رواج عہد رسالت وخلافت راشدہ میں نہ تھا، ابن خلدون نے یہ صحیح لکھا ہے کہ اہل حق کے لئے اس دور میں ان لوازم کی حاجت نہ تھی، کہ وہ ان کی مدد سے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کریں، جب خلافت بادشاہت میں منتقل ہوگئی، تو دیگر لوازم کے ساتھ رفتہ رفتہ یہ چیزیں بھی مسلمانوں کے تمدن میں داخل ہوگئیں، اور سلاطین کے مختلف خانوادوں میں یہ چیزیں استعمال کی گئیں، موحدین نے جس طرح علم پر پابندی عائد کی تھی، طبل و نقارہ پر بھی پابندیاں عائد کردی تھیں، پھر امراء کو جب ایک علم استعمال کرنے کی اجازت دیگئی تو طبل وبجیرے کے استعمال کی ممانعت اٹھالی گئی، پھر وہ لڑائیوں اور جلوسوں میں کثرت سے استعمال کئے جانے لگے، (مقدمہ ابن خلدون ۲۰۴-۲۰۵)

مختلف خانوادوں میں طبل و نقارہ کس قسم کے تھے، اور کیا خصوصیات تھے، قلقشندی نے ان کو جابجا لکھا ہے، اسی طرح چند دیگر لوازم تھے، مثلاً فاطمین کے یہاں ایک عصائے شاہی تھا، یہ ڈیڑھ بالشت کا ایک دستہ تھا، اس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا، اور موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھا، اسی طرح مرصع تلوار، دوات، نیزہ، گھوڑے کی اطلسی زین اور قیمتی جواہرات یاقوت وغیرہ سے مرصع طلائی زیورات وغیرہ سے آراستہ وپیراستہ رہواروں سے شاہی جلوس کی زینت بڑھائی جاتی تھی، اسی طرح سلطانی سراپردہ وخیمہ وخرگاہ وغیرہ تھے، قلقشندی اور مقریزی وغیرہ نے ان لوازم شاہی کی تفصیلات کے ساتھ سلاطین کی تخت نشینی اور شاہی موکب وجلوس کے مختلف مراسم جزئی تفصیلات کے ساتھ بیان کئے ہیں، اگر ان امور کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو براہ کرم اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں، (صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۴۷۲، ۴۷۳، ج ۴ ص ۷، ۹ و خطط مقریزی ج ۳ ص ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۳ وغیرہ)

افسوس ہے کہ غزنوی عہد کے متعلق بہ تخصیص معلومات ہمارے پیش نظر ماخذ میں دستیاب نہ ہوسکے، اگر ان معلومات کے لئے غزنوی عہد کی پوری تاریخ بالاستیعاب دیکھی جائے، اور موقع بہ موقع سے معلومات اخذ کئے جائیں، تو وہ فراہم ہوسکتے ہیں، غزنویوں سے متعلق کوئی ایسا ماخذ ہمارے سامنے موجود نہیں، جس میں ان کے

یہ احوال جداگانہ طور پر قلمبند کئے گئے ہوں،

ہندوستان کے عہد تغلق پر تفصیلی معلومات قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں لکھے ہیں، جو ایک مقالہ کی صورت میں "ہندوستان آٹھویں صدی ہجری میں" کے عنوان سے ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء کے معارف میں راقم سطور کے قلم سے مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے، اس مقالہ کے مطالعہ سے اس عہد میں ہندوستان کے شاہی لوازم کا اجمالی علم حاصل ہوتا ہے، مثلاً دربار عام کے سلسلہ میں مذکور ہے:۔

سلطان ہفتہ میں ہر سہ شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا ہے، اس دربار کے لئے ایک بہت بڑا وسیع ایوان مخصوص ہے، جو ہر قسم کے تکلفات سے آراستہ و پیراستہ رہتا ہے، صدر میں ایک نہایت بلند مرصع تخت زر نگار بچھا ہوتا ہے، سلطان اسی پر جلوس کرتا ہے، دائیں بائیں، ارباب حکومت ایستادہ رہتے ہیں، پشت پر ہتھیار بند اسلحہ دار اور سامنے ارباب وظائف و اہل مناصب حسب حیثیت و مرتبت کھڑے رہتے ہیں، سلطان خود سات دروازوں کے اندر بیٹھتا ہے، باریاب ہونے والوں کو پہلے ہی دروازہ پر سواریوں سے اتر جانا پڑتا ہے،......

پہلے دروازہ پر بوق و طبل کا اہتمام ہوتا ہے، جب معزز عہدہ دار حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، تو ان کی شان امتیاز کے لئے وہ بجائے جاتے ہیں، شاہی جلوس بڑے تزک و احتشام سے نکلتا ہے، ایک شخص گھوڑے پر سوار تاج شاہی پر چتر لگائے رہتا ہے، سلاح دار زرق برق لباس میں ملبوس اپنے چمکیلے ہتھیار سنبھالے ہوئے سواری کے پیچھے ہوتے ہیں، دائیں بائیں تقریباً ۱۲ ہزار خدام پا پیادہ رہتے ہیں، سواری کے آگے طبل بجتا ہے، طبل میں ۲۰۰ نقارے، ۴۰ کوس، ۲۰ بوق اور ۱۰ اچنگ ہوتے ہیں، سلطان کے ساتھ دوسرے اعیان حکومت اپنے اپنے امتیازی جھنڈوں کے ساتھ ہمرکاب ہوتے ہیں، بعض خوانین کو سات سات جھنڈے رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، ان اعیان حکومت کے چند دیگر امتیازات خصوصی بھی ہوتے ہیں، مثلاً خوانین عام طور پر دس کوتل گھوڑے اپنے ہمرکاب رکھ سکتے ہیں، اور امراء کو صرف ۳ کوتل گھوڑوں کی اجازت ہوتی ہے، حالت جنگ میں سلطان کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ہیں، جن میں سے دو خصوصیت کے ساتھ نہایت مرصع مطلا اور مذہب ہوتے ہیں،

ہندوستان کے عہدِ مغلیہ کے شاہی لوازم کو ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں کم وبیش "شکوہ سلطنت" کے کے زیرِ عنوان یکجا کر دیا ہے، آپ اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، چنانچہ اورنگِ سلطنت سونے اور چاندی کا مرصع تخت تھا، ہندوستان کا تخت طاؤس شہرتِ عام رکھتا ہے، اردو میں "تختِ طاؤس" کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی جا چکی ہے، چتر بے شمار قیمتی جواہرات سے مرصع تھا، ابوالفضل لکھتا ہے کہ چتر میں کم سے کم سات جواہرات کا موجود ہونا ضروری تھا، آفتاب گیر کے نام سے جواہرات سے پورا مرصع زربفت کا شامیانہ تھا، جو دھوپ کے وقت سر پر راہ میں سایہ افگن رہتا تھا، علم کی کئی قسمیں تھیں، علم، چتر، توق، تمن توق وغیرہ، یہ مختلف امتیازوں کے ساتھ بلند کئے جاتے تھے، چتر توق کا علم تبت کے باز کی دم سے بنایا جاتا تھا،

طبل میں نقارہ، دہل، قرنا، سرنا، نفیر، سنج، اور سینگ وغیرہ تھے، جو مختلف موقعوں اور ترتیبوں کے ساتھ بجائے جاتے تھے، (آئینِ اکبری)

روایاتِ معراج

جناب مولوی سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی محترم دام بقاءہٗ

جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ واقعۂ معراج میں حضرت مالک بن صعصعہ رضؓ کی روایت میں سدرۃ المنتہیٰ سے بیت المعمور کو روانہ ہوتے وقت صاحبِ معراج علیہ السلام کے حضور میں شراب (خمر)، دودھ، شہد کا ایک ایک ظرف پیش کیا جانا اور آنحضورؐ کا دودھ کے ظرف کو اٹھا لینا اور حضرت جبرئیلؑ کا فرمانا کہ یہی فطرت ہے، جس پر آپ اور آپ کی امت ہے، اور حضرت انسؓ کی روایت میں بعد فراغت نماز مسجد اقصیٰ سے نکلنے اور آسمان کی طرف روانہ ہونے کے وقت شراب اور دودھ کا ایک ایک ظرف حضورِ اقدسؐ میں حضرت جبرئیلؑ کا پیش کرنا اور دودھ کا ظرف لے لینا اور حضرت جبرئیلؑ کا فرمانا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے،

امام المرسلین ہادیٔ عالم سید اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حضرت جبرئیلؑ کے ہاتھوں

خمر جیسی نجس اور حرام شے کے پیش کئے جانے کا منشا صحیح کیا ہو سکتا ہے؟ اس واقعہ سے بعض احباب کے دل میں خلش پیدا ہوتی ہے، اس کا ازالہ ضروری ہے،

۲- روایاتِ معراج میں ہے کہ آسمان اوّل پر حضرت آدمؑ اور آسمانِ دوم پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور آسمان سوم پر حضرت یوسفؑ اور آسمان چہارم پر حضرت ادریسؑ، آسمان پنجم پر حضرت ہارونؑ، آسمان ششم پر حضرت موسیٰؑ، آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ سے اور صاحبِ معراجؐ سے ملاقاتیں ہوئیں انبیاے نامیدہ کا تقرر با این ترتیب کیا منشا ہے،

اور پھر انہی حضراتِ کرام کا تقرر کیوں ہوا، حالانکہ ان کے علاوہ اولوالعزم جلیل القدر صاحب کتاب اور پیغمبران بھی مذکور ہیں،

۳- انبیاے مذکورین کا تقرر اپنی اپنی منزلوں پر بغرض افادہ تھا یا استفادہ؟ اگر افادہ کی غرض سے تھا، تو کیا وہ غرض دیگر انبیاء سے پوری ہو سکتی تھی یا نہیں؟ اور نیز مفید کا مستفید سے افضل و اکمل ہونا ضرور ہے یا نہیں، اگر ضرور ہے تو مستفید کی افضلیت و اکملیت خود واقعہ معراج اور مسجد اقصیٰ میں امامت انبیاے مرسلین سے دیگر صفات و حیثیات سے ثابت ہے، نظر بران کسی صاحب کا یہ کہنا کہ انبیاے مذکورین کا تقرر بغرض افادہ تھا، اور ملاقاتیں بغرض استفادہ تھیں، کہاں تک صحیح ہے؟

معارف:- دودھ فطرتِ صالحہ اور شراب فطرت فاسدہ کی جس کا دوسرا نام ضلالت ہے تمثیل ہے، حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں چیزیں پیش کی گئیں، حضرتؐ نے اپنے اختیار سے دودھ کو جو فطرت صالحہ تھی، قبول فرمایا، اور فطرت فاسدہ کو رد فرمایا، حضرت صلعم کی تمثیل ذوقی میں امت کا وجود پنہاں تھا، آپ نے اپنی امت کی طرف سے فطرتِ صالحہ کو پسند فرمایا، جس کا دوسرا نام اسلام ہے، فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا،

۲- دوسرے سوال کا پہلا جزیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام باین ترتیب کیون ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس ترتیب مین ابتدار و انتہا ر و اوسط کی مناسبت ہے، حضرت آدم علیہ السلام مبدء اوّل، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مبدء آخر ہین، اور بیچ کے انبیاء علیہم السلام اخوان ہین،

سوال کا دوسرا جزیہ ہے کہ انہی کا انتخاب کیون ہوا، جواب یہ ہے کہ اوس فطرتی مناسبت کی بناء پر ہوا، جو ان انبیاے کرام علیہم السلام مین فرداً فرداً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین مجمعاً تھی،

۳- یہ نہ افادۃً تھا، نہ استفادۃً بلکہ اکراماً للضیف اور استیناساً للمتناسبین

وَاللہ اعلم وعلمہ اتم،

"س"

تابعینؒ

علم وعمل اور مذہب واخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر ابنؓ عبد العزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویسؓ قرنی، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمدؓ بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیبؓ، حضرت سعید بنؓ جبیر، حضرت محمد بنؓ سیرین، حضرت ابن شہاب زہریؒ، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحولؒ شامی، قاضی شریحؒ وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؓ کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت :- للعہ

منیجر

وفیات

آہ! شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ سابق مدرس اعلیٰ دار العلوم ندوہ

حضرت مولانا ابو الحسنات عبد الحیٰ صاحب فرنگی محلی کی آخری یادگار مٹ گئی یعنی اُن کے آخری شاگرد رشید مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب جو ان کی مجلسِ درس کی اکیلی یادگار رہ گئے تھے ۱۳۶۲ھ کے خاتمۂ ماہ میں وفات پاگئے،

مرحوم ۱۸۵۶ء کے آخر میں ضلع اعظم گڈہ کے چھوٹے سے گاؤں بندی میں پیدا ہوئے تھے، غدر ۱۸۵۷ء میں وہ ۶ ماہ کے تھے، اور اسی قدر وہ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ سے بڑے تھے، ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھکر وہ اپنے عزیز مولانا سلامت اللہ صاحب جیراجپوری (والد حافظ اسلم صاحب جیراجپوری) کے ہمراہ بنارس تعلیم کیلئے گئے، وہاں سے واپس آکر مدرسۂ چشمۂ رحمت غازیپور میں پڑھنے کیلئے گئے اور وہاں فارسی کی اونچی کتابیں پڑھیں، اس زمانہ میں غازیپور میں حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی کے شاگرد رشید مولانا غلام جیلانی صاحب تھے، ان سے بہ اصرار عربی کتابیں شروع کیں، چند سال میں اُن سے متوسطات تک پڑھکر انہی کے مشورہ سے فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا ابو الحسنات عبد الحیٰ صاحب فرنگی محلی کی مجلسِ درس میں حاضر ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب داروغہ حیدر بخش کی مسجد جو چوک میں عربی اور طب پڑھنے والوں کا گویا دار الاقامہ تھا، نئی بنکر تیار ہوئی تھی، چنانچہ حضرت مولانا عبد الحیٰ صاحب کی سفارش سے انکو اس کے حجرہ میں رہنے کی جگہ ملی اور یہاں کئی سال رہکر معقولات اور دینیات کی تعلیم حاصل کی،

فراغت کے بعد جو غالباً ۱۸۸۰ء میں ہوئی ہوگی، وہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے ایک مقامی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے، یہی سلسلہ ہے، جس سے وہ جناب منشی محمد احتشام علی مرحوم رئیس کاکوری سے ملے، اور ایسے ملے کہ پھر ان کے دل الگ نہ ہوئے! اگلے زمانہ میں دوستوں کی وضعداریاں آج عجیب معلوم ہوتی ہیں، چند ہی سال کے بعد ریاست رامپور کی مشہور مدرسۂ عالیہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب رامپور اہلِ کمال کا مرکز تھا، مولانا عبد الحق خیر آبادی کا وہاں طوطی بول رہا تھا، اس عہد میں ان کا وہاں جانا،

اور اہل علم کی نگاہون مین وقار پیدا کرنا معمولی کارنامہ نہین، دونون مین نواب صاحب کے سامنے ایک دفعہ کسی فلسفیانہ مسئلہ پر مناظرہ بھی ہوا،

مولانا مرحوم کو زیادہ تر شوق معقولات ہی کا تھا، قدیم فلسفہ و منطق میں بڑی دسترس حاصل کی تھی، ساتھ ہی، ریاضیات مین کمال پیدا کیا تھا، چنانچہ رامپور کے زمانہ قیام میں تصریح پر ۱۳۱۲ھ مین حاشیہ لکھا جو عام طور سے شائع ہے،

رامپور کے زمانۂ قیام میں جنرل عظیم الدین مرحوم کا عہد دیکھا تھا ان کے شجاعانہ کارنامے وہ خوب خوب بیان کرتے تھے، یہ تو رزم تھی، بزم مین جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم کی صحبت اٹھائی تھی، ان کے شاعرانہ کمالات اور بعض مشاعرون کے حالات بڑی دلچسپی سے سناتے تھے آداب مجلس سے خوب واقف تھے، اور بڑی مزہ دار باتین کرتے تھے، لطائف وظرائف کی بھی کمی نہ تھی، سیر و شکار کا بھی شوق تھا، بڑے قادر انداز تھے،

رامپور سے وہ لکھنؤ آئے اور دار العلوم ندوہ کے افتتاح کے وقت ۱۳۱۷ھ میں وہ اس کے مہتمم اور مدرس اول مقرر ہوئے جس پر وہ ۱۹۰۱ء تک قائم رہے، ہیچمدان نے اسی زمانہ مین اُن سے مدرسہ دار العلوم مین معقولات و منقولات کی کتابین پڑھین،

مولانا شبلی مرحوم کے وہ معاصر تھے، اسلئے جب صحبت ہوتی تو دونون مین خوب نوک جھونک ہوتی، گفتگو کا موضوع کوئی فلسفہ کا مسئلہ یا عقل و نقل کی تطبیق کی معرکہ آرائی ہوتی،

دار العلوم سے وہ ۱۹۰۱ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی مین گئے ۱۹۲۲ء میں وہان سے پنشن یاب ہوئے اسی سال وہ حج کو گئے اور وہان سے واپس آکر لوگون کے اصرار سے دوبارہ ندوہ کی صدر مدرسی قبول کی اور کئی سال تک یہ خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۳۰ء مین ندوہ سے الگ ہوکر وطن واپس آگئے تھے، اور یہین ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ کو وفات پائی،

مولنا عبد الحئی مرحوم کی شاگردی کی باوجود مرحوم آخر مین عامل بالحدیث ہوگئے تھے، عدم تقلید کا میلان پہلے سے رکھتے تھے، جو شاید مولوی سلامت اللہ صاحب کی ابتدائی صحبت کا اثر رہا ہو، انکی تصانیف میں تصریح الافلاک کا حاشیہ علمی یادگار ہے، ۱۸۵۶ء کے آخر مین پیدا ہوئے تھے اس حساب سے وفات کے وقت انکی عمر تقریباً بتاسی اٹھاسی سال کی تھی لیکن دو چار سال پہلے انکی صحت و توانائی قابلِ رشک تھی، اور ان کے جسمانی قویٰ نہایت اچھے تھے، ادھر چند برسون سے البتہ ضعف و اضمحلال کا اثر نمایان اور آخری زمانہ مین ذہول و نسیان کا غلبہ زیادہ ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے

"س"

ادبیات

غزل

از جناب نجم احسن صاحب ایڈوکیٹ پرتاب گڈہ، اودھ

موت ہی اُس کے لئے زیست کا ساماں ہوجائے ۔ آدمی عشق مین مٹ جائے تو انسان ہوجائے
حُسنِ صورت ہو بشر مین تو گلستان ہوجائے ۔ حُسنِ معنی مین ترقی ہو تو انسان ہوجائے
عشق مین حُسن کی ہر آن نمایان ہوجائے ۔ عشقِ جاناں ہی اگر جلوۂ جانان ہوجائے
یا تو محبوب ہی یہ عالمِ امکان ہوجائے ۔ ورنہ جو کچھ ہے سبھی جلوۂ جانان ہوجائے
حُسن ہوجائے مرا عشق جو پنہان ہوجائے ۔ عشق ہوجائے ترا حُسن جو حیران ہوجائے
مرحلہ دید کا مشکل ہو کہ آسان ہوجائے ۔ چشمِ پُرشوق کو لازم ہے کہ حیران ہوجائے
ذوقِ آرا کبھی ہو جائے جو رنگینیٔ درد ۔ کچھ تو مخموریٔ احساس کا سامان ہوجائے
یا خدا جس کو محبت نے کیا ہے برباد ۔ اُس ستم گر کی محبت مرا ایمان ہوجائے
تب اُسے آئین گے کچھ بادۂ رنگین کے مزے ۔ تیغِ ظالم جو کبھی صاحبِ عرفان ہوجائے
بے تامل ترے قدموں پہ فدا ہوتا ہون ۔ عشق کا فرض یہ ہے حُسن پہ قُربان ہوجائے
کم سے کم دردِ محبت نے نوازا تو مجھے ۔ یا خدا ہر رگِ تن اب تو رگِ جان ہوجائے
جان لیں کچھ جو ملک منزلِ عصیان کے رموز ۔ شہپرِ ہر ملک آلودۂ عصیان ہوجائے
نازِ قاتل تو نمک ریزِ نمک پاش بھی ہو ۔ زخمِ دل کیون مرا محتاجِ نمکدان ہوجائے

غیرتِ حُسن کا حق یون ہی ادا ہوتا ہی — کیا کرے دیکھنے والا جو نہ حیران ہو جائے
ہر فرشتہ اُسی منزل پہ کرے آکے قیام — جو اُسے معرفتِ منزلِ عصیان ہو جائے
آگ ہو جاتی ہے گلزار پئے اہلِ وفا — کیون جہنم بھی نہ اب گلشنِ رضوان ہو جائے

کچھ تو احسن کو محبت مین مزے آنے لگین
میرے اللہ یہ کافر بھی مسلمان ہو جائے

بدمستی

از جناب ثاقب گورکھپوری

گُلابیان اُتارے کہ کام ہے مدام سے — شفق کے سُرخ طاق سے فلک کے سبز جام سے
فلک کی مے سے کام ہو زمین کی تو سو کیا غرض — اسی قدر ہے فاصلہ حلال کو حرام سے
عنب کی تاک مین ہو کیا بجز قطارِ آبلہ — انہین کا آب مشتہر ہے سب مین مے کے نام سے
وہ شمعِ عقل آندھیون سے جو کبھی بجھی نہین — خموش ہو کے رہ گئی ہے اس کے ایک جام سے
بدی ہے مے کی واقعی بنائے سے بنی نہین — نہ میرے اجتناب سے نہ تیرے احترام سے
سبو سے انبساط کیون یہی کہ تنگ ظرف ہے — خمون کا اشتیاق کیون فقط خیالِ خام سے
ملا رہے ہین ناشناس ساغرِ شراب کو — کبھی تو آفتاب سے کبھی مہِ تمام سے
اسی نجس شراب کا تو نام آفتاب ہے — مآل مین سیاہ ہے جو زلفِ مشک فام سے
یہ جس گلے مین آگئی اُسی کا دم گھٹا کیا — صراحیون کی ہچکیون کو پوچھ گوشِ جام سے
یہ مے کشون کی آرزو ہے ایک خونِ آرزو — لہو ٹپک رہا ہے اس کے رنگِ لالہ فام سے
قدم قدم پہ ایک حشر اور پھر جزا نہیں — یہ میتین وہی ہین جو اُٹھین نہ احترام سے
اسی خرامِ ناز کا خمار ایک نام ہے — نہ چل وہ راستہ جہان خمار ہو خرام سے

جسے شراب کہتے ہیں یہی تو شرِ آب ہے
نہ کام سے یہ کام ہے بجا زبان کو نام سے

وہ میکدہ فلک کا ہی جو طاہر و طہور ہے
جہاں میں صبح ہوتی ہے اُسی کے ایک جام سے

مخرّبِ دماغ ہے سُرودِ بزم و کیفِ مے
حواس بھاگتے ہیں مسکراتِ زشت کام سے

منشیات بالعموم لائقِ نفور ہیں
یہ مستفاد مجملاً ہے رشحۂ کلام سے

سوزِ دروں

از

جناب اسد ملتانی

ابھی تک لو نہیں دیتے لگا سوزِ دروں میرا
بس اتنا ہے کہ اکثر کھولنے لگتا ہے خون میرا

نہیں ہیں بے خبر احباب میرے زخمِ پنہاں سے
کہ غمّازِ دلِ پرخوں ہے اشکِ لالہ گوں میرا

جو ہنگامے سے مقصد ہو فقط ہنگامہ آرائی
تو ان بے کار ہنگاموں سے بہتر ہی سکوں میرا

تلاشِ خضر کو سنگِ رہِ منزل سمجھتا ہوں
وفورِ شوق ہے دستِ طلب میں رہنموں میرا

میں کاخ و کوہ میں کر سکتا ہوں شور پا و ہو بڑپا
نہیں ہے پائے بندِ وسعتِ صحرا جنوں میرا

زمانے کی نظر کو دیکھکر حیران رہتا ہوں
اُسی پر داد ملتی ہے جو ہو صیدِ زبوں میرا

وہی مومن ہے جس کو دیکھکر باطل پکار اُٹھے
کہ اس مردِ خدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا

اسدؔ ذوقِ سلیم و چشمِ روشن کی علامت ہی
نئی تہذیب کی محفل میں جامِ واژگوں میرا

باب التقریظ والانتقاد

انگریزی ترجمۂ قرآن مجید مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی، اعظم گڈہ

اس زمانہ مین جب مسلمان نوجوانون کے اندر براہِ راست صحیفۂ اسلام کے ذریعہ سے اسلام کے مطالعہ کا شوق روز افزون ہے، اس بات کی سخت ضرورت تھی، کہ قرآن پاک کا کوئی ایسا ترجمہ ان کے ہاتھون مین ہو جو تاویلات بعیدہ اور زمانہ کے تغیرات کے مطابق رنگ آمیزی سے بالکل پاک ہو اور قرآن پاک کو بعینہٖ اسی رنگ اور اسپرٹ مین پیش کرے جس مین وہ صدرِ اوّل مین سمجھا جاتا تھا،

انگریزی مین اس وقت تک دو قسم کے ترجمے ہین یا تو وہ عیسائیون کے کئے ہوئے ہین جن کے متعلق اظہارِ رائے کی ضرورت نہین، یا بعض ایسے لوگون کے قلم سے نکلے ہین جن کے عقائد و افکار سے جمہور اسلام کو موافقت نہین، مسٹر عبد اللہ یوسف علی کا ترجمہ جو ابھی حال میں شائع ہوا ہے، بے شبہہ بہت حد تک ان مفاسد سے بری ہے لیکن اعلیٰ انشا پردازی کے تخیل نے مترجم کو اس بات پر مجبور کیا ہے، کہ قرآنی الفاظ کی پابندی کے بجائے حاصل مطلب پر قناعت کرے، اسی طرح مسٹر محمد پکتھال کا ترجمہ بھی اوّل تو اغلاط سے پاک نہین ثانیاً اس مین بھی یہی نقص ہے، ان حالات کی موجودگی مین ایک ایسے ترجمہ کی حاجت تھی، جو کسی صحیح الخیال اور پابندِ دین مترجم کے قلم سے نکلا ہو، اور جمہور اسلام کے معتقدات کے مطابق ہو، لفظون کے حدود سے باہر نہ ہو، اور جس کے حواشی مین

موجودہ زمانہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو اور جس کی زبان بھی صاف ستھری اور عام پسند ہو،

جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی بی اے جن کو ہم مدت تک فلسفی کی حیثیت سے جانتے رہے، اور جن کی اردو تصنیفات ادب اور دانش کا مجموعہ ہین جب سے ان کے مذہبی خیالات مین انقلاب پیدا ہوا، اور وہ فلسفی سے صوفی بنے، ان کے قلمی فیوض سے اپنے کو محروم سمجھ رہے تھے لیکن چند سال کی خاموشی کے بعد اُن کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہمارے سامنے آیا اور یہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ ہے جس کی تیاری مین وہ کئی سال سے مصروف تھے اور جس کو وہ تکمیل تک پہنچا سکے، اور اب ایک ایک پارہ کرکے تاج کمپنی لاہور کے ذریعہ سے شائع ہو رہا ہے، اور اس وقت اس کا پہلا حصہ جو پارۂ اول ﴿ الٓمٓ ﴾ پر مشتمل ہے، ہمارے سامنے ہے، اس ترجمہ کو دیکھ کر ہم کو بڑی خوشی ہوئی، کہ مولانا نے وقت کا ایک اہم کام کیا اور مسلمان نوجوانون کے ہاتھون مین ہدایت کا ایک چراغ دیدیا، اس ایک پارے کو دیکھکر اس ترجمہ کی حسب ذیل خصوصیات نظر آئین،

(۱) زبان صاف ستھری صحیح اور فصیح ہی لیکن نہ بہت اونچی ہے اور نہ بہت نیچی ہے، اور اس بنا پر اس سے معمولی انگریزی دان بھی اسی طرح فائدہ اٹھا سکتے ہین جس طرح اعلیٰ انگریزی کے تعلیم یافتہ،

(۲) مترجم نے ترجمہ مین مقدس بائبل کی زبان اور محاورات کی پابندی کی ہے، گو موجودہ زمانہ کے بعض کم فہمون کو یہ بات قابلِ اعتراض نظر آئے گی لیکن اس حقیقت سے چشم پوشی نہین کرنی چاہئے، کہ مقدس اور آسمانی کتابون کی زبان اور طرزِ ادا عام ادبی کتابون کی زبان سے قطعاً الگ ہونی چاہئے تاکہ پڑھنے والے پر یہ اثر پڑے، کہ وہ عام ادبی کتابون سے بالاتر ایک صحیفۂ ربانی کو پڑھ رہا ہے، جس کا تقدس اور جس کی عظمت زبان اور طرز بیان مین بھی اپنی انفرادیت کی شان لئے ہوئے ہو،

(۳) ترجمہ کی لفظی خصوصیت صرف اہلِ نظر کو نظر آئیگی، جس قدر زیادہ باریک بینی سے غور کیا جائے گا مترجم کی تلاش اور عربی لفظ کے بالمقابل اس کے صحیح انگریزی مفہوم ادا کرنے کی کوشش جھلکتی ہوئی نظر آئیگی اگر انگریزی کا کوئی لفظ عربی کے بالمقابل ہم معنی ان کو نظر نہیں آیا ہے، تو عام انگریزی الفاظ دیکر حاشیہ مین

اس کی تشریح مناسب کر دی ہے، مثلاً رب کا ترجمہ انگریزی مین عام طور سے Lord یا Sovereign سے کیا جاتا ہے، مگر اس لفظ کے معنی مین جو حقیقت ہے، ان دو لفظون مین سے کسی ایک سے بھی ظاہر نہیں ہوتی، ہمارے مترجم نے اس کمی کو اپنے حاشیہ سے پورا کیا ہے،

(۴) اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے، کہ انگریزی انشا پردازی کی خاطر عربی لفظ کے صحیح معنی کو انگریزی لفظون مین بگاڑا نہ جائے، یعنی قرآن پاک کے مفہوم کو اپنی مفروضہ بلاغت اور فصاحت کے لئے برباد نہ کیا جائے،

(۵) جمہور اسلام کے صحیح عقائد اور خیالات کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اور موجودہ زمانہ کی عقلیت پسندی اور خلاف محاورہ منطقیانہ معنی آفرینی اور معجزات اور خوارق کو خلاف فطرت نہ ثابت کئے جانے کی خاطر سید احمد خان مرحوم سے لے کر مولوی محمد علی لاہوری تک جو کوششین کی گئی ہین، ان سے قطعاً پرہیز کیا جائے،

(۶) ان مسائل اور واقعات کے بیان مین ان عقل پسند مترجمون نے اپنے زعم مین قرآن پاک کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو غلط طریقے اختیار کئے تھے، اُن سے پرہیز کیا جائے،

(۷) عام طور سے اردو اور انگریزی مترجمون نے یہ کیا ہے، کہ مضمون کی وضاحت کے لئے نفس ترجمہ ہی مین برکیٹ کے ساتھ یا برکیٹ کے بغیر الفاظ بڑھائے ہین، موصوف نے اس مین بڑی احتیاط برتی ہے، ایسے موقع پر اونھون نے لفظ پر حاشیہ دیکر زائد تشریح درج کر دی ہے تاکہ آیت کے صحیح معنون مین انسانی اضافون کا اختلاط نہ ہونے پائے،

(۸) حاشیون کے لکھنے مین موصوف نے بڑی خدمت انجام دی ہے، گویا یہ کہنا چاہئے کہ ان کے ذریعہ سے ایک نیا علم کلام مسلمانون کے ہاتھون آگیا ہے،

(۹) ان حاشیون مین بعض ایسی تحقیقات ہین، کہ جن سے عام طور پر پُرانے ترجمے خالی ہین، اور یہ وہ کوششین ہین کہ جو اونھون نے آیتون کے گرامر، تاریخ، جغرافیہ اور تورات و انجیل کے بالمقابل موازنون مین صرف کی ہین،

(۱۰) سب سے بڑھکر یہ کہ یہودی اور عیسائی تصنیفات مین قرآنی تائیدات کی جو تحقیقین ملی ہین، ان کو آیتون کے ساتھ موقع بموقع نقل کرتے گئے ہین، اور جدید مستند انگریزی لٹریچر میں بھی جو باتین ان کو قرآن کے لئے مفید نظر آئی ہین ان کو بھی اپنے موقع پر جگہ دی ہے،

(۱۱) عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کے حوالون مین اونھون نے اصل کتابون کے حوالون کو محنت اور کوشش سے تلاش کرکے ان کے باب اور آیت کے نمبر آسانی کے لئے دیدئیے ہین،

(۱۲) سب سے آخری چیز یہ ہے کہ ہمارے انگریزی خوان اصحاب عربی دانی کے کسی درجہ پر ہون، اس تحقیق، تقوی اور احتیاط سے عام طور سے یقیناً خالی ہین جو علمائے محققین اور صالحین کی خصوصیت ہے، اس بنا پر یہ چیز اس ترجمہ اور اس کے تشریحی بیانات کی صحت کے لئے بڑی طمانیت بخش ہے، کہ یہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن اور تفسیر البیان کو سامنے رکھکر کیا گیا ہے،

اس ترجمہ کی ناشر تاج کمپنی ریلوے روڈ لاہور کو بھی مبارکباد دینی چاہئے، کہ اس نے اس زمانہ مین جبکہ کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی بلکہ نایابی کا یہ عالم ہے، اس انگریزی ترجمہ کی اشاعت کی ہمت کی ہے، کاغذ اچھا، ٹائپ عمدہ اور نیا ہے، اور عربی عبارت کو بھی بلاک کے خوبصورت خط میں شائع کیا گیا ہے، صفحہ کے اوپر اصل مین ترجمہ اور نیچے کسی قدر باریک ٹائپ مین حواشی ہین، عا فی پارہ اس کی قیمت رکھی گئی ہے،

ضرورت ہے کہ انگریزی دان مسلمان اس کی خریداری کی طرف توجہ کرین اور اس کا ایک ایک نسخہ منگوا کر مطالعہ کرین،

المنہاج

از جی، ام، ڈی، صوفی، ام، اے، ال، ٹی (الہ آباد) ڈی، لٹ، (پیرس) تقطیع اوسط، صفحہ ۱۴۸، لکھائی، چھپائی، عمدہ، ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور، قیمت للعہ

مندرجۂ بالا کتاب ہندوستان کی اسلامی درسگاہون کے تعلیمی نصاب کے ارتقار کی گویا تاریخ ہے جس کو

مؤلف نے ۱۹۳۵ء مین پیرس یونیورسٹی مین ڈاکٹریٹ کے مقالہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اور اس پر اُن کو ڈگری بھی ملی تھی، دراصل یہ مقالہ فرانسیسی زبان مین لکھا گیا تھا، ہندوستان کے ارباب علم کے استفادہ کے لئے مؤلف نے اس کا انگریزی ترجمہ کردیا ہے، جس کو شیخ محمد اشرف ناشر لاہور نے اپنی اور مطبوعات کی طرح اعلیٰ طباعت کیساتھ شائع کیا ہی،

کتاب میں تمہید اور مقالہ کے علاوہ چار ابواب ہین (۱) ترکون اور افغانون کے عہد مین نصاب تعلیم (۲) مغلون کے عہد مین نصاب تعلیم (۳) برطانیہ کے عہد مین نصاب تعلیم (۴) آزاد ہندوستان کے نصاب تعلیم پر خیالات، آخر مین مآخذ کی فہرست اور اشاریہ ہے، ایک طویل ضمیمہ بھی ہے، جس مین کلکتہ اور بمبئی کے مختلف امتحانات کے مضامین کی تفصیل ہے،

یہ کتاب اس حیثیت سے مفید اور پُراز معلومات کہی جا سکتی ہے، کہ انگریزی زبان مین مسلمانون کے گذشتہ اور موجودہ تعلیمی نصاب کے خاکے کو مرتب طریقہ پر پیش کیا گیا ہے، جس سے مختلف دور کے نصاب کا تدریجی ارتقا نگاہ کے سامنے آجاتا ہے، مگر جب اس کے پہلے دو ابواب کے مآخذ پر نگاہ ڈالتے ہین، تو اس کے علمی وقار مین بڑی کمی پیدا ہو جاتی ہے، مؤلف نے ان دو ابواب کے مباحث مین صرف دو کتابون این۔ این۔ لا کی تصنیف "پروموشن آف محمڈن لرننگ" اور مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی مرحوم (رفیق دارالمصنفین) کی کتاب "ہندوستان کی قدیم درسگاہین" کو ماخذ بنایا ہے، اس مین شک نہین کہ یہ دونون کتابین اپنے معلومات کے لحاظ سے استفادہ کے لائق ہین، مگر کسی تحقیقی مقالہ کی ترتیب مین صرف ان دونون کتابون کو ذریعۂ معلومات بنانا اس کے تحقیقی درجہ کو کم کر دیتا ہی، مولانا ابوالحسنات صاحب مرحوم نے اپنی کتاب کے خاتمہ پر تحریر کیا تھا، کہ "یہ اسلامی عہد حکومت مین ہندوستان کی اسلامی تعلیم اور تعلیم گاہون کا مختصر سا خاکہ ہے، مین نے علی العموم اجمال و اختصار سے کام لیا ہے، مزید تفصیل و تشریح کی طرف توجہ کیجائے، تو پھر دفتر کا دفتر چاہیے، جس کے لئے نہ موقع ہے اور نہ وقت، لیکن اس مین کوئی شک نہین کہ مزید توجہ کے بعد قطرہ دریا بن سکتا ہے" لیکن المنہاج کے مؤلف نے اس قطرہ کو دریا بنانے کے بجائے صرف اُس سے پیاس بجھانے پر اکتفا کی، اگر کہین کسی نئی بات کا اضافہ بھی کیا ہی تو تجدد پسندی اور

روشن خیالی کے جوش میں ان کے بیانات جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں، مثلاً نصاب موسیقی کے سلسلہ میں ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہو، کہ موسیقی کی تعلیم کلام مجید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیاے کرام کی عین تعلیم کے مطابق ہے، (ص ۳۶۲) جو سراسر غلط ہے ممکن ہو کہ مصنف کو موسیقی سے دلچسپی ہو یا موجودہ تمدن و معاشرت کے زیر اثر اس فن کو تعلیم کا ضروری جزء سمجھتے ہوں لیکن اس کے لئے انھیں مذہب کو آڑ بنانے کی کیا ضرورت ہے، اگر موسیقی سے مراد خوش گلوئی، خوش الحانی اور ترنم ہو تو اسکی البتہ اسلام نے ممانعت نہیں کی ہو لیکن محض اتنی سی بنیاد پر موسیقی یعنی گانے اور ساز وغیرہ کو جائز بتانا سراسر غلط ہو مذہبی احکام کی غلط تعبیر سے خواہ وہ حسن نیت ہی سے کیوں نہ ہو، طرح طرح کے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں، اس قسم کے خطرات کو مدنظر رکھنا ایک محتاط مصنف اور مقالہ نگار کا اولین فرض ہونا چاہئے،

اسلامی دور حکومت کی صنعتی اور فوجی تعلیم پر بھی مباحث ہیں، مگر یہ بہت ہی سرسری اور تشنہ ہیں تیموری عہد میں فوجی تعلیم کے متعلق مؤلف نے گویا صرف اس پر قناعت کی ہو کہ "ابو الفضل کی لکھی ہوئی تفصیلات سے اس تعلیم کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہو، جو فوجوں کی مختلف جماعتوں کو دیجاتی تھی"۔ اگر تھوڑی سی محنت اٹھا کر اس فوجی تعلیم کی تفصیل بھی درج کر دیجاتی تو کتاب کا معیار بلند ہو جاتا، حالانکہ اس سلسلہ میں تیموری بادشاہوں اور شاہزادوں کے سپاہیانہ اور بہادرانہ کارناموں کا ذکر کیا گیا ہو، مگر اس ذکر سے صرف ان کی ذاتی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہو اس عہد کے لشکریوں کی فوجی تعلیم کا خاکہ سامنے نہیں آتا، عجلت میں مؤلف نے ہندوستان کے بعض اہم مسلمان فرمانرواؤں کے عہد کے تعلیمی نصاب کے استقصا کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا ہو مثلاً اکبری دور کے فضلا اور علما کا ذکر تو کیا ہو مگر اس زمانہ کے نصاب تعلیم کو نظرانداز کر اور نگزیب اور اسکے بعد کے تعلیمی نصاب کی فہرست پر بحث کی گئی ہو، حالانکہ آئین اکبری میں اکبری دور کے نصاب تعلیم کی تفصیل موجود ہو اسی طرح تھوڑی سی توجہ سے فیروز شاہ کے عہد کا تعلیمی نصاب بھی معاصر تاریخوں سے مرتب کیا جا سکتا تھا اسلامی دور کی تعلیم نسواں پر بھی کافی معلومات فراہم ہو سکتے تھے اگر صرف مالوہ کے فرمانروا سلطان غیاث الدین ابن محمود خلجی کے عہد میں عورتوں کی تعلیم پر نظر ڈالی جاتی انہیں میں بھی کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں،

مگر عام اور سرسری مطالعہ کے لئے یہ کتاب مفید کہی جا سکتی ہو طرز بیان صاف، رواں اور دلچسپ ہے، "ص ع"

مطبوعات جدیدہ

محمد علی از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت عہ، پتہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن،

مولانا محمد علی مرحوم کی وفات کے بعد مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے مرحوم پر اپنے اخبار سچ میں مضامین کا ایک سلسلہ لکھا تھا، مذکورۂ بالا کتاب میں ان مضامین کو مرتب طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے، مولانا محمد علی مرحوم پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ان مضامین کی حیثیت اُن سے مختلف ہے، مولانا مرحوم اور فاضل مضمون نگار میں خاص ربط و اخلاص تھا، بعض کاموں میں وہ انکے شریک بھی رہے تھے، اسلئے انھیں مرحوم کی خلوت و جلوت، پبلک اور پرائیوٹ زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، اور اس کا کوئی رُخ اُن کی نگاہ سے مخفی نہیں تھا، ان مضامین میں اسی کی عکاسی کی گئی ہے، اس کتاب میں ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۲۴ء تک صاحب سوانح کے جستہ جستہ اجمالی حالات ہیں، اور ۱۹۲۵ء سے آخر زندگی تک کے کسی قدر تفصیلی، یہ حالات ایک واقعہ نگار کے بیان کی طرح محض تاریخ کی کھتونی نہیں ہیں، بلکہ اس سے مولانا مرحوم کے ملکی و ملی خدمات کے ساتھ ان کے فضل و کمال، ذہانت و ذکاوت، عقائد و خیالات، جذبات و رجحانات، غیرت قومی و حمیت دینی، اخلاص و للہیت، حق گوئی و حق پرستی، مزاج و افتادِ طبع، ان کے اخلاق و کردار کی پوری تصویر اور ان کی مجاہدانہ زندگی کی پوری روح سامنے آجاتی ہے، مرحوم کے گوناگوں اوصاف و کمالات کی اس سے زیادہ جامع مصوری ممکن نہ تھی، اس کو پڑھ کر مرحوم کے مرقعۂ حیات کے تمام خط و خال نظر آجاتے ہیں، سیرت محمد علی کی تالیف کے سلسلہ میں مولانا سے جو سہو ہوا تھا، اس کتاب سے

اس کی تلافی ہو گئی، انداز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، مولانا کی سحر طرازی نے خشک تاریخی واقعات کو دلآویز افسانہ بنا دیا ہے، اور اس کتاب کے متعلق یہ فقرہ بالکل صحیح معنون مین صادق آتا ہے، کہ جب تک ختم نہ ہو جائے ہاتھ سے نہین چھوٹتی، یہ ایک ایسے پُرشور دور کے حالات ہیں، جس مین بہت سے اختلافی مسائل پیش آئے، بعض مین خود مؤلف کی حیثیت بھی فریق کی تھی، اس لئے ان مسائل کا زیر بحث آنا ناگزیر تھا تاہم ان کے رمز شناس قلم نے اظہار حق کے ساتھ سنبھالنے کی پوری کوشش کی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب مولانا محمد علی مرحوم کے قدر دانون اور فاضل مصنف کی تحریرون کے قدر شناسون مین مقبول ہو گی،

ابوالکلام آزاد، مرتبہ جناب عبداللہ بٹ صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۳۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کے متعلق مختلف جماعتون کے متعدد اکابر وممتاز اشخاص اور بعض عام لوگون نے بھی تحریری شکل مین اپنے تاثرات ظاہر کئے ہین، اس کتاب کے لائق مرتب نے ان سب کو اس کتاب مین یکجا کر دیا ہے، اس سے مولانا کے کمالات کے متعلق مختلف اہلِ نظر کی رائین اور اس کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہین، اگر اس کتاب کو محض اکابر کے تاثرات تک محدود رکھا جاتا، تو اسکی قدر وقیمت اور زیادہ بڑھ جاتی، مولانا کی ذات ایسی جامع کمالات ہے، اور ان کے واقعی اور صحیح کمالات اتنے گوناگون ہین، کہ ان مین کسی فرید اضافے کی مطلق ضرورت نہین، پھر معلوم نہیں بعض مضمونیں غیر صحیح واقعات لکھنے کی ضرورت کیون پیش آئی، اور انکا اس سے مولانا کی عظمت مین کوئی اضافہ نہیں ہوتا، مثلاً ایک مضمون مین ہے کہ "آپ نے قاہرہ کی مشہور عالم یونیورسٹی الازہر مین تعلیم حاصل کی، اور ۱۴ سال کی عمر مین آپنے جامع ازہر مین علوم مشرقی کا نصاب پورا کیا، اور اس قدر استعداد پیدا کر لی، کہ آپ کو مختلف مضامین کے پڑھانے پر مامور کر دیا گیا" یا تذکرہ بیس سال کی عمر میں لکھا ایک دوسرے مضمون مین ہے کہ ۱۹۰۵ء میں آپ کو قاہرہ کی یونیورسٹی الازہر میں بھیجا گیا .... ۱۹۰۷ء مین آپ عراق وشام وفلسطین کی سیاحت کر کے ہندوستان واپس آئے ص (۳۰۶) اسی مضمون مین ہے کہ ۱۹۰۵ء

مین آپ الندوہ کے اڈیٹر تھے، اور ۱۹۰۷ء مین وکیل کے اڈیٹر مقرر ہوئے، حالانکہ مولانا نے اپنے مولد و منشاء طفولیت وادی غیر ذی زرع "یعنی مکہ معظمہ سے ہندوستان آنے کے بعد پھر یہان سے باہر قدم نہین نکالا، مضمون کا یہ تضاد بیان بھی دلچسپ ہے کہ ایک طرف تو مولانا کو ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء مین الندوہ اور وکیل کا اڈیٹر لکھا گیا ہے، اور اسی زمانہ مین ان کو الازہر مین بھی دکھایا گیا ہے، درحقیقت مولانا کی شخصیت اور ان کا علم ازہر کی تعلیم سے بلند ہے کسی درس گاہ کی جانب ان کا تعلیمی انتساب ان کے لئے کوئی سند کمال نہیں ہے، ع

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبارا

تذکرہ اونھون نے بیس سال کی عمر مین نہین بلکہ اس وقت لکھا "جب قافلۂ برق رفتار عمر منزل ثلاثین تک پہنچ چکا تھا" (تذکرہ ص ۲۸۹) تیس سال کی عمر مین بھی ایسی کتاب لکھنا بجائے خود کمال ہے، ان خفیف فروگذاشتون سے قطع نظر کتاب دلچسپ ہے،

ضرورۃ القرآن حصہ اول از جناب قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۶ ، صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عاریتہً مصنف دارالاشاعت والتصنیف ڈاکخانہ شمس آباد ضلع اٹک پنجاب۔

اس کتاب کا مقصد دنیا کے لئے قرآن مجید کی ضرورت کا اثبات ہے، اس حصہ مین لائق مصنف نے انسانیت اور کائنات کے متعلق بعض اسلامی تعلیمات کو پیش کرکے ان کے لئے مذہب، انبیاء، اور الہامی کتابون کی ضرورت دکھائی ہے، ان کی صداقت کا معیار بتایا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل دیئے ہین، اور دوسرے مذاہب کی الہامی اور غیر الہامی کتابون کے نقائص ظاہر کرکے ان کے مقابلہ مین کلام مجید کے کمالات دکھائے ہین، ان مباحث مین مصنف کو موضوع سے متعلق و غیر متعلق ضروری و غیر ضروری اور معتبر و غیر معتبر جس قسم کے معلومات مل سکے ہین ان کو بے کم و کاست نقل کر دیا ہے، بعض باتین نہ صرف غیر ضروری بلکہ ناقابل تحریر تھین، اس حصہ مین اتنی غیر ضروری بحثین آگئی ہین کہ اصل موضوع تشنہ رہ گیا ہے، ممکن ہے دوسرے حصہ مین اس کی تلافی ہو، یہ کتاب مواد، ترتیب اور زبان و بیان مختلف حیثیتون سے نظر ثانی کی محتاج ہے، لیکن

خوش عقیدہ عوام کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو ان کے حسن نیت کا صلہ عطا فرمائے،

ہم کیسے پڑھائیں، از جناب سلامت اللہ صاحب ایم اے، معلم جامعہ ملیہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی، اور اس کی شاخیں لکھنؤ، بمبئی، نمبر ۳،

بچون کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم ہے، لیکن اب تک اس کی طرف پوری توجہ نہ ہوسکی، یون تو اس کا پورا نظامِ تعلیم موجود ہے، لیکن وہ جدید قومی ضروریات اور نئے تعلیمی اصولون سے مطابقت نہیں رکھتا، اور نہ اس موضوع پر اردو مین کتابین ہیں، غالباً جامعہ ملیہ ایک ایسی درسگاہ ہے، جہان جدید تعلیمی اصولون کے مطابق اس کا عملی تجربہ ہو رہا ہے، اسلئے یہیں کے ایک استاد نے معلمین کی واقفیت کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، اس مین تعلیمی مواد یا نصابِ تعلیم کے انتخاب اس کے باہمی ربط و تعلق کے اصولون پر بحث کی گئی ہے، اور اس کے قبول کے لئے بچون کی ذہنی تربیت کے طریقے بتائے گئے ہین اور پڑھانے میں مختلف نئے طریقون کو جن کا یورپ و امریکہ مین تجربہ ہوچکا ہے تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ان مباحث مین ہندوستان کی ضروریات اور یہان کے حالات کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے، ہر بحث کے آخر مین ماخذ کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے، کتاب کی اصلی خوبی کا صحیح اندازہ تو فنِ تعلیم کے واقفکار ہی کر سکتے ہین، لیکن بظاہر کتاب مفید تعلیمات پر مشتمل اور اساتذہ و معلمین کے استفادہ کے لائق ہے،

طریقِ مستقیم مترجمہ جناب محمد اسماعیل صاحب ایم اے، تقطیع اوسط، ضخامت ۹۹ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- مطبوعہ فاین پریس، ہیوٹ، روڈ، لکھنؤ،

حضرت شیخ ابوسعید خرازؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ کتاب الصدق عربی مین تصوف کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس میں حضرت شیخؒ نے کلام مجید، احادیث نبوی اور صلحاء و اخیار امت کے اقوال و حالات کی روشنی مین تصوف کے مہمات مسائل اور تقرب الی اللہ جملہ قلبی اعمال، اخلاص، صبر، معرفتِ نفس، معرفتِ ابلیس، حلال صافی یا اکل حلال، ترکِ دنیا، خشیتِ الٰہی، حیا، محبت، رضائے الٰہی، اور انس مع اللہ میں صدق کی حقیقت

اور اس کی تشریح بیان فرمائی ہے، ہر بحث شریعت کی روح اور عرفان وتصوف کا عطر ہے، کتاب اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، ترجمہ سلیس ورواں ہے،

علماے کرام کا مستقبل از جناب منظر الدین صاحب صدیقی بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتہ اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پورہ لاہور،

مصنف حیدرآباد کے سنجیدہ صاحب قلم ہیں، اُن کے خیالات میں قدیم وجدید کا معتدل امتزاج ہے، وہ مذہب وملت کا بھی درد رکھتے ہیں، اور زمانہ کے نئے تقاضوں پر بھی ان کی نگاہ ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر اونھوں نے علماے کرام کے مستقبل پر غالباً یہ مضمون لکھا تھا، جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، اس میں اونھوں نے علماے کرام کے منصب اور ان کے فرائض وذمہ داریوں کو دکھایا ہے، اور ان کے جمود وبےحسی، زمانہ کے حالات اور نئی ضروریات سے ان کی ناواقفیت وبےخبری، مسلمانوں کی حالت سے ان کی غفلت اور اس کی دوسری خامیوں اور کوتاہیوں کو ظاہر کرکے مسلمانوں کے حق میں اس کے مضر نتائج دکھائے ہیں، اور علماء کو اُن کے فرائض کی جانب متوجہ کیا ہے، علماء کے فرائض کے بارہ میں لائق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، ان کی بعض کوتاہیوں اور مسلمانوں کی زبون حالی سے بھی انکار نہیں، اس سلسلہ میں مصنف کے بعض مشورے یقیناً غور وتوجہ کے لائق ہیں، لیکن حُسنِ نیت کے باوجود اس بحث میں جابجا ان کا قلم جادۂ اعتدال سے ہٹ گیا ہے، اور اُن کے دینی احساس پر دورِ جدید کی تجدید واصلاح کا غلبہ نظر آتا ہے، ان کے نزدیک شروع سے اب تک تمام علماے کرام نہ صرف مسلمانوں کی حالت سے غافل اور خود غرضی میں مبتلا رہے، بلکہ اونھوں نے تجدید واصلاح کی راہ میں مزاحمت پیدا کی، جو سراسر مبالغہ ہے، مصنف نے مسلمانوں کی جو جو خرابیاں اور جو جو اصلاح طلب باتیں شمار کرائی ہیں ان میں دینی نقطۂ نظر سے کوئی ایسا اصلاح طلب امر نہیں ہے، جس کی اصلاح کی جانب علمانے توجہ نہ کی ہو، پھر نفس تجدید واصلاح کے بارہ میں بھی مصنف کے بہت سے خیالات محلِّ نظر ہیں، مثلاً وہ موجودہ فقہ کو دفتر پارینہ قرار دیتے ہیں اور ترکوں کی غیر اسلامی

اصلاحات کو بھی جائز شمار کرتے ہیں، جدید حالات و مسائل کے حل کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن اس کے خاطر فقہ کو دفتر پارینہ قرار دے دینا صحیح نہیں اس فقہ کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی مصنف نے سمجھی ہے، بہرحال یہ کتاب بعض خیالات سے قطع نظر غور و توجہ کے لائق ہے،

اسلامی معاشرت از جناب غلام احمد صاحب پرویز تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ :- تسنیم منزل شیدی پورہ قرول باغ نئی دہلی،

کلام مجید مسلمانوں کی جملہ دینی و دنیوی ضروریات کا ضابطہ ہے، اس میں مسلمانوں کی فوز و فلاح کے مہمات مسائل بھی ہیں، اور اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ معاملت اور حُسنِ معاشرت کی ہدایات بھی ہیں، اگرچہ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن انسانی اخلاق و کردار کی تربیت سے ان کا گہرا تعلق ہے، اس لئے اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے، اور تکمیل اخلاق اسلام کی تعلیم کا بڑا ضروری جزء ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب میں کلام مجید سے اجتماعی زندگی کی حُسنِ معاشرت اور حُسن معاملت کی ہدایات کو جمع کر دیا ہے، جابجا ضروری تشریح بھی کر دی ہے، کتاب مسلمانوں کے لئے مفید ہے،

سی پی میں کانگریس راج، از جناب حکیم اسرار احمد صاحب کریوی تقطیع بڑی ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عار پتہ مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب جنرل سکریٹری مسلم لیگ ناگپور، سی پی،

کانگریسی وزارت کے دور میں صوبہ متوسط کے مسلمانوں کو اس کے خلاف جو شکایتیں تھیں، اس کتاب میں ان کو مع شواہد و ثبوت کے جمع کر دیا گیا ہے، اس میں سرکاری محکموں، لوکل بورڈوں، اور کونسل میں مسلمانوں کی جو جو حق تلفیاں اور ان پر جو زیادتیاں ہوئیں، ان کی پوری تفصیل درج ہے، بعض واقعات کے ثبوت میں سرکاری دستاویزوں کی نقلیں بھی شامل ہیں، لیکن اب یہ داستان بعد از وقت ہے، البتہ آئندہ کے لئے اس سے حاکم و محکوم دونوں سبق حاصل کر سکتے ہیں،

آریائی زبانیں از جناب سدھیشور ورما شاستری ایم اے، ڈی لٹ پروفیسر سنسکرت ولسانیات پرنس آف ویلز کالج جموں، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت ۸ر پتہ:- ادارۂ ادبیات اردو خیرت آباد حیدرآباد دکن،

لسانیات یا فیلالوجی اپنی خشکی کے باوجود نہایت دلچسپ فن ہے لیکن اردو مین اس موضوع پر مستقل کتابین نہین ہین، بعض ادبی کتابون مین ضمناً کچھ لسانیاتی بحثین ملتی ہین، لائق مولف نے اس کتاب مین لسانی نقطۂ نظر سے ہندوستان اور ایران کی آریائی زبانون کی مختصر تاریخ، ان کی خصوصیات، ماخذ و ارتقاء عہد بعہد کے تغیرات، ان کی باہمی حرفی وصوتی مشابہت و اختلافات وغیرہ کو دکھایا ہے، ہندوستان کی زبانون پر نسبتہً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب اس فن سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے

اپنے خواب از جناب سید کاظم دہلوی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۶ر، پتہ دفتر کہکشان گلی تاراشاہ دہلی،

مصنف کتاب موجودہ دور کے اچھے افسانہ نگارون مین ہین، ان کے افسانون کے بعض مجموعے اس سے پیشتر شائع ہو چکے ہین، اپنے خواب بارہ افسانون کا نیا مجموعہ ہے، تقریبًا کل افسانے رومانی ہین لیکن ان مین حسن وعشق کی محض تفریحی اور بے نتیجہ افسانہ طرازی نہین ہے، بلکہ روزانہ کے واقعات زندگی، اور ہماری معاشرت کی صحیح تصویرین ہین، افسانون کے پلاٹ دلچسپ، خیالات ستھرے اور زبان پاکیزہ ہے،

مفتاح العربیہ جزاول و دوم مولفہ احمد بن ناصر العیسری استاذ عربی عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ہر دو حصہ ۱۴ر پتہ:- مصنف سے ملے گی،

مصنف نے عربی زبان کے مبتدی طلبہ کے لئے یہ ریڈرین لکھی ہین، وہ اہل زبان بھی ہین، اور تعلیم کا بھی عملی تجربہ رکھتے ہین، اسلئے یہ ریڈرین زبان اور تعلیمی نقطۂ نظر دونون حیثیتون سے مفید ہین، ان میں روزانہ کی ضروریات کے الفاظ اور اسباق مین تدریج، اور ان کی مشق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، عربی کے مبتدیون کے لئے یہ مفید ریڈرین ہین،

"م"

جلد ۵۳ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۴ء عدد ۲

مضامین

شذرات

بیرونی اجنبی قوموں نے خاص سیاسی اغراض کے ماتحت ہندوستان کے اسلامی عہد کی نہایت غلط اور مسخ تاریخیں لکھیں، جن کا مقصد یہاں کے مختلف فرقوں میں باہم بغض و منافرت پھیلانا، ان کے دلوں سے اُن کے شاندار ماضی اور ان کے اسلاف کے کارناموں کی وقعت گھٹانا، ان کی پستی اور نئی حکمران قوم کی عظمت و برتری کا نقش جمانا تھا، اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ نگاہوں کے سامنے ہیں، اسی قسم کی تاریخیں تعلیمگاہوں میں داخل کی گئیں، اس لئے جدید تعلیم یافتہ نسل کے دل و دماغ ابتداہی سے ان کے زہریلے اثرات سے متأثر ہوتے رہے، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ خود ان ہندوستانیوں نے جو تاریخیں لکھیں وہ بھی بالعموم ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں، اس لئے عرصہ سے ایسی تاریخ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں واقعات کی صحت، غلط واقعات کی تحقیق و تنقید اور قومی تعمیر کے عناصر کا خاص لحاظ رکھا جائے، بعض اصحاب علم نے اپنے مضامین اور تحریروں میں اس مقصد کو پیش نظر بھی رکھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے بس کا نہیں ہے، اب بعض علمی و تعلیمی اداروں نے بھی اجتماعی طور سے یہ کام شروع کیا ہے، چنانچہ انڈین ہسٹری کانگریس، بھارتیہ اتہاس پرشد اور مسلم یونیورسٹی علی گڈہ میں تاریخ ہندوستان کی تدوین کا کام ہو رہا ہے، دار المصنفین نے بھی اس کو شروع کیا ہے جس کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے،

تاریخوں کے لکھنے کا موقع بار بار نہیں آتا، اس لئے ان اداروں کو ابتداہی سے مذکورۂ بالا اہم اور ضروری پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا چاہئے، ورنہ اگر ان تاریخوں میں بھی فروگذاشتیں رہ گئیں تو پھر اس کی تلافی مدتوں نہ ہو سکے گی، اور چونکہ یہ اپنی قومی تاریخیں ہوں گی اس لئے ان کی غلطیاں دوسری اقوام کی لکھی ہوئی تاریخوں کی غلطیوں سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوں گی،

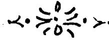
اس سلسلہ میں چند باتیں خاص طور سے توجہ کے قابل ہیں، ایک یہ کہ تاریخ لکھنے میں کسی قوم اور فرقے کا اپنے ذاتی

نقطۂ نظر اور مخصوص قومی مقاصد سے یکسر خالی الذہن رہنا بہت دشوار ہے، اس لئے اس کی توقع بھی نہیں کی جاتی، لیکن اگر مذکورۂ بالا اہم مشترکہ مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر دوسرے امور میں اپنے مخصوص قومی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، دوسری یہ کہ دنیا کی کسی حکومت کا دامن خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک نہیں اور نہ سب کے سب حکمران عدل و مساوات کا نمونہ ہوتے ہیں، کیا خود اپنی قومی حکومت کے ہاتھوں اپنے ہم قوم محکوموں کے ساتھ بے عنوانیاں نہیں ہوتیں اور کیا خود اپنی قوم کے ہاتھوں حکومتوں کو نقصان نہیں پہنچے اور کیا عدل و مساوات کا یہ دور جس کو مذہبی تعصب سے خالی کہا جاتا ہے ایسی مثالوں سے خالی ہے، ایسی حالت میں کسی حکومت یا حکمران کے ہر فعل کو محض اختلاف مذہب یا تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، بعض بے عنوانیاں حکومت کے ذاتی مصالح، عام سیاسی پالیسی اور مذہب سے قطع نظر ان کی قومی سرشت کا نتیجہ ہوتی ہیں، جن کو مذہبی جذبہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور جس کا اثر بلا تفریق مذہب تمام محکوموں پر پڑتا ہے، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ گذشتہ حکومتوں کے ہر جائز اور ناجائز فعل کو سراہا جائے، بلکہ یہ ہے کہ ان کو محض اختلاف مذہب کی عینک سے نہ دیکھا جائے اور ان کی غلطیوں اور بے عنوانیوں کو ان کی حد کے اندر محدود رکھا جائے، انھیں آب و رنگ دے کر چمکایا نہ جائے اور ان کی کوتاہیوں کے ساتھ فراخ دلی سے ان کے محاسن کا بھی اعتراف کیا جائے، یہ بھی واضح رہے کہ محض حسن ظن اور سوء ظن سے ایک ہی واقعہ کے متعلق نتائج بالکل بدل جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات متضاد ہو جاتے ہیں،



کسی تاریخ خصوصاً اپنی قوم کی تاریخ کی تدوین میں اعلیٰ قومی مقاصد کا لحاظ رکھنا تاریخ نگاری کی دیانت کے خلاف نہیں ہے، تاریخی دیانت اور خیانت کا مقصد یہ ہے کہ ذاتی جذبات، فرقہ وارانہ اغراض اور پست مقاصد کے لئے تاریخ کو مسخ یا اس پر ملمع نہ کیا جائے یہ نہیں ہے کہ غایت دیانتداری اور غیر جانبداری میں قومی تعمیر کے عناصر کو نظر انداز کر دیا جائے، اور نہ اس دیانت کا ثبوت آج تک کسی قوم کے مورخ نے دیا ہے، موجودہ زمانہ کی تاریخوں کو نہ صرف قوموں کو نیک نام اور بدنام کرنے بلکہ ان کو بنانے اور بگاڑنے میں بھی دخل ہے، اس لئے ان کی تدوین

میں کسی حال میں بھی قومی مقاصد سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ میں جبکا ابھی تعمیری دور ہے،



گذشتہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں کاشی پرچارنی سبھا کی سلور جوبلی منائی گئی، اس کے محترم صدر نے اردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت میں بڑی پرزور تقریر کی، اس میں دو باتیں خاص طور سے دلچسپ نظر آئیں، ایک ہندی کی عالمگیریت یعنی ہندوستان کے باہر اس کی مقبولیت اور اشاعت کا دعویٰ، دوسرے ہندوستان میں ریڈیو کے ذریعہ عربی اور فارسی کلچر کی اشاعت کی سازش کا انکشاف، اب تک ہندی کے مشترکہ اور عمومی زبان ہونے کا دعویٰ ہندوستان کے اندر تک محدود تھا، اس کی عالمگیری کی یہ پہلی آواز ہے' دیکھیں آیندہ اس تخم ریزی سے کیا کیا شاخیں پھوٹتی ہیں' لائق صدر نے غالباً اس لئے ریڈیو پر غصہ کا اظہار کیا ہے کہ اس میں عام فہم زبان کیوں بولی جاتی ہے، ٹھیٹھ ہندی کیوں نہیں بولی جاتی، لیکن و فور جوش میں جناب صدر کی نگاہ اس پہلو پر نہیں گئی، کہ ان کا یہ غصہ اور الزام دوسرے لفظوں میں اس کا اعتراف ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان وہی ہے، جو ریڈیو پر بولی جاتی ہے، اس لئے کہ ریڈیو میں وہی زبان چل سکتی ہے، جسے سارا ہندوستان سمجھتا ہو،



مالوی جی کا لہجہ البتہ اس مرتبہ خلاف معمول اردو کے حق میں مشفقانہ تھا، انھوں نے اس کو ہندی کی بہن تسلیم کیا ہے، اور اس کی ترقی کی بھی خواہش ظاہر کی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہندی کو یہ ترجیحی حق عطا فرمایا ہے کہ عدالت کی زبان اسی کو ہونا چاہئے، اردو کو ہندی کی بہن تسلیم کرنے کے بعد پھر مادر ہند کے اس ترکہ میں ہندی کا ترجیحی حق کیوں ہے، اردو تو ہندو قانون وراثت کے مطابق بھی اس سے محروم نہیں ہو سکتی، اس پورے مجمع میں ایک بلبل ہند کے نغمہ میں صداقت تھی کہ "ہندوستان کی زبان وہی ہونی چاہئے جو صوبہ متحدہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے" اردو کے حامی بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے،

مقالات

حکیم الامۃ کے آثارِ علمیہ

حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہین کہ اُن سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہو سکتا، اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف و محامد مین سب سے اوّل نظر آتی ہے، وہ قرآن پاک کے مترجم ہین، مجوّد ہین، مفسر ہین، اوس کے علوم و حِکَم کے شارح ہین، اوس کے شکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہین، وہ محدّث ہین، احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہین، وہ فقیہ ہین، ہزارون فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہین، نئے سوالون کو حل کیا ہے، نئی چیزون کے متعلق انتہائی احتیاط کے ساتھ فتوے دیئے ہین، ..... وہ خطیب تھے، خطبِ ماثورہ کو یکجا کیا ہے، وہ واعظ تھے، ان کے سیکڑون وعظ چھپ کر عام ہو چکے ہین، وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا ہے، شریعت و طریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کر کے دونون کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے، ان کی مجلسون مین علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے، اور یہ موتی جن گنجینون مین محفوظ ہین، وہ ملفوظات ہین، جن کی تعداد بیسیون تک پہنچی ہے، وہ ایک مرشد کامل تھے، ہزارون مسترشد و مستفید اُن کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے، اور وہ ان کے تسکین بخش جوابات دیتے تھے، اور ہدایات بتاتے تھے، جن کا مجموعہ تربیۃ السالک ہے، اونھون نے بزرگون کے احوال و کمالات کو یکجا کیا، اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، اُن کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہین،

اونھون نے حضرات چشت کے احوال واقوال مین سے بظاہر اعتراض کے قابل باتون کی حقیقت ظاہر کی، اور انکی تاویلات کین، اون کی کتابون کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہین، جن کی ترتیب ان کے مسترشدین نے کی ہے، وہ مصلح امت تھے، امت کے سیکڑون معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی تردید، اصلاح رسوم اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کین، وہ حکیم امت تھے، مسلمانون کے علاج اور نشاۃ و احیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے، غرض ان کی زندگی مین مسلمانون کی کم کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہو گی جس کا مداوا اس حکیم الامۃ رحمۃ نے اپنی زبان اور قلم سے نہین فرمایا، اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر مین آسکتا ہے۔

ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض مین پھیلین، اور ہزارون مسلمانون کی صلاح و فلاح کا باعث ہوئین، اردو اور عربی کے علاوہ مسلمانون نے اپنے ذوق سے اُن کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانون مین بھی کیا، چنانچہ ان کی متعدد کتابون کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی مین شائع ہوئے۔

ان کی تصانیف کی تعداد جن مین چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہین آٹھ سو کے قریب ہے ۱۳۵۴ھ مین اون کے ایک خادم مولوی عبدالحق صاحب فتحپوری نے ان کی تصنیفات کی ایک فہرست شائع کی تھی، جو بڑی تقطیع کے پورے ۸۶ صفحون کو محیط ہے، اس کے بعد نو برسون مین جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائین وہ ان کے علاوہ ہین، کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے، اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات و اظہار مین ہو یا باطل کی نشر و اشاعت مین، پریس اور مطبع ہی کے برکات ہین، زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہین، اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہین، اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات مین جلوہ گر ہو۔

علماے اسلام مین ایسے بزرگون کی کمی نہین جنکی تصانیف کے اوراق اگر انکی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائین تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے، امام جریر طبری، حافظ خطیب بغدادی، امام رازی، حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ مین لئے جا سکتے ہین، ہندوستان مین مولانا ابوالحسنات

عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ مین داخل ہین، اس سلسلہ کا اخیر نام حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے،

مولانا کی تصانیف کے انواع مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گو آٹھ سو کے قریب ہے، مگر ان مین چھوٹے چھوٹے رسالے بھی جن کو نئی اصطلاح مین مضامین و مقالات کہتے ہین داخل ہین، ان مین بعض اتنے مختصر ہین کہ صرف صفحے دو صفحے مین ہین بعض ایسے ضخیم ہین کہ کئی کئی جلدون مین ہین،

زبان بیشتر تصانیف نثر مین اور اردو زبان مین ہین، البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان مین ہین جن کے نام یہ ہین سبق[1] الغایات فی نسق الآیات، انوار[2] الوجود، التجلی[3] العظیم، حواشی[4] تفسیر بیان القرآن، تصویر[5] المقطعات، التلخیصات[6] العشر، مائۃ[7] دروس، الخطب[8] الماثورہ، وجوہ[9] المثانی، سبع[10] سیارہ، زیادات[11]، جامع[12] الآثار، تائید[13] الحقیقۃ، اور تین فارسی مین ہین: مثنوی[1] زیر و بم، تعلیقات[2] فارسی، عقائد[3] بانی کالج،

نظم و نثر نظم مین مولانا کی تصنیف صرف یہی ایک مثنوی زیر و بم ہے، اور یہ طالب العلمی کے بعد ہی لکھی ہے، بظاہر اس مین ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے، مگر درحقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افروز حکایت ہے، ایک اور نظم اور اد رحمانی کے آخر مین ہے،

مولانا کو فارسی کے بےشمار اشعار یاد تھے، حافظ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے، اور نظم کا ملکہ اور سلیقہ بھی تھا، مگر کبھی اس سے کام نہین لیا، ایک دفعہ مین نے اپنے برادر گرامی قدر مولوی مسعود علی صاحب کو جو تھانہ بھون مین مقیم تھے، اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا، اور ریاض مرحوم کا یہ مصرع لکھدیا:

زندگی ہے تو فقیرون کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی، اور یہ مصرع بھی سنا دیا، تو فوراً فقیرون کو بدل کر یون فرمایا،

زندگی ہے تو سلیمان کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی، تو خاکسار نے ایک بیت کہی ؎

خواجہ بخشید مرا سبحہ بصد دانہ بلطف دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنا دیا، تو فرمایا "تو بھئی مجھے بھی اس کا جواب کہنا پڑے گا"، مگر کچھ فرمایا نہیں، سب سے آخر میں جب خاکسار نے از خود حضرت کی تحریک و اشارہ کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کا مضمون معارف میں شائع کیا، اور ملاحظہ کے لئے بھیجا تو بہت مسرت ظاہر فرمائی، اور مثنوی کے وزن پر دس بارہ شعر لکھ کر بھیجے، جو اس ہیچ میرز کے لئے وجہ سعادت ہیں، یہ غالبًا آخری نظم کی تصنیف ہے اور اس کا ایک نام بھی حضرت نے رکھدیا ہے،

موضوعات نثر تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے، اور کم تر کتب درس کے متعلق، تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام و عقائد، فقہ و فتاویٰ اور سلوک و تصوف اور مواعظ اکثر ہیں،

قرآن پاک کی خدمت اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی، وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے، کانپور کے زمانۂ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے، وہاں جبرامت اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللّٰھمّ علّمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی، مولانا فرماتے تھے، کہ اس رویا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اسی کی طرف اشارہ تھا،

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی، بلکہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے، اور بڑے جید حافظ، وہ قاری تھے، اور فنون تجوید و قرأت کے بڑے ماہر، اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبد الرحمان صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی برکت سے قرأت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہو گئی تھی، مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے، تو لوگوں نے انکو بالقصد کسی جہری نماز میں امام بنا دیا، مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قرأت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی، کہ صحت مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر موثر قرأت نہیں سنی ایک

اور مقام پرجہاں اہلِ نظر موجود تھے صبح کی نماز پڑھائی، تو ایک صاحب نے کہا کہ موسیقی کے قاعدہ سے آپ کی قرأت مین بھیروین کی کیفیت تھی، جو صبح کی ایک سہانی راگنی کا نام ہے،

مولانا کی قرأت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس مین مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی، لیکن لہجہ مین عام قاریون کی طرح بناوٹ نہ تھی، اور نہ تحسین آواز کے لئے تبکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسبِ موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور تاثیر مین ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد،

۱- تجوید و قرأت و متعلقاتِ علوم قرآنی

علوم القرآن مین سے یہ پہلا فن ہے، مولانا نے اس فن پر حسب ذیل کتابین تصنیف فرمائین،

۱- جمال القرآن یہ فنِ تجوید کا رسالہ ہے جس مین قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہین، مخارج اور صفاتِ حروف، اظہار و اخفار، ابدال و ادغام و تفخیم و ترقیق و وقف و وصل کے مسائل درج فرمائے ہین،

۲- تجوید القرآن اس مختصر منظوم رسالہ مین بچون کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہین،

۳- رفع الخلاف فی حکم الاوقاف اوقافِ قرآنی کے بارہ مین قاریون مین جو اختلاف ہے اس رسالہ مین اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے،

۴- وجوہ المثانی اس مین قرآن شریف کی مشہور قراءتون کے اختلافات کو قرآن پاک کی سورتون کی ترتیب سے سلیس عربی مین جمع فرمایا ہے اور اخیر مین تجوید و قرأت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہین،

۵- تنشیط الطبع فی اجراء السبع قرأت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے،

۶- زیادات علی کتب الروایات اس مین قرأت کی غیر مشہور روایتون کی سندین ہین، یہ وجوہ المثانی کے اخیر مین بطور ضمیمہ ہے،

۷- ذنابات لما فی الزیادات یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے،

۸- یادگار حق القرآن اس مین قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے یہ تجوید القرآن

کا اختصار اور ضمیمہ ہے،

۹۔ متشابہات القرآن لتراویح رمضان قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح مین قرآن سُنانے مین بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہین، اُن سے بچنے کے لئے اس مین چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہین،

۱۰۔ آداب القرآن، قرآن پاک کی تلاوت کے آداب، اور تلاوت کرنے والون کی کوتاہیون کی اصلاح کے لئے ہدایات و تنبیہات ہین،

۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

۱۔ ترجمہ۔ قرآن پاک کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ جس مین زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے، جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہین، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے، اس لئے عام اردو خوانون کے فہم سے باہر ہے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ مین دونون خوبیان یکجا ہین، یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے، اس ترجمہ مین ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے، کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجمون کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والون کو معلوم ہوتے ہین، ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجمون کے پڑھنے سے پیش نہ آئین، اور پھر قرآن پاک کے لفظون سے عدول بھی ہونے نہ پائے اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین مین ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہین، یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے،

۲۔ تفسیر بیان القرآن، یہ بارہ جلدون مین قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے، جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا ہے، اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں، سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ نیچے ف کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر، تفسیر مین روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے، لغات اور نحوی ترکیبون کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک کا

ازالہ کیا گیا ہے، صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں، تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھکر اون میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، ذیل مین اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہین، اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق ومعارف الگ لکھے گئے ہین، ماخذون مین غالبًا سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرہوین صدی کے وسط مین لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور مختلف ومنتشر تحقیقات اس مین یکجا ملجاتی ہین،

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیرین صرف عوام اردو خوانون کے لئے علماء لکھتے ہین، یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انورشاہ صاحب نے اٹھاکر دیکھی تو فرمایا کہ مین سمجھتا تھا کہ اردو مین یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی، مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات وسور کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے، اور اس کا لحاظ اس تفسیر مین بھی کیا گیا ہے، مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے یکسان نہیں، اس لئے وجوہ ربط مین قیاس اور ذوق سے چارہ نہین، اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اسمین اختلاف کی گنجایش ہے، اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال مین سے کسی قول کی ترجیح مین زمانہ کی خصوصیات اور ذوق ووجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے، اس لئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے،

۳- چونکہ مسلمانون پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی، اس لئے وہ ہمیشہ اُن کو گمراہیون سے بچانے مین بجان ودل ساعی رہتے تھے، اردو مین حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع تھے، وہ بالکل کافی تھے، مگر نئے زمانہ مین پہلے سرسید نے بعض تفسیر اور پھر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے، تو انھون نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمے کرین اور اولین توجہ زبان کی طرف رکھین، اور اقوال سلف کی پروا نہ کرین، اس طرز عمل نے علماء کو مضطرب کردیا، اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس کی اصلاح کی جائے، مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت

سے مجبور ہو کر کیا، مگر اسی پر کفایت نہیں کی، بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا، اور اس کے اغلاط پر نشان دیکر ایک رسالہ اوس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا، جس کا نام اصلاح ترجمۂ دہلویہ ہے،

۴- مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا، اور انھوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے، اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیونکہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے، بہرحال مولانا نے اس ترجمہ کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا، جس کا نام اصلاح ترجمۂ حیرت ہے،

۵- بعض معاصر علماء نے اردو مین قرآن شریف پر حواشی لکھے ہین جن مین ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے، اور آیات کو تاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے، اور اس تاویل و اعتبار میں کہیں کہیں حدِ اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھین جن کا نام التقصیر فی التفسیر ہے،

۶- لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدون مین تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے مؤلف کی درخواست پر اُس مین جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان کے نام سے ظاہر فرمائے،

۷- مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیون نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر و تقریر کو ضبط تحریر میں کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہو گیا، اور اس کا نام تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات کھا، مگر چھپا نہین،

۸- رفع البناء فی نفع السماء، اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً کی تفسیر ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہین، یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب مین ہے،

۹- احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث، سورہ بقرہ کی تین آیتون کی تفسیر پر نظر ثانی فرمائی ہے،

۱۰- اعمالِ قرآنی قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگون کے تجربون مین آئے، ان کو بیان کیا گیا ہے،

۱۱- خواص فرقانی، اس کا موضوع بھی وہی ہے، اس کا ایک اور حصہ ہے جس کا نام آثار تبیانی ہے، ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ، گنڈون اور عملیاتِ سفلی سے بچاکر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے، اور اس قسم کے بعض خواص احادیث مین بھی مروی ہین،

۳- علوم القرآن

علوم قرآن کے متعلق مختلف مباحث و مسائل تو مولانا کی ساری تصانیف، مواعظ، ملفوظات اور رسائل مین ملتے ہین، اگر ان کو کوئی یکجا کر دے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے، مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابین تصنیف فرمائی ہین جن مین سے اول سبق الغایات ہے،

اسبق الغایات فی نسق الآیات، یہ قرآن پاک کے آیات و سور کے ربط و نظم پر عربی مین ۱۵۶ صفحوں کی کتاب ہے، جس کو ۱۳۱۶ھ مین ڈھائی مہینون مین تصنیف فرمایا، اس مین مولانا نے سورۂ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تمام سورتون اور ان کی آیتون کے ربط پر کلام فرمایا ہے، اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابو سعود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم سے ماخوذ و مستنبط ہے، جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کر دی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافون کو "قال المسکین" لکھکر بیان فرمایا ہے، یہ حصہ بھی اچھا خاصہ ہے، اور اخیر کی سورتون مین زیادہ تر اضافات ہی ہین، جن مین مؤلف نے ان سورتون کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے، چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہین، اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائین مختلف ہو سکتی ہین، تاہم ان سے مولانا کے ذوقِ قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے،

تفسیر البیان مین بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے،

ذوق ربط آیات مولانا کے ذوق ربط آیات و سور کا حال چونکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم نہین، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے مواعظ مین سے دو قول نقل کر دیئے جائین، جن سے ان کا ذوق اور ان کے بعض اصول ربط

واضح ہو جائین سبیل النجاح ص ۹ مین فرماتے ہین[1]

۸۸- جواب اس شبہہ کا کہ مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع ہین کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہین

"اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مین باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے، اس لئے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہین ہین، اور اس ربط کو ملحوظ فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ترتیب نزول آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور ہے یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے موافق ہوا، کہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہوگئی، پھر دوسرا واقعہ پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہوگئی، وعلیٰ ہذا، تو ترتیب نزول تو حسب واقعات ہے، اگر تلاوت مین بھی یہی ترتیب رہتی، تو واقعی ربط کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن ترتیب تلاوت خود جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے بدل دی یعنی حدیث مین آتا ہے، کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوندی حضورؐ سے یہ کہتے کہ آیت کو مثلاً سورۂ بقرہ کی فلان آیت کے بعد رکھا جاوے، اور اس کو فلان آیت کے بعد، اور اس کو فلان سورۃ کے ساتھ، وعلیٰ ہذا، تو مصحف مین ترتیب آیات، ترتیب نزول پر نہیں، بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے، دونون مین کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونون مین کوئی ربط نہ ہوا تو ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا" (سبیل النجاح ص۹)

پھر اسی کتاب کے ص۶ مین ارشاد ہے[2]

۸۷- قرآن کریم بے ترتیب اور غیر مرتبط کلام نہین ہے

"قرآن میں ہر پہلو کی ایسی رعایت ہے کہ کسی کلام مین ویسی رعایت نہیں ہے" قرآن مین صرف ضابطہ کو پورا نہین کیا گیا، اس مضمون کو آپ سہولت سے یون سمجھیں گے کہ حکام دو قسم کے ہین، ایک وہ جو بعض ضابطہ کے پابند ہین، ضابطہ کی رو سے جو کام اُن پر واجب ہو وہ کر دیا، اور قانون کے موافق رعایا پر احکام لازم کر دیئے، ان کو اس کی ضرورت

[1] منقول از اشرف الجواب بشفاء المرتاب حصہ سوم ص۲۹۶ و ص۲۹۷ سنہ ۵۲ رر ص۲۹۳ تا ص۲۹۶،

نہین کہ دشوار احکام کو قانون سے خارج کرین یا انکے سہل و یا آسان کرنے کی تدبیر بتائین، دوسرے وہ حکام ہین، جن کو رعایا سے محبت ہوتی ہے، اور مخلوق کو راحت پہنچانا چاہتے ہین، اور حتی الامکان قانون میں کوئی دشوار حکم داخل نہین کرتے، اور اگر کسی مصلحت سے کوئی دشوار حکم رکھتے بھی ہین تو رعایا کو اس کے سہل کرنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہن، اور اس تجویز مین ان پر تعب ضرور ہوتا ہے، مگر یہ شفقت پر مبنی ہے، اتنی رعایتین وہی حاکم کرسکتا ہے جس کو رعایا پر شفقت ہو، اسی طرح ایک اور مثال سمجھئے، کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاد ہوتا ہے، اور ایک باپ ہوتا ہے، باپ کی نصیحت مین عام لوگون کی نصیحت سے فرق ہوتا ہے، اُستاذ تو ضابطہ پری کردیتا ہے، مگر باپ ضابطہ پری نہین کرسکتا، وہ نصیحت کرتے ہوے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کرون جو اس کے دل مین گھر کرلے، کیونکہ وہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے بیٹے میں کوئی کمی نہ رہ جائے، اور اگر وہ کوئی مشکل کام بھی بتلاتا ہے، تو اس طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے، جس سے بیٹے کو عمل آسان ہوجاوے، اور ان سب رعایتون کا منشا، وہی شفقت ہے، شفقت ہی کے ساتھ تمام پہلوؤن کی رعایت کیجاسکتی ہے، اور اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت کبھی بے ربط اور بے ترتیب بھی ہوجاتا ہے، مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے، کہ بُری صحبت مین نہیں بیٹھا کرتے، اور اس مضمون پر وہ مفصل گفتگو کررہا ہو، اسی درمیان مین اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے، تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کرکے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے، اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کردے گا، اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو، وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے، بُری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر، مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے، شفقت کا مقتضا یہی ہے، کہ ایک بات کرتے ہوے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے، دوسری بات کو بیچ میں رکھکر پھر پہلی بات کو پورا کرے، یہی راز ہے اس کا کہ خداے تعالیٰ کا کلام ظاہر مین بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے، اس ظاہری بے ربطی کا منشا شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے، کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون

اس میں نہ آسکے، بلکہ وہ ایک نئے مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اگر کسی دوسرے امر پر تنبیہ کی ضرورت دیکھتے ہیں، تو شفقت کی وجہ سے درمیان میں فوراً اس پر بھی تنبیہ فرما دیتے ہیں، اس کے بعد پھر پہلا مضمون شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک آیت مجھے یاد آئی جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے، سورہ قیامۃ میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے، کہ انسان اُس وقت بڑا پریشان ہوگا، اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا، اپنے اعمال پر اُسے اطلاع ہوگی، اُس روز اس کو سب اگلے پچھلے کیے ہوئے کام جتلا دیئے جائیں گے، پھر فرماتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (یعنی انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا، بلکہ اُس دن) انسان اپنے نفس (کے احوال و اعمال) سے خوب واقف ہے، کیونکہ اس وقت حقائق کا انکشاف ضروری ہو جائے گا) اگرچہ وہ (باقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے، جیسے کفار کہیں گے، واللہ ہم تو مشرک نہ تھے، مگر دل میں خود بھی جانیں گے، کہ ہم جھوٹے ہیں، غرض انسان اُس روز اپنے سب احوال کو خوب جانتا ہوگا، اس لئے یہ جتلانا محض قطع جواب اور اتمام حجت اور دھمکی کے لئے ہوگا، نہ کہ یاد دہانی کے لئے،

یہاں تک تو قیامت ہی سے متعلق مضمون ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ اسکا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہوتے ہوئے اس کے یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے، ہمارے ذمہ ہے آپ کے دل میں قرآن کا جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا، تو جب ہم قرآن نازل کریں اس وقت فرشتہ کی قرات کا اتباع کیجئے، پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کر دیں گے، اس کے بعد پھر قیامت کا مضمون ہے، كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ، کہ تم لوگ دنیا کے طالب ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو، پھر فرماتے ہیں وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بعضوں کے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے، الخ تو لا تحرک بہ لسانک سے اوپر بھی قیامت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی اس کا ذکر ہے، اور درمیان میں یہ مضمون ہے، کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے، لوگ اس مقام کے

ربط مین تھک گئے ہین، اور بہت سی توجیہات بیان کی ہین، مگر سب مین تکلف ہے، اور کسی نے خوب کہا ہے، "کلامے کہ محتاجِ یعنی باشد لایعنی است" تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضورؐ کے ساتھ ہے، اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے، کہ اس کلام کا درمیان مین کیا موقع ہے، صاحبو اس کا وہی موقع ہے، جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا، کہ بُری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے، اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا، کہ درمیان مین بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوے دیکھکر کہنے لگا یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہین لیا کرتے، تو ظاہر مین لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے، لیکن جو باپ ہوا ہوگا، وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا، باپ نے فرطِ شفقت سے درمیان کلام مین اس پر بھی تنبیہ کر دی، اسی طرح یہان بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ کہیں یہ آیتین ذہن سے نہ نکل جائین، جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے، تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرطِ شفقت سے اس کا بھی ذکر فرما دیا، کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کرین، یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کرین، قرآن آپ کے دل مین خود بخود محفوظ ہو جائے گا تو اُس مضمون کو درمیان مین ذکر فرمانے کی وجہ فرطِ شفقت ہے، اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اگر یہان بالکل بھی ربط نہ ہوتا تو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی، مگر پھر بھی باوجود اس کے یہان ایک مستقل ربط بھی ہے، اور یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہان ربط کی ضرورت نہ ہو وہان بھی کلام میں ربط موجود ہے"۔ (سبیل النجاح ص ۶)

۲- اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن، مولانا کے چند مواعظ سے اون کے ایک معتقد و خادم نے اون اقتباسات کو یکجا کر دیا ہے جن مین آیاتِ قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہین، افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو کئی حصے اس کے مرتب ہو سکتے تھے،

۳- دلائل القرآن علی مسائل النعمان، مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابو بکر جصاص رازی اور تفسیراتِ احمدیہ ملاجیون

کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے اون آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دین جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر مین یہ خدمت اونھون نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ اون کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائین، چنانچہ مفتی صاحب اس کام مین مصروف ہوگئے، ابھی حال مین جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے، تو خانقاہ امدادیہ مین جا کر خاص اس کام کی تکمیل مین لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس مین اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے، بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آکر قلمبند فرمالیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی، کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام ناتمام رہ گیا، امید ہے کہ مفتی صاحب اس کام کو جاری رکھین گے، اور انشاء اللہ تعالیٰ اتمام کو پہنچائین گے،

مولانا عبد الباری صاحب ندوی کی روایت مین نے سُنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور فقیہانہ دقتِ نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا، کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا، لیکن اب تک اوس حیثیت سے نظر نہین پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے، کہ مولانا سے سُنکر اپنے مستقر پر پہونچ کر اس کو بعینہٖ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی،

۴۔ تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات، تفسیر بیضاوی مین حروفِ مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے، اس رسالہ مین بزبان عربی اس کو آسان کرکے بیان کیا گیا ہے جس سے حروفِ مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے،

۵۔۶، مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہین، اور ان دونون کا تعلق سلوک سے ہے، ایک کا نام مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور دوسرے کا نام تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ ہے، ان

دونون رسالون کا موضوع قرآن پاک کی اُن آیتون کی تفسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مولف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۷ھ میں بھاولپور میں ملا تھا، اس پر مزید اضافہ کرکے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے،

۳ - علوم الحدیث

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کو علوم حدیث میں جو مہارت حاصل تھی، اس کی شہادت ان کے مواعظ و رسائل و تالیفات کے ہزارون صفحات دے رہے ہین، جن مین بے شمار احادیث کے حوالے اشارے اور تلخیصات، ان کے مشکلات کی شرح، ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات و لطائف کا بیان ہے، خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ مین جو زبانی تقریرین ہین برمحل حدیثون کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہ الفاظ مع ان کی تخریجات اور کتابون کے حوالون کے اس کثرت سے ملتے ہین، کہ ان کو دیکھکر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے مین شبہہ نہین ہوسکتا،

اس کے بعد اُن کی اون تصانیف کو لیجئے جو گو فقہ و فتاوی اور احکام و مسائل یا اصلاح رسوم اور سلوک مین ہین، لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، اُن مین احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحت بیان کی تائید و شہادت کے لئے آئے ہین، جو مولف کے علم و معرفت پر دلیل قاطع ہین،

حضرت حکیم الامۃ کو فن سلوک کی تجدید کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابون سے اُن تمام حدیثون کو یکجا فرمایا جن مین اس فن شریف کے مسائل متفرق تھے، اگرچہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابون مین بعض ابواب زہد و رقاق کا تذکرہ کیا ہے تاہم ان کی حیثیت فن کی نہین، قدما مین سے صرف ایک بزرگ حضرت امام عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، جنھون نے کتاب الزہد والرقاق کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ ہیچمدان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے، اس لئے اس کی نسبت کچھ عرض نہین کرسکتا، مگر قیاس یہ ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد و رقاق اور مذمت دنیا

کے مضامین کی احادیث پر مبنی ہوگی،

اہلِ سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہین، اسی لئے علمائے سلوک کو اس فن مین کمزور سمجھا گیا ہے، اور اسی بنا پر اہلِ حدیث و روایت نے یہ بر خود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فنِ سلوک اور اس کے مسائل احادیثِ نبوی سے ثابت نہیں، اور صدیون سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین نے ادھر توجہ فرمائی، اور اس سلسلہ میں کچھ کام انجام دیا، مثلاً امام ابن ابی جمرہ اندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح بہجۃ النفوس کے نام سے لکھی، جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس مین اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح مین سلوک کے مسائل و نکات کی طرف بھی اشارے کرتے جائین،

حضرت حکیم الامۃ نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا، اور حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف کے نام سے دو کتابین تالیف فرمائین،

حقیقۃ الطریقۃ ۱۳۲۷ھ مین تالیف پائی ہے، اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب التکشف بمہمات التصوف کا آخری جزء ہے، اور ساتھ ہی مستقل تصنیف بھی ہے، اس مین تین سو تیس احادیث سے جو عموماً صحاح میں مذکور ہیں سلوک و تصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے، اور اون کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم، مسائل، اقوال، توجیہات، اصلاح اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، یہ اہلِ علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے،

التشرف یہ کتاب چار حصون مین ہے، ان مین اُن احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابون مین یا صوفیہ کے کلام مین آتی ہین، اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فنِ حدیث کے رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان مین دراصل حدیث نہ تھین، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہین تو ان احادیث و آیات اور اُن سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی،

حصہ اول تشرف میں امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام عراقی کی تخریج احیاء العلوم ہے، جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں ہیں جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے، یہ حصہ ۱۳۴۷ھ میں لکھا گیا ہے،

حصہ دوم میں دفتر اول مثنوی مولانا روم اور اسکی شرح کلید مثنوی میں آئی ہوئی احادیث و روایات کی تخریج کی گئی ہے، ان احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام سخاوی کی المقاصد الحسنۃ سے التقاط کی گئی ہے، یہ حصہ ۱۳۴۹ھ میں زیر قلم آیا،

حصہ سوم و چہارم ان دونوں حصوں میں حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابوں کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہے، اُن احادیث کو یکجا کیا ہے جن سے مسائل سلوک مستنبط ہیں، اور ان کو بہ ترتیب حروفِ تہجی ترتیب دیا گیا ہے، ساتھ ہی تحقیقات خاصّہ کا جابجا اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح و تطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا ہے، حصہ سوم صرف الف کی روایتوں پر مشتمل ہے، اور ۱۳۵۱ھ میں ترتیب پایا ہے اور حصہ چہارم میں بقیہ حروف کی روایتیں ہیں، اور وہ محرم ۱۳۵۲ھ میں تکمیل کو پہنچا ہے،

جامع الآثار | حضرات اہلِ حدیث کے اُس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضراتِ حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں، اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی موطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتبِ صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں جن کران احادیث و روایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا جن سے مسائلِ حنفیہ کی تائید ہوتی تھی،

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہلِ حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی سے اس ضرورت کا احساس

بھی پہلے نہین کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن علی ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے آثار السنن کے نام سے کتب حدیث سے التقاط کرکے اس قسم کی حدیثون کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ مین شائع ہوا، علماے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا، یہان تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ مین مدرسۂ امینیہ دہلی مین مدرس تھے، اس کی مدح مین عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے اُن کا یہ کام ناتمام رہا،

احیاء السنن | حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہو گیا،

جامع الآثار | کچھ دنون کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا، اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثون کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہین بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہو گیا، وہ چھپ کر شائع ہو گیا،

تابع الآثار | یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآثار کا ضمیمہ بنایا گیا،

احیاء السنن کا احیاء | ۱۳۳۱ھ مین یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے، کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہین دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھکر کام لیا جائے، چنانچہ مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، انھون نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گذرتے جاتے تھے، اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا، اور اس کا نام دوبارہ احیاء السنن رکھا گیا، تاکہ مرحوم احیاء السنن کی یادگار ہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی، اور اس پر استدراک لکھوانے کا خیال ہوا، اور آیندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا،

الاستدراک الحسن | مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامتہ رحمہ اللہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے احیار السنن کے شائع شدہ حصہ پر دوبارہ نظر کر کے اسکو الاستدراک الحسن کے نام سے شائع کیا گیا،

اعلاء السنن | اس کے بعد احیار السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدین شائع ہو چکی ہین، جن مین مذہب حنفی کی مؤید حدیثون کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہلِ فن کی تحقیقات اوس کے شروح و حواشی مین یکجا کئے گئے ہین، امید ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ابھی اس سلسلہ کو جاری رکھکر بانی اول کے حق مین صدقۂ جاریہ کا باعث بنین گے،

الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ | جمعہ و عیدین کے خطبون مین اس درجہ تکلف و تصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے، کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرز ادا اور مضامین و مطالب کے لحاظ سے عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ کے اسلوب سے ہٹ کر بلغار اور خطبار کے اظہار قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہین حکیم الامتہ کی اصلاحی نظر سے محراب و منبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہین رہا، چنانچہ الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ خطباے مساجد ان مسنون خطبون کو پڑھکر ان تکلفات بارِدہ کے گناہ سے محفوظ رہین،

خطبات الاحکام | جمعہ اور عیدین کے پچاس خطبون کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا، جس مین احادیث و آثار و آیات سے ترغیب و ترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد و اعمال و اخلاق کے مضامین درج فرمائے،

مناجاۃ مقبول | احادیث میں واردشدہ اوراد و اذکار مسنونہ کے لئے حصن حصین و حزب اعظم ملا علی قاری وغیرہ کتابین رواج پذیر ہین، مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہین، حضرت حکیم الامتہ نے عام مسلمانون کے فائدہ کے لئے ان سب سے تلخیص کر کے مناجات مقبول قربات عند اللہ و صلوات الرسول کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے، جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بیحد مقبول ہے،

۵۔ علوم الفقہ

حضرت حکیم الامۃ کو مسائلِ فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا، اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ واساتذۂ کرام سے ورثہ مین ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہین ہوئے تھے، کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے فتوی نویسی کی خدمت لینی شروع کر دی تھی، اگر حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ مین ہزارون مسئلون کے جواب دیئے، ہزارون فتوے اور سیکڑون چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدون مین امداد الفتاوی اور تتمۂ امداد الفتاوی کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان مین کم از کم نہین ملتی، وذالک فضلُ اللہ یُوتیہ مَن یَشاءُ،

حوادث الفتاوی کے نام سے اون فتاوی کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہین، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاوی سے بآسانی حاصل نہین کئے جا سکتے،

بہشتی زیور کی دس جلدین جو گو عورتون کے ضروریات کے لئے ہین، مگر ان مین تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہین، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصطلاحات کے مطابق صرف انہی کتابون سے معلوم ہو سکتے ہین،

ترجیح الراجح، یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین مین تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہان یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ مین حضرت حکیم الامۃ نے اپنے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے جن مین از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات تابعین

وتبع تابعین اور مجتہدین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامۃ رنے زندہ کیا، اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچا یا،

فتاوی اشرفیہ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں،

بہشتی گوہر، بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ،

ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک سینما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے،

۶ - علم کلام

علم کلام وعقائد وتوحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے، جو شائع وذائع ہیں، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کرکے خود چند کتابیں تالیف فرمائیں، اور دوسروں سے ترجمہ کرائیں، مثلاً

اسلام اور سائنس کے نام سے الحصون الحمیدیہ کا مولانا اسحاق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے، اس کے مصنف علامہ جسری ہیں جنھوں نے سلطان عبد الحمید خان کے عہد میں اس کو ملک شام میں تصنیف فرمایا تھا اور نئے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں تاویل فاسد کا دروازہ نہیں کھولا گیا ہے،

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ تین حصوں میں ترتیب پایا ہے جس میں اسلامی احکام و مسائل کے مصالح وحکم بیان کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں نماز وزکوٰۃ، دوسرے میں روزہ عیدین، صدقۂ فطر، قربانی، حج، نکاح وطلاق وغلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں، تیسرے حصہ میں خرید وفروخت ومعاملات، حدود وقصاص فرائض، عذاب قبر اور معاد کے متعلق اسلامی تعلیمات کے مصالح ہیں،

الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ: یہ بھی علم کلام ہی کا باب ہے، اس میں جدید تعلیم یافتہ

اصحاب کے مذہبی خدشوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہین،

اشرف الجواب بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو مواعظ و ملفوظات سے جمع کیا گیا ہے جس مین بہت سے نئے اور پرانے شبہات اور خطرات کے جوابات فراہم کئے گئے ہین،

۷۔ علم سلوک و تصوف

علم سلوک و تصوف روح شریعت کا نام ہے، جس مین اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کیجاتی ہے، قدما رصوفیہ نے اس فن پر جو کتابین لکھی ہین، مثلاً رسالہ قشیریہ امام قشیری، قوت القلوب ابوطالب مکی، کتاب اللمع ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطوسی کتاب الصدق ابوسعید خراز، فتوح الغیب شیخ سہروردی اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی اور متاخرین مین تصانیف امام شعرانی ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے، افسوس ہے کہ مصنوعی اور دوکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا، کہ وہ کبھی تو بدعات کا مجموعہ، بلکہ بطلان وضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، پھر ہندوستان مین ہندوؤن کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس مین بہت سے ایسے مسائل شامل ہوگئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہین، حتی کہ وحدتِ وجود، وحدتِ شہود، لطائف و دوائر کے مباحث و اعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہین، جو یا تو علم کلام و فلسفہ یا اوہام و خیالات و احوال سے وابستہ ہین جن کا تعلق نفسیات سے ہی،

اصل شی جو اخلاص فی الدین، طلب رضا، حصول قرب اور اعمال و اخلاقِ قلب و مقامات ہین، اور جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے تمام تر متروک ہوگیا تھا، صدیون کے بعد حضرت حکیم الاُمتہ کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ مین پیش کیا، اور ہر قسم کے اضافون اور آمیزشون سے پاک کرکے کتاب وسُنت کے نور مین اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا، اور زبان و قلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا، اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیری مین نہین ہے والحمد للہ!

اس سلسلہ مین پہلی چیز قصد السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحون کا مختصر رسالہ ہے لیکن اس کوزہ مین

دریا بند ہے، فنِ سلوک کے وہ تمام حقائق وتعلیمات جو سالہا سال مین معلوم ہو سکے ہین، اور جن کے نہ جاننے سے سالکین وطالبین غلط راستون پر پڑکر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہین، اس مین لکھدیئے گئے ہین، اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل وتکمیل مین عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی ووافی ہو،

جاہل پیرون اور دوکاندار صوفیون نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے، کہ شریعت اور طریقت دو چیزین ہین، اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے، حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنی ہے، حضرت حکیم الامتہ نے تمام عمر لوگون کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل ہی کا نام طریقت ہے، دگر ہیچ، اور یہی خواصِ امت کا مذہب ہے، اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فنِ سلوک سے ناآشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے،

اب تو مے نوشی ہے عینِ شرع بر فتوائے شیخ

اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامتہ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا، اور اس کے متعلق مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ نام دو رسالے تالیف فرمائے ہین، جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائلِ سلوک کی تشریح فرمائی جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنتِ صحیحہ ہے، اور یہ التشرف (۱) بمعرفۃ حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ مین مدون ہین،

اہلِ تحقیق کے لئے اس فنِ شریف پر ایک جامع کتاب التکشف بمہمات التصوف تالیف فرمائی جو پانچ حصون مین منقسم ہے، یہ حقیقتِ طریقت، حقوقِ طریقت، تحقیقِ کرامت اور دیگر مضامینِ تصوف پر مشتمل ہو،

طریق اور سلوک کے اسرار ورموز اس قدر دقیق اور نازک ہین کہ ذرا ان کے سمجھنے مین بے احتیاطی کی جائے تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائین، اس سلسلہ مین حضرت مولانا رومی کی نے کی جو مثنوی معنوی کے نام سے سرود نواز حقیقت ہے خاص اہمیت ہو، اسی لئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس مین رہی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ

رحمۃ اللہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ بھی خاص خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے، چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا، اور منشی رحمت اللہ رعد مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا بحر العلوم کے بعد مثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہیں لکھی گئی،

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مین سے حضرت حکیم الامۃ نے اس مثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور مثنوی کے بیانات کی قرآن و حدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلید مثنوی مین تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبتدی بھی چاہے، تو اس کلید کے ذریعہ سے مثنوی کے خزانہ کو کھول سکتا ہے،

دیوان حافظ کی پرجوش و مرد افگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط نوشون کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، بدگمانون کو تو اس شرابِ معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانون نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

حضرت حکیم الامۃ کی معرفت اس تیز و تند شراب کے "منافع و اثم" سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے عرفانِ حافظ کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی، کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہو گیا،

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

طالبین و سالکین کی تعلیم و تربیت کے لئے تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا، جس مین سالکین کے مشکلاتِ راہ، ذاکرین و شاغلین کے شبہات و خطراتِ راہ کے لیے ہدایات مندرج ہین، یہ کہنا بیجا نہین کہ علوم مکاشفہ و معاملہ کے متعلق کلیات و جزئیات اور احوال شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی

نظیر تصوف کے سارے دفتر مین موجود نہین، ۱۲۷۲ صفحون مین یہ کتاب تمام ہوئی ہے،

ایک دوسرا اہم سلسلہ ملفوظات کا ہے، بزرگون کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہی، یہان تک کہ چشتیہ حضرات مین حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کعکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہین، لیکن افسوس ہے کہ اہلِ شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کرسکے، کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلم بند ہوسکے، وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہین ہین، اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہو کہ لکھنے والون نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیما اثر سے گذرانا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہلِ کمال و اہلِ احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہین کیا جاسکتا، اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لئے بڑی خیر و برکت کی چیزین ہین،

حضرت حکیم الامتہ کے ملفوظات کا سلسلہ تقریبًا ساٹھ مجلدات اور رسائل مین مدوّن ہوا ہے، اور ان مین سے ہر ایک ان کی نظر سے گذران کر چھاپا گیا ہے، اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ نامون سے چھپ کر شائع ہوچکے ہین، ان ملفوظات مین بزرگون کے قصے، سنجیدہ لطیفے، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائلِ فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالبون کی ہدایات و تنبیہات، آداب و اخلاق کے نکات، اصلاحِ نفس و تزکیہ کے مجرّبات وغیرہ اس خوبی و دلچسپی سے درج ہین کہ اہلِ شوق کے دل اور دماغ دونون اس آبِ زلال سے سیراب ہوتے ہین،

۸ - اصلاحیات

حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کا یہ آخری باب ہے، اور خاصہ اہم باب ہے، مسلمانون کی اصلاح کی جو دقیق نظر اُن کو بارگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابون سے بخوبی ہوسکتا ہے، اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچّون، طالب علمون اور عورتون سے لے کر مردون اور علما و فضلا کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے، اور سب کے لئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے،

دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی وغمی کے رسوم اور روزمرہ کی زندگی تک کو محیط ہیں، غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی مین رُخ کرے اُن کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے،

اس سلسلہ مین حضرت کی سب سے اہم چیز **مواعظ** ہین، واعظ تو بحمداللہ زمانۂ خیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیون مین بے شمار گذرے ہون گے، مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ اور ائمۂ سلوک مین حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رح کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہین لیکن یہ ان بزرگون کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہین، اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور مین امتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا، کہ حضرت کے مستفیدین کے دل مین یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے ہین عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر مین لائین، اور حضرت کی نظر سے گذران کر اُن کو دوسرے مسلمانون کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کرین، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، ردِّ بدعات نصائح دلپذیر اور مسلمانون کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہین، اور جن مین حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیون کی بھی کمی نہین مرتب ہوے، اور اکثر شائع ہوئے، اور مسلمانون نے اُن سے فائدے اوٹھائے،

سلسلۂ اصلاح و تربیت مین حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہین، حضرت ان چیزون کی اہمیت کے ساتھ مسلمانون کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہین، بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم مین بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے، حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیون سے بھلا دیا تھا،

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب حیٰوۃ المسلمین ہے جس میں قرآن پاک و احادیث نبویہ کی روشنی مین مسلمانون کی دینی و دنیاوی ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ انھون نے اپنی ساری تصنیفات مین اس کتاب کی تالیف مین جو محنت اٹھائی، وہ کسی مین

نہیں پیش آئی، اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ مین اپنی ساری کتابون مین اس کتاب کو اپنے لئے ذریعۂ نجات گمان کرتا ہون،

اس سلسلہ کی دوسری کتابین اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہین، اور ہر ایک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانون کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی، خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو، اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے، جو ہدایت کی منزل مقصود کی طرف جاتی ہے،

افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمدان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت و عدم صحت کی سبب سے اُس کو اُس طرح پورا نہ کرسکا، تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانون کیلئے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے،

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہین اگر کچھ اثر کرین

خط و کتابت

کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے کی جائے، اور ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل میں دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

تاریخ افکار و سیاسیاتِ اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۶)

اس کے بعد مصنف موصوف نے ان تفسیری روایتون پر تنقید کی ہے، جو ان کے نزدیک اسرائیلی ہین مثلاً اقوام عاد و ثمود، ارم، قصص سلیمانی حضرت سلیمان کیلئے ہوا جن اور پرندون کی تسخیر، ان کے نطق، جن، ملائکہ، شیاطین سحر ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج وغیرہ کی روایات، یہ تنقیدین اور بحثین مصنف کے ذہن و دماغ کا نتیجہ نہین ہین، بلکہ سرسید احمد خان اور مولوی چراغ علی وغیرہ کی کتابون سے ماخوذ ہین جن کے مفصل جوابات بارہا دیئے جا چکے ہین، اور ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے علاوہ ان مین ملائکہ کے سوا اور کسی چیز کا تعلق ارکانِ دین سے نہین ہے، اس لئے ان فرسودہ مباحث مین پڑنا بے کار ہے، اس سلسلہ مین صرف چند باتین کہنی ہین،

بلاشبہہ مذکورۂ بالا امور و مسائل کی بیشتر مروجہ روایات اسرائیلی ہین، اور وہ اتنی کھلی ہوئی ہین کہ انھیں ہر صاحب نظر آسانی کے ساتھ پہچان سکتا ہے، اور محدثین نے خود ان کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے اسلئے ان کو الزام کی صورت مین پیش کرنا صحیح نہین ہے لیکن اس سلسلہ مین اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ گو اسرائیلیات کا بڑا حصہ افسانہ و حکایات پر مشتمل ہے، اور وہ بالاتفاق سب کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے لیکن اس مین گذشتہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتون خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق بعض صحیح روایتین بھی ہین

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہین، اس لئے ان کے ردّ و قبول کا معیار یہ ہے کہ جو روایت سنداً صحیح ہو وہ قابلِ تسلیم ہے ورنہ قابلِ رد، سند کی صحت کی قید سے ان کا بڑا حصہ خود بخود چھٹ جاتا ہے،

لیکن مصنف کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی روایت کی صحت و عدم صحت کا معیار اس کی سند کی کیفیت نہین ہے، بلکہ عقل ہے، یعنی جو واقعہ عام انسانی عقلون یا کم از کم مصنف کی عقل کے خلاف ہو، خواہ سند کے اعتبار سے وہ کیسا ہی ہو، نا قابلِ قبول ہے، احادیث میں تو خیر یہانتک بھی غنیمت تھا، لیکن آیات قرآنی کے معانی اور مفہوم کی تعیین مین بھی اونھون نے یہی معیار مقرر کیا ہے، چنانچہ جس آیت کے ظاہری معنی ان کی محدود عقل مین نہ آسکے، اس کی انھون نے دور از کار تاویلین کی ہین جس کی مثال آیندہ آئیگی،

گو اسلام کا کوئی عقیدہ "عقل مطلق" کے خلاف نہین، لیکن دینی امور مین محدود انسانی عقول کو معیار ماننا ہی سرے سے غلط ہے، اس لئے کہ ہماری عقلین تو محض مادیات کے دائرہ کے اندر تعقل و ادراک کر سکتی ہین، اس کے باہر وہ بے کار محض ہین، مذہب کے مابعد الطبیعی مسائل کو چھوڑیئے سطح زمین کے جو طبیعی قوانین ہین، اور اس مین زندگی بسر کرنے کے لئے جن قوی کی ضرورت ہے، وہ دس پانچ میل فضا کی بلندی مین بالکل بدل جاتے ہین، اور وہان اس زمین کے انسانی قویٰ بالکل بے کار ہو جاتے ہین، اور اس مین زندگی بسر کرنے کے لئے ایک بالکل مختلف قسم کے قوی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی دوسرے کرہ مین زندگی کا امکان ہو یا وہان انسانون سے مشابہ کوئی مخلوق پائی جائے، تو اس کے اعضاء و جوارح اور ادراک و تعقل کے قویٰ اور احساس و ادراک کے وسائل اس دنیا کے انسانون سے بالکل مختلف ہون گے، کہ اس دنیا کے قویٰ دوسرے کرون مین زندگی بسر کرنے کیلئے بالکل بے کار ہو جائیں گے، ایسی حالت مین عقل کو مابعد الطبیعی مسائل مین معیار ماننا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، اسی لئے کلام مجید نے ہدایت کے لئے ایمان بالغیب کو ضروری قرار دیا ہے،

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى	یہ کتاب ایسی ہے جس مین کوئی شبہ نہین، یہ
لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ	ہدایت ہے ان متقیون کے لئے جو غیب کی باتون

وَیُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ، پر یقین رکھتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں،

اسلئے ایمان بالغیب ایمان کا ضروری جزہے، دین کے مابعد الطبیعی اور روحانی مسائل مین عقل و خرد اور علم کی نارسائی اور کور چشمی اتنی ظاہر ہے کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہین، عقل کا کام محض نظریات کی ایجاد، مقدمات کی ترتیب اور ظن و قیاس ہے، اس لئے وہ ذہن و دماغ مین آنیوالے تصورات کا تو ادراک کر سکتی ہے، لیکن روحانی حقائق اور مجردات کا تعقل اس کے بس سے باہر ہے، اس کے لئے وجدانِ سلیم اور ذوق یقین کی ضرورت ہے، عقل و خرد اور علم و استدلال کبھی اسرار دین کے محرم نہین سمجھے گئے،

گر ز استدلال کار دین بُدے فخر رازی رازدار دین بُدے

پائے استدلالیان چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکیں بود

یہ موقع علم و عقل کی نارسائی کی بحث کا نہیں ہے، لیکن مصنف کی تشفی کے لئے اس بارہ مین سر اقبال کے خیالات کو جن کے کلام پر ان کا ایمان ہے، پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، خودی کے بعد اقبال نے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، وہ عقل و علم کی نارسائی اور عشق و دل کی عظمت اور اسکی ہدایت و رہنمائی ہو گو انھون نے عشق و دل کی اصطلاح کو جابجا ایمان و ایقان سے زیادہ وسیع معنون مین بھی استعمال کیا ہے، لیکن اس کا کوئی استعمال قوتِ ایمانی، جذبۂ ایمانی اور حرارتِ ایمانی کے مفہوم اور مقصود سے خالی نہین ہے، جس کی تعبیر اونھون نے عشق و دل سے کی ہے، یہی اصطلاح شرع مین ایمان ہے، انھون نے اس حقیقت کو اپنے کلام مین اس کثرت سے اور اتنے مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے، کہ ان سب کا استقصا مشکل ہے، اس لئے صرف چند مثالین پیش کی جاتی ہین،

عقل اسباب و علل کے پھیر مین مبتلا ہے، اور عشق میدانِ عمل کا چوگان باز ہے، عقل کا سرمایہ شک و تذبذب ہی، اور عشق کا مایۂ خمیر جزم و یقین ہے، عشق سوزِ دل یعنی حرارتِ ایمانی سے زندہ اور شرار لا الٰہ سے تابندہ ہی،

عقل در پیچاک اسباب و علل عشق چوگان باز میدانِ عمل

عقل را سرمایہ از بیم و شک است عشق را جزم و یقین لاینفک است

عشق از سوز دل ما زندہ است از شرار لا الٰہ تابندہ است

علم محض تخمین و ظن ہے، سراپا حجاب ہے، مقام صفات ہے، ابن الکتاب ہے، اور عشق سراپا حضور، تماشاے ذات اور ام الکتاب ہے،

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن

بندۂ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات علم مقام صفات، عشق تماشاے ذات

علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

یہ محض شاعرانہ تخیل اور صوفیانہ نکتہ وری نہیں ہے، بلکہ عین حقیقت ہے، مومن کیلئے سب سے بڑا انعام جمالِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا، لیکن علمی نقطۂ نظر سے رویتِ باری میں طرح طرح کے استحالے ہیں، اسی لئے عقل کے حصہ میں صرف غیاب و جستجو آیا، اور عشق کو حضوری کا درجہ نصیب ہوا،

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

انجامِ خرد ہے بے حضوری ہے فلسفۂ زندگی سے دوری

اسی لئے علم کو حجاب اکبر کہا گیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

آن فروتر رفت تا گوہر رسید آن بگردابے چو خس منزل گرفت

علم کی نگاہ کیف و کم اور ابتدا پر رہتی ہے، اور عشق کی انتہا اور نتیجہ پر،

حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

یہ شعر درحقیقت علم و عقل کی حیرانی اور ان کی بے نتیجہ تحقیق و کاوش اور انجام سے بے خبری اور ایمان کی

حقیقت پسندی اور انجام بینی کی بہترین تمثیل ہے، کائنات کے متعلق علم و سائنس کی ساری تحقیق اب تک اس پر صرف ہوئی ہے، کہ یہ کائنات کس طرح وجود مین آئی اور کن کن مراحل سے گذر کر اس درجہ تک پہنچی لیکن اس کا انجام کیا ہوگا اور اسکے بعد کون سی منزل شروع ہوگی، اس سے اس کو مطلق بحث نہین لیکن ایمان ان لایعنی باتون مین نہین پڑتا، اس کی ساری فکر اور تیاری اس کے لئے ہوتی ہے، کہ اس کے بعد کہان جانا ہے، دنیا کی تخلیق کی سرگذشت کی علمی تحقیق سے چند ذہنی معلومات کے علاوہ انسان کو کیا حاصل ہوا لیکن آیندہ پیش آنے والا مرحلہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس پر انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار ہے اس لئے انسانی فلاح و سعادت کے لئے دنیا کی تخلیق کی سرگذشت مفید و کارآمد اور ضروری ہے، یا اس کے انجام کی فکر اور تیاری،

اس تشریح کو ہمارے موضوع سے چندان تعلق نہین تھا، مذکورۂ بالا شعر پڑھکر بے اختیار یہ چند باتین زبان قلم پر آگئین، ابھی عقل و عشق کے فرقِ مراتب پر گفتگو تھی، کمالِ عشق و مستی یعنی ایمان کامل کا نمونہ ظرفِ حیدر ہے، اور حرف رازی یعنی علم و عقل اس کے زوال کا مظہر ہے،

جمالِ عشق و مستی نے نوازی　　جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر　　زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

عاشقی نام ہے قوتِ ایمانی کا،

عاشقی توحید را بر دل زدن　　وانگہے خود را بہ ہر مشکل زدن

اسی لئے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود مین عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عشق کی بلندی اور عقل کی پستی یہ ہے کہ عشق و ایمان کا مظہر جمالِ مصطفوی صلعم ہے، اور عقل و علم کا مُنتہیٰ بولہبی چون وچرا در جبو دو انکارہ

تازہ مرے ضمیر مین معرکۂ کہن ہوا عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

اب مصنف ان دونون مین سے جس کو چاہین اختیار کر سکتے ہین،

عشق ہی اصل ہے، اسی سے عقل بھی روشنی حاصل کرتی ہے، جو عقل اس روشنی یعنی ایمان سے خالی ہو وہ ہیچ ذنا کارہ ہے، زندگی کی آسودگی ایمان ہی کی حلاوت سے حاصل ہوتی ہے،

عقلے کہ جہان سوز دیک جلوۂ بیباکش از عشق بیاموزد آئینِ جہانتابی

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد از تاب وتبِ رومی تا حیرتِ فارابی

این حرف نشاط آورمی گویم ومی رقصم

از عشق دل آساید با این ہمہ بے تابی

ہمارے فاضل مصنف نے دینی مسائل مین اسی کو رچشم عقل کو رہنما بنایا ہے، اگر وہ محض اپنی خوش فہمی سے اور اپنے اغراض کے لئے کلام اقبال کو موقع بے موقع استعمال نہین کرتے، اور اس کی صداقت پر واقعی ان کا عقیدہ ہے، تو ان کی خدمت مین گذارش ہے،

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہین راہ بر ہو ظن وتخمین تو زبون کارِ حیات

اور

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہین ہے

اس کا منشا یہ نہین ہے کہ دین کے نام سے مذہب مین جو خرافات بھی شامل ہو گئے ہین انکو بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ کلام مجید کی ان آیات مین جو بالکل کھلی ہوئی ہون، اور ان دینی مسائل مین جو غیر مشتبہ طور پر صریحاً ثابت ہین، کسی قسم کی تاویل جائز نہین، خواہ وہ ہماری عقل کے کتنی ہی خلاف کیون نہ ہون، انھین بے چون وچرا تسلیم کر لینا چاہئے، البتہ محتمل المعانی ومختلف الجہات اور مجمل آیات ومسائل مین تاویل کی گنجایش ہے، اس لئے ان تفسیری روایات مین جن کا اثر کلام مجید کے صریح اور کھلے ہوے معنی اور مفہوم پر نہ پڑتا ہو، مصنف کو تنقید کا پورا حق ہے، لیکن صریح آیات کی تاویل افکار اسلامی

کے "مصلح" کے لئے زیبا نہین،

مصنف نے اگرچہ اس بحث کا موضوع اسرائیلیات کو قرار دیا ہے، لیکن اس مین انھون نے بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر کو بھی شامل کر لیا ہے، پہلی شق یعنی اسرائیلی روایات مین بعض روایتین مثلاً عاد و ثمود و آرم، قصص سلیمانی کی غیر قرآنی تفصیلات یقیناً اسرائیلی ہین جنھین کوئی بھی صحیح نہین مانتا، بعض کا تعلق خالص تاریخ سے ہے، مثلاً عاد، ثمود و ارم، ذو القرنین اور یاجوج ماجوج وغیرہ ان مین بھی ایک مورخ اور ماہر اثریات کو بحث و گفتگو کا حق حاصل ہے، اور وہ تاریخی تحقیق کی روشنی مین غیر معتبر تفسیری روایات سے اختلاف کر سکتا ہے، اس لئے ہم ان مسائل کو نظر انداز کرتے ہین، لیکن ملائکہ کا تعلق ارکانِ دین سے ہے، اس مین شک و شبہہ سے وحی الٰہی اور الہامی کتابون کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے، اس لئے ان کے متعلق آیاتِ قرآنی پیش کرنا ضروری ہے،

ملائکہ اور جن کے بارے مین مصنف نے عجیب دو رنگی اختیار کی ہے، ایک طرف تو وہ کلام مجید مین ان دونون کے صریح اور بکثرت تذکرہ کی وجہ سے ان کے وجود سے انکار نہ کر سکے، چنانچہ لکھتے ہین،

"ملائکہ جن اور شیاطین کا وجود مسلمات اسلام مین سے ہے، اور ان تینون مین سے کسی کے وجود کا انکار اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہین رکھتا"۔

لیکن چونکہ ان کا وجود محسوس نہیں ہے، اور مادیات کا ادراک کرنے والی عقل ان کا ادراک نہین کر سکتی، اسلئے پہلے تو انھون نے ان کو قواے مجردہ مانا، چنانچہ ملائکہ کے متعلق فرماتے ہین:۔

"نظام عالم کو چلانے کے لئے مختلف طاقتون اور قوتون کی (energies) ضرورت ہے، انھی قوی کا نام ملائکہ ہے، ملک عربی مین طاقت (انرجی) کو کہتے ہین"۔

لیکن اس پر بھی بس نہیں کیا، اور آخر مین انھین مادی عناصر کے فطری قوی کا درجہ دیدیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"ایک درخت کو اگانے اور پرورش کرنے کے لئے مختلف قوّتوں کی ضرورت ہے، سمندر سے بھاپ بنانے اور آسمان کی فضا میں بادل بنانے کے لئے بے شمار عناصر و قویٰ درکار ہیں، ان قوتوں کا وجود بہرحال ضروری ہے، اسی وجود کا نام بعض مسلم مفکرین کے نزدیک ملک ہے، اسی طرح ناری مخلوق (جن) کے لئے بھی یہ ضروری نہیں، کہ اس کے مادی جسم ہو، اگرچہ خدا میں قدرت ہے کہ وہ ہر وجود کو مادی جسم سے آراستہ کر سکتا ہے، بہرحال جنوں کے وجود حقیقی میں کوئی اختلاف نہیں، (ص۱۶۰)

اس کے بعد اس معنی سے بھی گریز کرتے ہیں :-

"قرآن کریم میں جن متعدد دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے، جہاں اس کے معنی وہ مخلوق ناری نہیں ہیں، جس کا اوپر ذکر گیا، بعض مفسرین کے نزدیک لفظ جن جہاں انس کے مقابلہ میں آیا ہے بالخصوص حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلہ میں جہاں اس لفظ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کے معنی غیر مہذب، دیو، دہاتی پہاڑی کے ہوتے ہیں (ص۱۶۱)

لیکن آگے چل کر یہ تخصیص بھی ختم ہو جاتی ہے، فرماتے ہیں :-

"عرب میں بھی جن مشہور قبیلہ تھا، جو بدوی لوگوں پر مشتمل تھا، .... یہ قبیلہ جنگلوں میں رہتا ہوگا، ..... اس سے ظاہر ہے کہ جنگلوں کے رہنے والے آدمیوں سے منسوب کیا گیا ہے"۔

آخری نتیجہ :- قرآن کریم کی بعض مشہور آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو انسان ہی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، مثلاً

یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ ، اے جن و انس کے گروہ کیا تمھارے پاس تم ہی میں رسول نہیں آئے،

مصنف کے خیالات کی یہ نیرنگی قابل ملاحظہ ہے، کہ پہلے ملائکہ کو ایک مجرد مخلوق مان کر پھر انہیں عناصر کے قویٰ کا قالب دیا، وا جن کو ناری مخلوق تسلیم کرکے مختلف قالب دیتے ہوئے آخر میں انسان بنا دیا، اسلئے کہ

ملائکہ کی تعبیر مادی عناصر سے کرنا نہ صرف اون کا استخفاف ہے، بلکہ قرآن کی صریح مخالفت ہے، مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسانون کی طرح ان کو مادی مخلوق کوئی نہیں مانتا، لیکن ان کے روحانی مخلوق یا کم سے کم روحانی قوت ماننے سے انکار تو آیات قرآنی کا صریح انکار ہے، مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ملک و ملائکہ کوئی مخلوق نہین، بلکہ وہ صرف مختلف مادی عناصر کے امتزاج سے کون و فساد کے عمل کی قوت کا نام ہے، جو ایک خالص، مادی اور غیر شعوری استعداد ہے، اس جدت تفسیر کیلئے جن مسلم مفکرین کا حوالہ مصنف نے دیا ہے، وہ سرسید احمد خان ہین، اسی سے اس تفسیر کی حقیقت ظاہر ہے، بہرحال یہ تفسیر سراسر آیات قرآنی کے خلاف ہے، ملائکہ عناصر کی قوت کون و فساد کا نام نہین، بلکہ وہ اُن سے بلند تر باشعور روحانی قوت ہین، جن کا کام خدا کی تقدیس و تمجید، اس کی خدمت گذاری، اس کے احکام کی بجا آوری، ان کا نفاذ، خدا اور انبیاء و رسل کے درمیان پیامبری، اور کارخانۂ عالم کے نظام کی نگرانی اور اس کا انصرام ہے، کلام مجید مین بیسیون، بلکہ پچاسون مقام پر ان کا اور ان کے ان اوصاف کا ذکر ہے، فرشتے خدا اور اس کے برگزیدہ بندون اور مخلوقات کے درمیان پیامبری اور سفارت کی خدمت انجام دیتے ہین،

الحمد للّٰه فاطر السّمٰوٰت والارض	حمد ہو اس خدا کی جو آسمانون اور زمین کا
جاعل الملٰئكة رسلًا اولی اجنحة	پیدا کرنے والا اور فرشتون کو دو دو تین تین
مثنٰی وثلٰث وربٰع یزید فی الخلق	اور چار چار شہپر بازوٗن والے پیام رسان
ما یشاء ان اللّٰه علی کل شیء قدیر	بنانے والا ہے، وہ پیدایش مین جو چاہے بڑھائے
(فاطر-۱)	وہ ہر چیز پر قادر ہے،
اللّٰه یصطفی من الملٰئکة رسلًا	خدا ہی ہے جو فرشتون اور آدمیون مین
ومن الناس ان اللّٰه سمیع بصیر	سے پیام رسان اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا
یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم	سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور ان کے آگے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ، (حج - ۱۰)

اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کاموں کا مرجع ہے،

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (شوریٰ - ۵)

یا خدا اپنا ایک سفیر بھیجتا ہے تو وہ اس کی اجازت سے جو خدا چاہتا ہے وحی کرتا ہے،

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (نحل - ۱)

خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

بارگاہ ایزدی کے حاضر باش ہیں، اور اس کی تسبیح و حمد اور اہل زمین اور مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، (شوریٰ - ۱)

اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں، ہشیار کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے،

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، (مومن - ۱)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے پاس ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کی بخشائش کی دعا کرتے ہیں،

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ، (زمر - ۸)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطے کئے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد و ثنا میں مصروف ہوں گے،

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا، (فجر - ۱)

ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دیجائیگی، اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے،

خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں،

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ، (قدر - ۱)

اس میں (لیلۃ القدر) فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا، (انفال - ۲)

یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا، کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو،

روح قبض کرتے ہیں،

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ ۱-۱)

کہدو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر موت طاری کرے گا،

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ، (انفال - ۷)

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری کر رہے ہوں،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ، (انعام - ۸)

اور وہ خدا تم پر نگران بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو ہمارے قاصد اسکی عمر پوری کرتے ہیں، اور وہ کمی نہیں کرتے،

انسانوں کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتے ہیں،

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ

بیشک تم پر نگہبان ہیں بزرگ ہیں لکھنے والے ہیں

يَعلمُونَ ماتفعلونَ، (انفطار-۱)	جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں،
مايلفظ مِنْ قولٍ الالدَيه رقيبٌ	کوئی منہ سے بات نہیں نکالتا، لیکن اس کے
عتيد، (ق-۲)	نزدیک ایک نگہبان حاضر ہے،
سَوَآءٌ مِّنكم منْ اسرّالقولَ ومنْ	تم سے کوئی بات چھپا کر کہے یا زور سے کہے
جهرَبه ومنْ هُوَ مستخفٍ بالليل	یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے
وساربٌ بالنهار لهٗ معقبٰت منْ	تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور
بيْن يدَيه ومنْ خلفه يحفظونه	اس کے پیچھے سے خدا کے حکم سے اس کی نگرانی
منْ امرالله، (رعد-۲)	کرتے ہیں،

جنت و دوزخ کے کاروبار کے نگران ہوں گے،

انَّ الذين قالوا ربّنا الله ثمّ	جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے
استقاموا تتنزّل عليهم الملٰئكة	پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے
الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا	اتریں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی
بالجنّة التي كنتم توعدون نحنُ	خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم ہیں
اولياؤكم في الحيٰوة الدّنيا	جو تمھاری پہلی اور اس دوسری زندگی میں تمھارے
وفي الاٰخرة (فصلت-۴)	رفیق ہیں،
وَسيق الذين كفروا الىٰ جهنّم	اور کفر کرنے والے گروہ کے گروہ دوزخ کی
زمرًا حتّى اذا جاءوها فتحت	طرف لیجائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس
ابوابها وقال لهم خزنتها	کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے
الم ياتكم رسل منكم،	جائیں گے، اور اس کے چوکیدار (فرشتے) کہیں گے

(زمر - ۸) کہ کیا تمھارے پاس تمھین مین کے پیغمبر نہین آئے

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، وہ گروہ

الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ در گروہ جنت میں لیجائے جائین گے، یہانتک کہ

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ جب وہ اس کے پاس پہنچین گے، اور اس کے

عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا دروازے کھولے جائین گے، اور اس کے پاسبان

خٰلِدِيْنَ، (فرشتے) کہین گے کہ تم پر سلامتی ہو خوش خوش

(زمر - ۸) ہمیشہ کے لئے جنت مین داخل ہو جاؤ،

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ اور جنتیون پر فرشتے ہر دروازے سے داخل ہوکر

مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ کہین گے، تم پر سلامتی ہو، یہ تمھارے صبر کا بدلہ

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، (رعد - ۳) ہے، یہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے،

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰۗىِٕكَةً (مدثر) اور ہم نے دوزخ کے اہل کار فرشتون ہی کو

دنیا مین نیکوکارون کے لئے بشارت کا پیام لاتے ہین،

وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (هود) اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے

بدکارون کی تباہی کے سامان مہیا کرتے ہین،

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ اونھون نے کہا اے لوط ہم تیرے پروردگار

(هود - ۷) کے بھیجے ہوئے ہین،

حسب ذیل آیات خاص طور سے غور کے لائق ہین:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتون سے

فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً، (بقرہ - ۴) کہ میں ضرور بناؤن گا زمین میں ایک نائب،

تو فرشتون نے اس کے جواب مین عرض کیا،

قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا	فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کرین گے زمین
وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ	مین ایسے لوگون کو جو فساد کرین گے اس مین
وَنُقَدِّسُ لَكَ،	اور خونریزیان کرین گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے
(بقرہ - ۴)	مین آپ کی حمد کی اور تقدیس کرتے رہتے ہین

خلیفہ پیدا کرنے کے بعد بارگاہ ایزدی سے فرشتون کو حکم ہوتا ہے،

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ	پھر ہم نے فرشتون کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ	کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ
السّٰجِدِيْنَ، (اعراف)	کرنے والون مین شامل نہ ہوا،

ایک دوسرے موقع پر ہے،

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ	جب آپ کے رب نے فرشتون سے ارشاد
بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ	فرمایا کہ مین گارے سے ایک انسان بنانے والا
فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ	ہون، جب مین اس کو پورا بنا چکون، اور
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ	اس مین اپنی جان ڈال دون تو تم سب اسکے
اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	روبرو سجدہ مین گر پڑنا، چنانچہ سارے کے
(ص - ۵)	سارے فرشتون نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ
	غرور مین آگیا، اور کافرون مین سے ہوگیا

فرشتون مین انسانون کی طرح افراد ہین جنھین خدا باطل قوتون کے مقابلہ مین پیغمبرون کی مدد کے لئے مامور فرماتا ہے،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ	اور جب آپ مسلمانون سے یون فرما رہے تھے
يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ	کہ تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب تمھاری
الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ	مدد کرے تین ہزار فرشتون سے جو اتارے
تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ	جاوین گے، ہان کیون نہین اگر مستقل رہوگے
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچین گے تو
مُسَوِّمِيْنَ،	تمھارا رب تمھاری امداد فرمائے گا، پانچ ہزار
(آل عمران - ۱۳)	فرشتون سے جو ایک خاص وضع بنائے ہونگے

یہ اور اس قسم کی اور بہت سی آیات ہین جن سے فرشتون کی حقیقت، ان کی جنس اور ان کے کامون پر روشنی پڑتی ہے، کیا ان صریح آیات کے بعد یہ کہنے کی گنجایش باقی ہے کہ فرشتے محض عناصر کے فطری قویٰ کا نام ہے،

اسی طریقہ سے جن کی تفسیر بدوون، پہاڑی اور جنگلی انسانون سے بھی سرسید احمد خان کی رہین منت ہے، جو ملائکہ کی تفسیر کی طرح بالکل غلط اور آیاتِ قرآنی کے یکسر خلاف ہے، جن اور اجنہ سے مراد بدوی اور جنگلی انسان نہین، بلکہ انسان کی طرح اور اس کے مقابل مستقل ایک مخلوق ہے، کلام مجید مین ایک سے زیادہ مقامون پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ	انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ	کی طرح بجتی تھی، اور جنات کو خالص آگ
(رحمٰن - ۷)	سے پیدا کیا،

اس لئے دو مختلف بلکہ متضاد عناصر سے ترکیب پانے والی مخلوق ایک کس طرح ہو سکتی ہے، کلام مجید کی آیتون کے انکار سے بچنے کے لئے یہ پہلو اختیار کرنا کہ اس آیت مین تو جن سے جن ہی مراد ہے، لیکن اس کے علاوہ

اور جہان کہین جن کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ناری مخلوق نہین ہے، بلکہ پہاڑی اور جنگلی انسان مراد ہین، آخر کس اصول پر، اس اختلافِ معانی کے لئے کوئی قرینہ ہونا چاہئے یا محض اس لئے کہ اور مقامون پر جہان جن سے جن مراد لینے مین عقلی استبعاد نظر آتا ہے، اس سے مراد پہاڑی اور جنگلی انسان لئے جائین، اس سے انکار نہین کہ عربی مین اس اطلاق کی بھی بعض مثالین ملجائین گی، لیکن اس کی حیثیت تشبیہ و مجاز کی ہے، دوسری زبانون مین بھی مجاز اور تشبیہ کے طور پر وحشی انسانون کو جن سے تعبیر کرتے ہین، خود اردو مین لیکن اس مجاز اور تشبیہ کو حقیقت پر تو کوئی محمول نہین کرتا، اگر کسی بہادر انسان کو شیر یا احمق آدمی کو گدہا کہا جائے، تو کیا اس سے حقیقۃً انسان شیر اور گدہا بن جائے گا، پھر یہ تو ہر زبان کا ایک کھلا ہوا اصول ہے، کہ کسی زبان کے کسی لفظ کے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر بغیر کسی قرینہ کے مجازی معنی مراد نہین لئے جا سکتے، اس لئے وحشی انسانون کی جن سے تعبیر کے لئے کوئی قرینہ چاہئے،

مصنف نے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ سے یہ استدلال کیا ہے، کہ اونھون نے پہلے یہ فرض کر لیا ہے کہ جنون کے پاس رسول نہین بھیجے گئے، کیونکہ قرآن مین ان کا کوئی ذکر نہین ہے، اس لئے ان سے خطاب بے معنی ہوگا، اس لئے جن سے مراد بدوی یا جنگلی انسان ہین، لیکن یہ استدلال سراسر لغو ہے، مصنف نے جس خود ساختہ مقدمہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے، وہی غلط ہے، اس لئے نتیجہ بھی غلط ہے، اجنہ مین انبیاء کی بعثت خود اسی آیۃ سے ثابت ہے، یہ ضروری نہین کہ قرآن مین اس کی پوری تفصیلات ہون، دنیا مین سیکڑون اقوام کے پاس صدہا انبیاء و رسل آئے، لیکن ان مین سے کلام مجید مین کتنون کا تذکرہ ہے، اجنہ مین بعثت انبیاء کا ذکر گو تفصیلی نہ سہی، مگر اجمالی ایک سے زیادہ مقامون پر موجود ہے، خود اسی آیۃ مین ہے،

پوری آیت یہ ہے،

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ	اے جماعت جنات کی اور انسان کی کیا
رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیَاتِیْ	تمھارے پاس تم ہی مین سے پیغمبر نہین آتے تھے

وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا	اور جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے، اور
قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا وَغَرَّتۡهُمُ	تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے، وہ
الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا	سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر جرم کا اقرار
عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ	کرتے ہیں، اور ان کو دنیوی زندگی نے بھول
(انعام - ۱۶)	میں ڈال رکھا ہے، اور یہ لوگ مقر ہوں گے کہ

یہ آیت جنوں میں پیغمبروں کے آنے کا صریح ثبوت ہے،

کیا قیامت میں بدوؤں اور شہریوں اور جنگلی انسانوں اور مہذب انسانوں سے خطاب الگ الگ ہوگا، اگر ایسا ہے تو پھر انسانوں میں محض دو قسم کی تقسیم کیوں ہو، انسانوں کے اور بہت سے طبقات نکل سکتے ہیں، پھر عربی قاعدہ سے بھی جن و انس کو ایک نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ میں مغائرت ضروری ہے، اس لئے اس آیت میں دونوں ایک ہو ہی نہیں سکتے، پوری سورہ رحمان میں جنوں اور انسانوں سے خطاب ہے، ہر چند آیتوں کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا ٹکڑا ہے، اور ربکما اور تکذبان دونوں میں تثنیہ کی ضمیر ہے، جس سے جن و انس دونوں سے خطاب ہے،

اسی طریقہ سے سورۂ نمل کی ان آیات کی تفسیر میں جن میں "منطق الطیر" کا صریح ذکر ہے، اُن سے متعلق اسرائیلیات کی تنقید نہیں بلکہ دور جدید کے "مفکر مفسرین" کی غلط تاویلات کی سراسر تقلید کی گئی ہے، چنانچہ ان آیات میں،

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا	اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا،
وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ فَضَّلَنَا عَلٰى	ان دونوں نے کہا تمام تعریف اللہ کے لئے
كَثِيۡرٍ مِّنۡ عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ، وَوَرِثَ	سزاوار ہے، جس نے ہم کو اپنے بہت سے
سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	ایمان والے بندوں پر فضیلت دی،

عُلِّمنا منطق الطیر و اوتینا من کلِّ شیئٍ ان ھٰذا لھو الفضل المبین و حُشر لسلیمٰن جنودہ من الجنّ و الانس و الطیر فھم یوزعون، حتّٰی اذا اتوا علیٰ واد النمل قالت نملۃ یاایھا النمل ادخلوا مساکنکم لایحطمنّکم سلیمان و جنودہ و ھم لایشعرون ...... و تفقد الطیر فقال ما لی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین لاعذبنہ عذابًا شدیدًا او لا ذبحنہ او لیاتینی بسلطٰن مبین، (نمل - ۱)

اور داؤد کے قائم مقام سلیمان ہوئے، اور انھون نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندون کی بولی کی تعلیم کی گئی ہے، اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہین، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا صاف صاف فضل ہے، چنانچہ سلیمان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا، ان مین جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی، اور ان کو روکا جاتا تھا، یہان تک کہ وہ چیونٹیون کے ایک میدان مین آئے تو ایک چیونٹی نے کہا، کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخون مین جا گھسو کہیں سلیمان اور انکا لشکر بیخبری مین تمکو نہ کچل ڈالیں ..... اور سلیمان نے پرندون کی حاضری لی تو فرمایا کیا بات ہے کہ مین ہدہد کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہے، مین اسکو سخت سزا دونگا، یا اسکو ذبح کر ڈالونگا، یا وہ میرے سامنے کوئی صاف دلیل لائے،

محض اس بنا پر کہ بقول مصنف چیونٹی کا تکلم کرنا جدید مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کے طرز کے خلاف ہے (ص ۱۰۷) ہدہد اور نمل میں متعارف ہدہد اور چیونٹی بجائے ان کو انسانی قبیلہ قرار دیا گیا ہے، اور طیر کے معنی لشکر کے لئے ہیں، فرماتے ہین :۔

"طیر کے معنی لشکر کے بھی ہیں، اور مولوی چراغ علی کی تحقیق کے مطابق ہداہد جو ہدہد کی جمع ہے، ایک قبیلہ کا نام ہے، .... قدما نے اسکی (نمل) کی تفسیر مین اس لئے غلطی کی کہ وہ ہر لفظ کو براہ راست اس کے معنون مین لیتے تھے، اور قدیم تاریخ اور فن تنقید کا ان مین رواج نہ تھا، چونکہ آیۃ مین نمل کا لفظ ہے، اور اس کے معنی چیونٹی کے ہین اسلئے یحطمنکم کے معنی بجائے "نقصان پہنچانا" "روندنا"

کئے گئے، ان کی تحقیق کے مطابق نمل ایک قبیلہ کا نام تھا"۔

لیکن مصنف نے پوری آیۃ پر غور نہیں کیا، ورنہ وہ ان دوراز کار تاویلوں میں نہ جاتے، یہ دونوں تاویلیں عربی زبان، سیاق کلام اور منشاے قرآنی سب کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو موضع فضل واحسان میں ذکر فرمایا ہے، کہ ہم نے داؤد وسلیمان کو "علم" عطا فرمایا، اس عطیہ کی احسانمندی میں دونوں پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا "فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین" اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی خاص امتیازی فضل تھا، جس کی تصریح خود "منطق الطیر" موجود ہے جو واقعی ایک امتیازی علم یا استعداد ہو، اور اگر طیر سے مراد فوج لی جائے تو فوج کی بولی کا سکھانا کونسا فضل ہے، اور اس کی کون سی خاص بولی ہوتی ہے جس کا اختصاص کے ساتھ ذکر کیا گیا، دوسرے کلام مجید میں "وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ" ہے، اگر "طیر" کے معنی فوج کے لئے جائیں تو جنود وہ بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتا ہے، "اور جنودہ" کے بعد "طیر" کی ضرورت ہی نہیں رہتی، پھر جن وانس کا مقابل "طیر" بمعنی پرندہ ہو سکتا ہے، نہ کہ فوج، دوسرے طیر کے معنی سرے سے لشکر کے ہی نہیں ہیں، معلوم نہیں مصنف نے کس لغت میں دیکھے ہیں، ممکن ہے ان کو یا ان کے جیسے دوسرے بالغ نظر محققین کو "اسم جمع" کے لفظ سے دھوکا ہوا ہو، کتب لغات میں طیر کی تشریح کے تحت میں اسم جمع کا لفظ ملتا ہے، جو ایک صرفی اصطلاح ہے، ممکن ہے فاضل محققین کا ذہن اسم جمع کی کثرت کے معنی کی طرف منتقل ہوا ہو، پھر اس سے انھوں نے فوج مرتب کر لی ہو، اس لئے جب طیر کے معنی پرندہ کے متعین ہوگئے، تو پھر ہدہد کو قبیلہ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی،

اسی طرح نمل کی تاویل بنی نمل سے کرنا بھی صحیح نہیں، اس سے انکار نہیں کہ اگلے زمانہ میں جانوروں کے ناموں پر انسانی قبائل کے نام ہوتے تھے، خود عرب میں بنی کلب اور بنی اسد موجود تھے، لیکن اس آیت میں "نملۃ" اور "نمل" سے بنی نمل مراد لینا عربی قاعدہ کے خلاف ہے، ایسے موقعوں پر عربی میں قبائل کے افراد کا تذکرہ ہمیشہ نسبت کے ساتھ ہوگا، مثلاً بنی کلب اور بنی اسد کے فرد کے لئے کلبی اور اسدی کہا جائے گا، کلب اور اسد نہ ہوگا اور اس آیت میں "قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰاَیُّھَا النَّمْلُ" ہے یعنی ایک فرد نے اپنی جنس یا قوم سے کہا، اس لئے اگر

بنی نمل مراد ہوتے تو قَالَتْ نَمْلَةٌ کے بجائے قَالَ نَمْلِیٌّ مِنْ نَمْلِیٍّ یا مِنْ قَومِہٖ ہوتا، تانیث نہ ہوتی، اگر کہنے الی عورت ہوتی تو البتہ قالت نملیۃ ہوتا، اس لئے نمل اور نملۃ سے بنی نمل مراد لینا قطع نظر اور باتوں کے عربی قاعدہ کے بھی غلط ہے،

علمائے جغرافیہ نے بھی "وادی النمل" میں بنی نمل کی نہیں، بلکہ چیونٹی ہی کی نسبت مانی ہے، یورپین مورخین اور جغرافیہ نگار بھی چیونٹی ہی کی نسبت مانتے ہیں، چنانچہ جی لی اسٹرینج جغرافیہ فلسطین وشام میں لکھتے ہیں:-

"یہ وادی (وادی النمل) اس چیونٹی کے نام سے موسوم ہے جس نے حضرت سلیمان بن داؤد سے (موعظت آمیز) گفتگو کی تھی[1]"،

مصنف نے اس کتاب میں مختلف موقعوں پر ابن جریر طبری، ابوعبد اللہ قرطبی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر، مولنا قاسم اور شیخ الہند رحمہم اللہ کے ترجموں اور تفسیروں کو معتبر مانا ہے، (ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۴۴، ۱۵۱ و ۱۶۵) اگر ان میں سے کسی نے بھی یہ تاویل کی ہوتی، تو ہم کو اس کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا، ان آیات کی تفسیر سلف سے لیکر خلف تک متفق علیہ چلی آتی ہے، ایسی حالت میں مصنف کے لئے کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی،

گو حق اور انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے کسی حیوان میں عارضی طور سے انسانی نطق پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں، لیکن اگر مصنف کے نزدیک یہ چیز "قرآن کریم کے طرز کے خلاف ہے"، تو وہ مذکورۂ بالا آیات کی ایسی تاویل کر سکتے تھے، جو کلام مجید کے ظاہری الفاظ و معنی کے بھی خلاف نہ ہو، اور جس سے کوئی عقلی استحالہ بھی لازم نہ آئے، ان آیات میں تین چیزوں کا ذکر ہے، طیور کی بولی سمجھنے کا علم، ایک چیونٹی کا دوسری چیونٹیوں کو سلیمانی فوج کے خطرہ سے آگاہ کرنا، اور تسخیر طیور، ان میں سے کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے، حیوانوں میں انسانی نطق عقل کے خلاف ہے لیکن خود ان کی بولیوں سے اُن کے جذبات کو سمجھ لینے میں کوئی عقلی دشواری نہیں ہے، یہ معلوم اور مسلّم ہے، کہ حیوانات مختلف آوازوں یا بولیوں کے ذریعہ بھوک

---

[1] ملاحظہ ہو ترجمۂ اردو جغرافیہ بلاد فلسطین وشام جی لی اسٹرینج ص ۴۴، شائع کردہ دار الترجمہ حیدرآباد،

پیاس، خوشی، مسرت، غم وغصہ، لطف ومحبت، نفرت وکراہت اور خوف وہراس وغیرہ مختلف قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہین جنھین ایک واقف کار آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا ہے۔ اس لئے "منطق الطیر" کے علم سے کونسی خلاف عقل بات لازم آتی ہے، اسی طرح ایک حیوان کے دوسرے حیوانون کو انسانی خطرہ سے آگاہ کرنے مین بھی کوئی عقلی استحالہ نہین ہے، بلکہ یہ تو روزانہ کا مشاہدہ ہے، اور جدید تحقیقات کے مطابق تو چیونٹیون اور شہد کی مکھیون کا اجتماعی نظام تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ ان کے متعلق محض خطرہ سے آگاہ کرنا ایک معمولی سی بات ہے، رہا کی جانب قول کی نسبت تو کلام مجید مین عمل یا صورت حال کے لئے "قول" کے استعمال کی بہت سی مثالین ملتی ہین؛ طیور اور حیوانون کی تسخیر بھی روزانہ کا مشاہدہ ہے، انسان تو وحشی حیوانون کو ایسا مسخر کر لیتا ہے، کہ وہ انسانون سے زیادہ مطیع ومنقاد ہو جاتے ہین، رہا یہ امر کہ اس تاویل سے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی امتیاز باقی نہین رہ جاتا، تو اس مین شبہہ نہین کہ معجزانہ امتیاز نہین رہجاتا، لیکن اس کے امتیاز ہونے سے پھر بھی انکار نہین کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہر انسان مین یہ صلاحیت واستعداد نہین ہوتی اسلئے کسی ایک انسان مین اسکا پایا جانا یقیناً ایک امتیازی کمال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا، لیکن یہ تاویل مصنف کی تشفی کے لئے ہے، ورنہ خدا تو انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے شجر وحجر مین نطق پیدا کر سکتا ہے،

ایک طرف تو مصنف کو فہم قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تیرہ سو برس کی ساری تفسیرون کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہین، دوسری طرف ان کی قرآن فہمی کا یہ حال ہے کہ وہ عربی کے معمولی اور کلام مجید کے نہایت کھلے ہوئے الفاظ کے معنی تک نہین سمجھتے، ان کی قرآن فہمی کا ایک دلچسپ نمونہ کلام مجید کی اس آیت "مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات" میں سائحات کا ترجمہ "سیاحت مین سرگرم" ہے اور اس پر یہ طومار کھڑا کیا ہے:

"قرآن مجید کا انقلاب کس قدر حیرت انگیز تھا کہ وہی عورتین جو کبھی اپنے مردون سے زیادہ جاہل تھین، اب قرآن مجید مین "مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات" کے اوصاف سے مومن ہین، یعنی اللہ کی فرمانبردار، برائیون سے پرہیز کرنے والیان عبادت گذار اور سیاحت مین سرگرم

اس ترجمہ کی تصدیق اس سے کی گئی ہو کہ "روایت سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام اور خود رسول کریمؐ کی ازواج مطہرات بھی میدان جہاد مین نکلتی تھین، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھین، اس لئے ان کو سائحات سے پکارا گیا ہو"

گویا مجاہدین کی خدمت اور زخمیون کی مرہم پٹی کے لئے عورتون کا نکلنا اور سیر سپاٹا دونوں ایک چیز ہین، اس ترجمہ کی اور خوبیون سے قطع نظر سائحات کا ترجمہ جس کے معنی روزہ رکھنے والیان ہین سیاحت کرنیوالیان خوب کیا گیا ہو، سائح کے معنی روزہ دار کے مفسرین کے طبعزاد نہین ہین، کہ اس میں مصنف کو گفتگو کی گنجایش ہو بلکہ علماے لغت کا اس پر اتفاق ہے، صاحب لسان العرب لکھتے ہین،

السّائحون والسّائحات الصّائمون	یعنی سائحون اور سائحات کے معنی الصائمون
قالَ الزجاج السائحونَ فی قول	ہین زجاج لغوی کا قول ہے کہ اہل تفسیر اور لغت
اهل التفسیر واللغة جمیعًا الصّائمون[۱]	دونون کے نزدیک السائحون کے معنی الصائمون ہین

راغب اصفہانی نے بھی مفردات مین یہی معنی لکھے ہین[۲]، ان کے علاوہ خلف سے لیکر سلف تک تمام مترجمین، مفسرین اور علماے لغت کا اس پر اتفاق ہو،

لیکن مصنف السائحات کا ترجمہ سیاحت کرنے والیان کرنے میں معذور بھی ہین، عربی وہ جانتے نہین، اردو کی مدد سے تفسیر و ترجمہ کرتے ہین، اس لئے اگر اردو کی سیاحت کو انھون نے سائحات پر چسپان کر دیا تو اس مین ان کا زیادہ تصور نہین،

ان مباحث کے بعد کلام مجید کی تاویل کے حدود اور اس کے فہم و تدبر کے بارہ میں بعض اصولی باتین ہین، گو یہ مسامحات سے خالی نہین، لیکن بڑی حد تک صحیح ہین، اگر ان اصولون کی وہ خود بھی پابندی کرتے تو ان کو صریح آیات میں قرآن کے مفہوم و منشا سے اتنی دور نہ ہٹنا پڑتا، میں نے دور جدید کے مجتہد مفسرین کے اجتہادات کے پیش نظر چند سال ہوئے فہم قرآن کے اصول، شرائط پر معارف مین ایک مفصل مضمون لکھا تھا اس کا مطالعہ

---

[۱] لسان العرب ج ۳ ص ۳۲۳ [۲] ملاحظہ مفردات راغب اصفہانی ص ۲۴۶،

مفسرین جدید کے لئے مفید ہوگا،

تفسیر کی بحث مین مصنف نے بعض اور تاریخی غلطیان یا غلط بیانیان بھی کی ہین، مثلاً علماء و مورخین اسلام کی تاریخ اور طبیعیات سے ناواقفیت کے ثبوت مین لکھتے ہین :-

"حبشیون کے متعلق مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کا رنگ اس لئے سیاہ ہوگیا، کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو بددعا دی تھی، اور اہل حبش ابن نوح کی اولاد سے ہین، اسی بدعا کے اثر سے ان سب کا رنگ کالا ہوگیا"، ابن خلدون نے اس سیاہ رنگی کو طبائع کائنات' ہواؤن اور حرارت کی تاثیرات پر محمول کیا ہے، اور یہی حقیقت ہے"

ہم کو یہ بیان پڑھکر سخت حیرت ہوئی کہ مسعودی جیسے وسیع النظر عالم نے جو تنہا مورخ ہی نہ تھا، بلکہ ہیئت ونجوم اور طبیعیات کا بھی فاضل تھا، کس طرح ایسی لغو بات لکھدی، اس کی کتابون مین تلاش کیا، تو حیرت مصنف کی ناواقفیت اور لاعلمی مین منتقل ہوگئی، مسعودی نے حبشیون کے رنگ کی سیاہی کے بارہ مین وہی لکھا ہے جو ایک مورخ اور ہیئت وطبیعیات کے عالم کو لکھنا چاہئے تھا، چنانچہ کتاب التنبیہ والاشراف مین وہ معمورۂ ارض کی طبعی حالت اور اس کی آبادی پر اس کے اثرات کے سلسلہ مین حبشیون کے متعلق لکھتا ہے :

"ربع جنوبی کے باشندے حبشی، زنگی اور وہ تمام قومیں جو خط استوا کے نیچے آفتاب کے مقابل میں بستی ہین، حرارت کی لپٹ اور رطوبت کی کمی کی وجہ سے ان کا رنگ سیاہ، اور ان کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں، اور ان میں وحشت آگئی اور گرم ہواؤن کی لپٹ آب وہوا کے اثر، ان کے رحم مین جنین کی پختگی اور گرم وخشک بخارات کی وجہ سے ان کا رنگ جھلس گیا، بال گھونگھریالے ہوگئے، اس لئے کہ آفتاب کی حرارت سے سیدھے بالون کو جتنی قربت اور دوری ہوگی، اس کے اعتبار سے وہ سکڑین گے، پھر آپس میں مل جائین گے، اور آخر مین گچھا بن جائیں گے"[۱]

---

[۱] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۲۲ مطبوعہ پیرس،

یہ ہے مسعودی کا بیان جس کو مصنف نے بالکل بدل دیا، لیکن اس مین بھی وہ بے قصور ہین، اس لئے کہ ان کو براہ راست مسعودی دیکھنے کا اتفاق کہان ہوا ہوگا، محض سُنی سنائی بات لکھدی، ورنہ اتنی صریح غلطی عمداً نہین کرسکتے تھے، ایک اور مقام پر لکھتے ہین:

"تیسری صدی ہجری مین حلولیت کا عقیدہ مسلمانون کے بڑے طبقہ پر حاوی تھا، ان میں بہت درویش خدا کی روح کی حلولیت کے قائل تھے۔

حلول کا عقیدہ "مسلمانون" کے بڑے طبقہ کیا چھوٹے سے طبقہ مین بھی نہ تھا، بعض غالی شیعی فرقے اپنے آبائی عجمی عقائد کے اثر سے البتہ اپنے ائمہ مین حلول کے قائل تھے، ان کے اثر سے بعض اور فرقون مین بھی اس قسم کے عقائد پھیلے، مثلاً رزامیہ، مقنعیہ، حلمانیہ اور حلاجیہ، ابومسلم خراسانی، مقنع، ابو حلمان دمشقی، اور منصور حلاج مین حلول کے قائل تھے، لیکن یہ محض برائے نام فرقے تھے، ان کی جماعت بہت مختصر تھی، اور جلد ہی ختم بھی ہوگئے، اسی لئے صرف تاریخون مین ان کے نام ملتے ہین، امام عبدالقاہر بغدادی نے کتاب الفرق بین الفرق مین بعض کے حالات لکھے ہین،[1] لیکن یہ فرقے کبھی بھی مسلمان نہین سمجھے گئے، حتیٰ کہ شیعی علما تک نے حلول کے قائل شیعی فرقون کو خارج از اسلام قرار دیا، نوبختی نے فرق الشیعہ مین ان کی تکفیر کی ہے،[2]

ایسی حالت مین حلول کو مسلمانون کے بڑے طبقہ کا عقیدہ کہنا کہان تک صحیح ہوسکتا ہے، (باقی)

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۳۹ تا ۲۵۰ [2] ملاحظہ ہو فرق الشیعہ ابو محمد حسن بن موسی نوبختی

حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدیقی استاذ جامعہ عثمانیہ

مملکت آصفیہ کی موجودہ درسگاہون مین سب سے قدیم سرکاری ادارہ دارالعلوم ہے جس کے قیام پر سنہ ۱۳۶۲ھ مین نوے سال گذر چکے، یہ درس گاہ ملک کے نظام تعلیم کا مرکز رہی ہے، اور اسی کے حصہ اعلیٰ نے پچیس ۲۵ سال ہوے جامعہ عثمانیہ کا قالب اختیار کیا، اور دارالعلوم کالج کو وہان شعبۂ دینیات قرار دیکر اوّلاً شعبۂ فنون کا اور پھر رفتہ رفتہ سائنس، انجینیری، تعلیم المعلمین، طب، کلکاری وغیرہ کا اضافہ عمل مین آتا رہا،

شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ جو بجا طور پر اپنے آپ کو جامعۂ عثمانیہ کے سب سے قدیم اور سب سے اہم جزء کا نام لیوا سمجھتے ہین، ہر سال اپنی درسگاہ کا یوم تاسیس مناتے ہین، سال حال کی تعطیلات عیدالاضحیٰ مین طلبۂ قدیم وجدید نے اہل ملک کی ہمدردی واشتراک عمل سے اپنی درسگاہ کا نودسالہ جشن بڑی شان سے منایا، اس کا مختصر تذکرہ ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جاتا ہے،

خانوادۂ آصفی کو تعلیم سے جو خصوصی دلچسپی ہے اس کا مظاہرہ اس جشن مین اس طرح ہوا کہ سلطان العلوم آصف جاہ سابع نے اپنے بھائی شہزادہ بسالت جاہ بہادر کو اس امر پر مامور فرمایا کہ جشن دارالعلوم کا افتتاح فرمائین، شہزادۂ موصوف نے علوم اسلامیہ اور ثقافت اسلامیہ کی عالمگیر اہمیت اور اس سے اہل زمانہ کی مجرمانہ غفلت پر پُرزور الفاظ مین توجہ مبذول کرائی، اور فرمایا کہ حیدرآباد جو ہند مین اسلامی تحریکون کا مرکز ہے اس بارے مین جو بھی اقدام کرے، وہ ضروری و بروقت بھی ہے، اور اس کے شایان شان بھی،

اس جشن کے متعدد اجزاء و شعبے تھے :-

۱- خطباتِ علمیہ اس مین تاریخ تعلیم اسلامی، تاریخ دار العلوم، جامعۂ عثمانیہ کے قیام کی اندرونی سرگذشت، شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کی پچیس سالہ کوشش، جدید طرز سے علوم اسلامیہ کی تحقیق و تعلیم وغیرہ شامل تھے، یہیں وزیر تعلیم کی زبانی حکومت آصفی کے اس ارادے کا نیم سرکاری اعلان ہوا کہ جملہ مسلم طلبہ کے لئے عربی لازم کر دینا حکومت کے پیش نظر ہے،

۲- محفل عربی ایک خصوصی نشست مین صرف عربی تقریرون، مقالون اور نظمون کا انتظام کیا گیا تھا، جو انتہائی کامیاب رہا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ نئی پود مین بھی بحمد اللہ عربی تعلیم کافی پائی جاتی ہے،

۳- مظاہرۂ تجوید کی خصوصی نشست، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانون مین اپنے اس خاص فن کا ذوق روز افزون ہے، فن تجوید پر بعض دلچسپ مقالون کے ضمن مین قرأتون کے مختلف اقسام کے عملی مظاہرے بھی کئے گئے، مثلاً قراءتِ سبعہ، قرآتِ عشرہ وغیرہ،

۴- فارسی مشاعرہ اس مین طرحی مصرع یہ تھا،

این چنین دار العلومے کے دکن پیدا کند

سلطان الشعراء حضرت آصفجاہ سابع نے بھی طرحی مصرع پر ایک غزل سرفراز فرمائی تھی،

۵- فانوسی تقریرون مین ایک تقریر مناظر حجاز و بیت المقدس پر تھی، اور دوسری دکن کی اسلامی تہذیب پر، دونون بڑی سبق آموز اور دلچسپ رہین،

۶- نمائش ثقافت اسلامیہ، یہ نمائش پورے جشن کی جان تھی، صرف ایک ہفتہ کھلی رہنے کے باوجود ہزارہا آدمیون نے اس کا معائنہ کیا، جن مین ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ شامل تھے، آخری دنون مین واقعۃً نمائش گاہ مین تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی، پانچ پانچ ہزار اشخاص روزانہ آتے تھے،

حال مین مدراس کی نمائش کے حالات معارف مین چھپ چکے ہین، حیدرآباد کی نمائش بھی انہی کا نمونہ

کے زیرِ انتظام ہوئی، اس لئے اس کی تکرار کے بجائے اس نقشِ ثانی کی صرف بعض خصوصیتون کا ذکر کیا جاتا ہے،

اس نمایش مین فلکیات کا شعبہ زیادہ مکمل اور دلچسپ تھا، قسم قسم کی دھوپ گھڑیان، دیسی ساخت کی قدیم دورمین جس کی سند سے معلوم ہوتا تھا، کہ نواب آصف الدولہ حکمران اودھ نے کسی کو عطا کی تھی، مختلف نمونون کے اسطرلاب، ربع مجیب، فلکیات مین مسلمانون کی تحقیقاتون کے حالات (مثلاً آفتاب کے داغ، قطرِ زمین کی پیمایش، انعطاف شعاع، مد و جزر کے وجوہ وغیرہ) جلی خط مین نمایان کئے گئے تھے، ایک بہت بڑے نقشے مین کرۂ سماوی اور ستارے بنائے گئے تھے، اور ہر ستارے کا عربی اور انگریزی نام بھی لکھا تھا، جس سے معلوم ہوتا تھا، کہ پنچانوے فی صدی نام عربی ہی کے مغربی زبانون مین برقرار ہین صرف تلفظ بگڑ گیا ہے،

جغرافیہ مین ادریسی وغیرہ کے نقشہ ہاے عالم، علم ملاحی مین قسم قسم کے عربی جہازون کے نقشے دلچسپ چیز تھے،

مخطوطات کا شعبہ بہت اہم تھا، نادر کتب مین صحیفۂ ہمام بن منبہ المتوفی ۱۳۱ھ، خاص چیز تھی، اس کے علاوہ انجیل کا عادل شاہی دور کا فارسی ترجمہ جو ایک مسلمان عالم نے کیا تھا، پانچوین صدی ہجری اور اس کے بعد کے لکھے ہوئے نسخے، یاقوت مستعصمی، عماد، میر علی وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین اور قرآن مجید، داراشکوہ و عالمگیر کے مخطوطہ قرآن، حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قرآن کا فوٹو جو ترکی حکومت نے شائع کیا تھا، حافظ ابن حجر وغیرہ مشاہیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں، ابن القیم کی نادر روزگار تالیف احکام اہل الذمہ (جلد اول چھ سو صفحون مین تھی، اس کے اجزاے مابعد کا پتہ نہین)

سکون مین بنی امیہ سے لے کر اب تک کے تقریباً ہر اہم اسلامی حکمران خانوادے کی نمایندگی ہوئی تھی، سبکتگین، بلبن، تغلق، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی، بچۂ سقہ، نادر خان و ظاہر خان نیز مختلف ممالک اسلامی (جاوا، مشرقی افریقہ، زنجبار، مسقط، عمان وغیرہ) وغیرہ وغیرہ کے سکے تھے،

سیرۃ النبی کا شعبہ زیادہ اہم تھا، سوڈیڑھ سو مقامات کے فوٹوون کے ذریعہ ولادت

باسعادت سے وفات تک کے حالات نمایان کئے گئے تھے، اس مین غار حرا، غار ثور، بدر، وطائف، احد و خندق، مناظر حج اور دیار حبیب کے فوٹو تھے،

تاریخ اسلام کے نقشے بھی دلچسپ تھے، عہد نبوی و خلافت راشدہ کے فتوحات کا پانچ رنگی نقشہ عالم، تیرہ سو سالہ فتوحات اسلامی کا دس رنگی نقشہ، دنیا کی موجودہ اسلامی آبادیون کا تفصیلی نقشہ تین رنگون مین مع اعداد و شمار،

اسلحہ کا شعبہ بھی اہم تھا، قسم قسم کی تلوارین، اور دیگر اسلحے جن کے کام و استعمال کا کیا ذکر ان کے نام تک سے اب نئی نسل بے خبر ہو گئی ہے، فاروقی سلاطین کی توپین، اورنگ زیب وغیرہ کی تلوارین، حروب صلیبیہ کے زمانے کی تلوار، بہادر شاہ کی تلوار، آہن ربا، جنبیہ وغیرہ،

تصاویر کے ذخیرہ نے قدیم و جدید استادون کا بڑا جمگھٹا پیدا کر دیا تھا، جو خاص کر دکن کی تاریخی شخصیتون کا مکمل مرقع کہا جا سکتا ہے،

دکن کی ڈیڑھ دو صدی پہلے کی امیرانہ زندگی کے سامان، سنہری قالین، چاندی کی جڑاؤ کرسیان صوفے، میزین وغیرہ،

اس نمایش نے نوجوانون مین ایک لہر دوڑا دی ہے، اور اونھین اپنے گھرون کے سامانون کی اہمیت کی جانب متوجہ کر دیا ہے، کہ وہ کتنے ہی بوسیدہ اور خراب کیون نہ ہون، نہایت قیمتی اور قابل تحفظ ہین،

توقع ہے کہ یہ نمایش ان شاءاللہ جلد ایک معرض ثقافت اسلامیہ کی صورت مین مستقل میوزیم کی حیثیت اختیار کرے گی، جس مین منظم اور باقاعدہ طور سے سامان تیار اور فراہم کر کے جمع کیا جایا کریگا، جو تاریخ و تمدن اسلامی کے لئے ایک درس گاہ بن جائے گا، ابھی تو یہ خانگی کوششین ہین، خدا کرے پروان چڑھین،

خطباتِ علیہ مین مولانا سید سلیمان ندوی کا مقالہ اصول فقہ" پر رکھا گیا تھا، مگر موصوف کی آمد کی تاریخ مین خانگی وجوہ سے تبدیلی ہوگئی، اس مقالہ کو روئداد جشن مین شامل کرنے کی کوشش کیجائے گی، جشن کی طرف سے تذکرۂ دارالعلوم کے نام سے ضخیم کتاب شائع ہوچکی ہے، اور سامانِ نمائش کی مفصل فہرست مشاعرے اور خطبات علیہ کی طباعت کا کام شروع ہوچکا ہے،

آخر مین یہ عرض کرنا ہے کہ برطانوی ہند کی قدیم ترین جامعات کلکتہ مدراس و بمبئی کے قیام سے بھی ایک سال قبل دارالعلوم حیدرآباد کا افتتاح ہوا تھا، اور غالبًا ہندوستان کے غیر سرکاری اسلامی مدارس مین بھی اب کوئی اتنا قدیم موجود نہین ہے، و للہ عاقبۃ الامور،

حیاتِ شبلی حصہ اول

حیات شبلی جس کا مدتون سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہوگئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون، اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اوس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۰۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دارالمصنفین ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے تیرہ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ،

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیے،

منیجر

باب المراسلۃ و المناظرہ

ابن منصور حلاج کو پھانسی نہیں سولی دی گئی ہے!

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

قال الخطیب فی تاریخہ انبأنا ابن الفتح انبأنا محمد بن الحسین سمعت عبداللہ ابن علی سمعت عیسی القصار یقول آخر کلمۃ تکلم بہا الحسین بن منصور عند قتلہ و صلبہ ان قال حسب الواحد افراد الواحد لہ فما سمع بھذہ الکلمۃ احد من المشائخ الا رق و استحسن ھذا الکلام منہ

وفی تاریخ القزوینی فی ذکر البیضا ما نصہ فقال الوزیر للقاضی اکتب انہ زندیق فاخذ خط القاضی و

خطیب نے اپنی تاریخ میں کہا کہ ہمیں خبر دی ابن الفتح نے اوس نے کہا کہ اُس سے کہا محمد بن حسین نے کہ میں نے عبداللہ بن علی سے سُنا کہ وہ کہتا تھا کہ میں نے عیسی القصار کو کہتے ہوے سنا کہ آخری بات جو حسین بن منصور کی زبان سے اس کے قتل اور سولی کے وقت نکلی ہو وہ یہ کہ واحد کے لئے یہ کافی ہے کہ واحد اوسی کے لئے مخصوص ہے، مشائخ میں سے اس جملہ کو جس نے سُنا اس پر رقت طاری ہوئی ؎

اور تاریخ قزوینی میں شہر بیضا کے ذکر میں ہے کہ "پھر وزیر نے قاضی سے کہا کہ لکھو کہ یہ زندیق ہے، پھر اُس نے قاضی کی تحریر کو لے لیا، اور اس کو

؎ تاریخ خطیب ج ۸ ص ۱۲

وبعث الی الخلیفۃ فامر الخلیفۃ بصلبہ	خلیفہ کے پاس بھیجا، چنانچہ خلیفہ نے اوس کو
وفیہ ایضاً فلمّا صلب واحرق اخذ	سولی دینے کا حکم دیا، اور اسی میں ہے جب
الماء فی الزّیادۃ حتّی کاد یغرق	سولی دیدی گئی، اور جسم جلا دیا گیا، (تو دریا
بغداد، الخ،	کا) پانی اس قدر بڑھ گیا، کہ قریب تھا کہ بغداد
(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو القول المنصور ص۱۶۵ و ص۲۰۳)	ڈوب جائے[۱]

پس ستمبر ۴۳ء کے معارف مین جو علمی لطیفہ کے طور پر یہ لکھا گیا ہے کہ ابن منصور کو شعرا نے دار پر چڑھایا، اور دار و رسن کو اس سے جلوہ پہنچایا، یہ لطیفہ درست نہین، تاریخ سے اُس کا مصلوب ہونا ثابت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ایک ہزار ضرب تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا، جب روح پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کرکے دریا مین بہا دیا گیا، امید ہے کہ اشاعت آیندہ میں اس امر کو واضح کر دیا جائے گا، شیخ عطّار نے بھی تذکرۃ الاولیا میں سولی دیئے جانے کا ذکر کیا ہے، مگر شاید آپ اون کو شعرا میں داخل کر دین، اسلئے خطیب و قزوینی ہی کے بیان پر اکتفا کیا گیا،

معارف:۔ افسوس ہے کہ جو روایتین سطور بالا میں نقل کی گئی ہین، اُن سے مولانائے موصوف کے اس قیاس کی تصدیق نہین ہوتی کہ

"اولاً ایک ہزار تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا، جب روح پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کرکے دریا میں بہا دیا گیا"

بلکہ یہ قیاس خطیب کی اس تصریحی روایت کے مخالف ہے کہ

ولمّا بلغ الف سوط قطعت یدہ ثمّ	اور جب ہزار کوڑے پورے ہوگئے تو اس کا
رجلہ ثمّ یدہ ثمّ رجلہ	ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس کا پاؤن، پھر ہاتھ پھر

[۱] ان عربی عبارتون کے ترجمے کی ذمہ داری مراسلہ نگار پر نہین ہے،

حز راسہٗ واحرقت جثتہ، (خطیب ج ۸ ص ۱۴۰) — پاؤں کاٹا گیا، اور اس کا سر کاٹ دیا گیا، اور اس کا دھڑ جلا دیا گیا،

سولی دینے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر درخت میں لٹکانا چاہئے تھا، لیکن جب دونوں ہاتھ پہلے ہی کاٹے جا چکے تھے، تو سولی کا دیا جانا ممکن کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ پھانسی دینے کا، جس کو عربی میں "خنق" کہتے ہیں، اس زمانہ میں رواج نہ تھا، بلکہ کسی مجرم کو مار ڈالنے کے بالعموم یہی دو طریقے رائج تھے، یعنی یا تو قتل کرتے یا سولی دیتے تھے، لیکن اسلامی عہد کے ابتدائی دور میں سولی دینے کا رواج بھی عموماً نہ تھا، بلکہ بہت ہی اہم موقعوں پر اسی طرح ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے، پھر عبرت و سبق آموزی کے لئے سر کو تن سے جدا کر کے کسی شاہراہ عام یا فصیل کی برج یا قلعہ کے پھاٹک پر لٹکا دیتے تھے، اور یہی صورت منصور حلاج کے ساتھ پیش آئی، چنانچہ حجاج نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو شہید کرنے، اور سر کو عبد الملک کے پاس بھیج دینے کے بعد ان کی لاش شارع عام پر لٹکوا دی تھی، ابن اثیر میں ہے :-

وَبعث الحجاج براسہ ۔۔۔۔۔ الی عبد الملک بن مروان وَاَخذ جثتہ فصلبہا، (جلد ۴ ص ۲۹) — اور حجاج نے ان کے سر کو ۔۔۔۔۔ عبد الملک ابن مروان کو پاس بھیجا، اور ان کے دھڑ کو لیا، اور اس کو لٹکا دیا،

لے مولانائے موصوف نے معارف کے عنوان "کیا منصور حلاج کو پھانسی دی گئی"، (مطبوعہ ستمبر ۴۳ء) پر اپنے مراسلہ کا عنوان "پھانسی نہیں سولی دی گئی" قائم فرمایا ہے، لیکن اردو میں پھانسی اور سولی دونوں مترادف و ہم معنی الفاظ ہیں، ملاحظہ ہو نور اللغات (ج ۳ ص ۴۸۰) سولی : پھانسی، سولی چڑھانا : پھانسی دینا، دار پر کھینچنا سولی چڑھنا : پھانسی پانا، (ج ۲ ص ۱۰۰) پھانسی : پھندا،

(۱) وہ حلقہ جس کے ذریعہ سے آدمی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں،

(۲) وہ ستون اور رسّی کا پھندا جس پر چڑھا کر آدمی کو لٹکا دیتے ہیں،

ورنہ جب "قتل" اور "صلب" مار ڈالنے کے دو علٰحدہ علٰحدہ طریقے ہیں، تو کسی کو مار ڈالنے کے لئے ان میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو اختیار کیا جا سکتا تھا، خصوصاً جب حلاج کے ہاتھ کاٹے جا چکے تھے، تو سولی دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا :-

لان الرجل اذا صلب مدّ یدہ	کیونکہ جب آدمی کو سولی دی جاتی ہے
وباعہ علی الجذع،	تو اس کے ہاتھ اور بازو (سولی کی) لکڑی
(لسان العرب ج ۲ ص ۱۷)	پر پھیلائے جاتے ہیں،

اس لئے مولانائے موصوف نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں "عند قتلہ وصلبہ" کے معنی عند قتلہ وتعلیقہ کے ہیں، کیونکہ

الصلب هو تعلیق الانسان للقتل	"صلب" کے معنی انسان کو مار ڈالنے کے لئے
(مفردات راغب ص ۲۵۶)	لٹکانے کے ہیں،

اس لئے قتل کے بعد صلب سے مراد اس کے سر کو بغداد کے پل پر لٹکائے جانے سے ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ قتل کئے جانے کے بعد دو دن تک اس کا سر بغداد کے پل پر لٹکا رہا، خطیب میں ہے :-

ونصب الراس یومین ببغداد	اور سر دو دن تک بغداد کے پل پر نصب رہا
علی الجسر ثم حمل الی خراسان و	پھر خراسان لیجایا گیا، اور اس کے نواح
طیف بہ فی النواحی (خطیب جلد ۸ ص ۱۴۱)	میں گھمایا گیا،

بلکہ انہی لمحوں کے متعلق جب اس کا سر بغداد کے پل پر لٹکا ہوا تھا، ایک دوسری روایت ہے جس میں اس کے سر کے لٹکے ہونے کی وجہ سے "صلب اور مصلوب" کے الفاظ آئے ہیں :-

یقول لما صلب الحسین بن منصور	جب حسین بن منصور کو چڑھایا گیا، تو میں اس
وقفت علیہ وهو مصلوب فقال۔۔۔ (خطیب)	کے پاس کھڑا تھا، اس حال میں کہ وہ سولی

دراصل یہان بھی "مصلوب" سے مقصود وہی معلق سر ہے، اس موقع پر "صلب" کے معنی "تعلیق" یا "نصب راس" کے جو لئے جارہے ہین، یہ کسی تاویل یا قیاس پر مبنی نہین، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا بدیہی ثبوت حلاج کے معاصر مورخون کے بیانون مین موجود ہے، چنانچہ عریب بن سعد قرطبی کی صلۃ تاریخ طبری مین حلاج کے پیروون کے ذکر میں حسب ذیل صاف وصریح الفاظ موجود ہین :-

من الحوادث (فی سنۃ ۳۱۲ھ) ان نازوک	۳۱۲ھ کے واقعات مین یہ ہے کہ نازوک بغداد
جلس فی مجلس الشرطۃ ببغداد	مین مجلس شرط مین حلاج کے پیروؤن مین سے
فاحضر لہ ثلثۃ نفر من اصحاب الحلاج	تین آدمی اس کے سامنے پیش کئے گئے، وہ
وھو حیدرہ والشعرانی وابن منصور	حیدرہ، شعرانی اور ابن منصور تھے، ان سے
فطالبھم بالرجوع عن مذھب	حلاج کے مذہب سے لوٹ جانے کا مطالبہ
الحلاج فابوا فضربت اعناقھم	کیا گیا، تو انھون نے انکار کیا، چنانچہ ان
ثم صلبھم فی الجانب الشرقی	کی گردنین ماردی گئیں، پھران کو بغداد
من بغداد ووضع رؤسھم علی سور	کے مشرقی جانب سولی پرچڑھا گیا، اوران
السجن فی الجانب الغربی،	کے سرون کو مغربی جانب قیدخانہ کی
(ص ۱۰۷)	فصیل پر لٹکایا گیا،

جو روایت اوپر گذری، اس کے علاوہ اس مین اور دوسری روایتین بھی ہین، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ "عند صلبہ" سے خطیب کی مراد وہی ہے، جو ہم نے بیان کی ہے، ورنہ یہ روایتین اس کے خلاف ہوتی ہین، مثلاً ایک دوسرے موقع پر ہے،

حدثنا عبید اللہ بن احمد بن	عبید اللہ بن عثمان صیرفی نے ہم سے بیان
عثمان الصیرفی قال قال لنا ابو عمر	کیا، کہ ہم سے ابو عمر بن حیویہ نے کہا کہ جب

بن حیویہ لما اخرج حسین الحلاج	حسین حلاج قتل کئے جانے کے لئے نکلا تو مین
لیقتل مضیت فی جملۃ النّاس و	بھی اور لوگوں کی طرح دیکھنے کے لئے گیا، اور
لم ازل ازاحم حتی رایتہ فقال	مجمع میں گھس پل کر اس کو دیکھا، اوس نے اپنے
لاصحابہ: لایھولنکم ھذا فانی	ساتھیوں سے کہا کہ تم اس سے گھبراؤ نہیں
عائد الیکم بعد ثلاثین یومًا ثمّ	میں تیس دن کے بعد پھر تمھارے پاس
قُتِلَ (جلد ۸ ص ۱۳۱)	لوٹ آؤن گا، اسکے بعد قتل کر دیا گیا،

اسی طرح مذکور ہے کہ کوتوال کو ہدایت کی گئی کہ اس کو کوڑے لگانے کے بعد اس کا سر کاٹ کر علیحدہ رکھ لیا جائے، اور پورا دھڑ جلا دیا جائے (تاریخ خطیب ج ۸ ص ۱۴۰)

علاوہ ازین یہ صرف خطیب پر موقوف نہیں بلکہ اس عہد کے اکثر مورخین نے اس کے قتل ہی کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے، اور یہ روایتیں اس حیثیت سے بڑی اہم، مستند اور قابلِ ذکر ہین کہ ان مورخین مین سے بعض حلاج کے معاصر اور بعض اس کے قریب العہد ہین، مثلاً مشہور مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کا معاصرانہ بیان ملاحظہ ہو،

ضرب الف سوطٍ وقطعت یداہ	اس کو ایک ہزار کوڑے مارے گئے، اور
ورجلاہ وضربت عنقہ واحرقت	اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور
جثتہ،	اس کی گردن مار دی گئی، اور اس کے دھڑ
(کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۳۰)	کو جلا دیا گیا،

عریب بن سعد قرطبی کا دوسرا معاصرانہ بیان ہے:-

فامر بقتلہ واحراقہ بالنار بعد	اوس کو ایک ہزار تازیانہ کی سزا دینے، اور
ضربہ الف سوط وقطع یدیہ	ہاتھ پاؤن کاٹنے کے بعد قتل کرنے اور آگ مین

ورجلیہ … فوقع الی صاحب	جلانے کا حکم دیا، …. چنانچہ محمد بن عبد الصمد
شرطتہ محمد بن عبد الصمد بان	کوتوال کے حوالہ کیا گیا، کہ اس کو پل کے میدان
یخرجہ الی رحبۃ الجسر و یضربہ الف	میں لیجائے، اور ایک ہزار کوڑے لگائے اور
سوط ویقطع یدیہ ورجلیہ ففعل	اوس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے، چنانچہ اس کے
ذلک بہ (صلہ تاریخ طبری ص ۱۰۵ ص ۱۰۱)	ساتھ ایسا ہی کیا گیا،

اسی طرح ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ حلاج سے قریب العہد مورخ ہے، اوس نے بھی اپنی الفہرست (ص ۲۷۱) میں جو ۳۷۷ھ میں تصنیف ہوئی، اس کے متعلق "فقتل و احرق" (چنانچہ قتل کیا گیا اور جلایا گیا) ہی لکھا ہے،

پھر اسی طرح ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ کی روایت ہے:-

ضُرب الف سوط ثم قطعت یدہ ثم رجلہ	یہ تینوں بیانات	ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ کاٹا
ثم ضرب عنقہ و احرقت جثتہ ونصب	قتل کے ہیں	گیا، پھر پاؤں کاٹے گئے، پھر اسکی گردن ماری
راسہ علی الجسر (حاشیہ صلہ طبری ص ۹۵)		گئی، اور اوس کا دھڑ جلادیا گیا، اور اس کے سر

ابن جوزی کا بیان ہے:-

فضرب الف سوط ثم قطعت یدہ، ثم	چنانچہ ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ
رجلہ وحز راسہ و احرقت جثتہ،	کاٹا گیا، پھر اوس کا پاؤں کاٹا گیا، اور اس کے
(حاشیہ بر صلہ تاریخ طبری ص ۱۰۶)	سر کو کاٹا گیا، اور جثہ کو جلایا گیا،

اسی طرح متاخر مورخین نے بھی اس کے سولی دیئے جانے کے بجائے اس کے قتل ہی کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو الکامل ابن اثیر ج ۸ ص ۴۹، مرآۃ الجنان یافعی ج ۲ ص ۲۶۰، شذرات الذهب ابن عماد ج ۲ ص ۲۵۵ وغیرہ، ان صاف اور کھلی شہادتوں کی موجودگی میں کسی قیاس کی گنجایش نہیں، اس لئے ان تصریحات کو سامنے رکھکر صحیح طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ حسین بن منصور حلاج کو سولی نہیں دیگئی، بلکہ وہ قتل کیا گیا،

وفیات

سفیرِ غیب

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ التحیۃ والرضوان کی یاد میں)

از

جناب ابوالاسرار صاحب رمزی اٹاوی

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو — اٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریلِ طاعت کو
اسی ماحول میں گم ہوگیا ہنستا ہوا تارہ — سوادِ اعظمِ اسلام کا رخشندہ مہ پارہ
وہ تارا جو رہا ملفوف احرامِ قیادت میں — گذاری جس نے اپنی زندگی اصلاحِ امت میں
بڑھاپے کا تو کیا کہنا مجسم آرزو ہوکر — خدا سے ہوگیا واصل، خدا کی جستجو ہوکر

یہ تیری خانقاہِ پاک، نورِ حق کا مینارہ — حقیقت جس میں روشن ہے تجلی جس میں آوارہ
ابلتا دیکھتا ہوں کوثرِ عرفان کا فوارہ — نظر کو بخشتا ہے دولتِ انوار، نظارہ

یہ تیری سروری ہے جس کو طاقِ معرفت کہئے
یقیناً تربیت گاہِ مذاقِ معرفت کہئے

حکیمِ ایشیا کہئے تجھے یا عارفِ مشرق — عجم سے تاحرم ہر سو ہے تیرا شہرۂ ناطق
تری تقریر کیا ہوتی تھی کشفِ سامعہ کہئے — تجھے اسلام کا اک چلتا پھرتا جامعہ کہئے

وہ دولت لیکے اٹھتے تھے جو تیرا وعظ سنتے تھے بغیر ساز و نغمہ وجد مین سر اپنا دھنتے تھے

اجالا اس طرح کرتا تھا پیدا ذہنِ فاسق مین
سپیدہ جیسے اگتا ہو ریاضِ صبحِ صادق مین

اس امت کے قدم نا رفتنی راہون سے روکے ہین کہ جن راہون میں پوشیدہ جہنم زار ہوتے ہین
دماغِ جہل سے خارج کیا بیہودہ رسمون کو کچل ڈالا تمدن کے شرر انگیز جلوون کو
اٹھا دی یک قلم ملت کی وہ رسمِ زاداری سمجھ رکھا تھا دنیا نے جسے رازِ وفاداری
ممیّز کر دیا ناموسِ اکبر سے زوائد کو روایاتی عناصر، اجنبی باطل عقائد کو

اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پسِ منظر
مکدر ہو چکا تھا روغنِ اوہام سے یکسر
رُخِ اسلام کو حقانیت کی دھوپ میں دیکھا
اُسے تیری بدولت آسمانی روپ مین دیکھا

سبق تو نے دیا ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا خلوص آمیز عظمت اور سنجیدہ محبت کا
دلِ تاریک روشن کر دیئے تیری نگاہون نے درِ توبہ پہ رکھدی اپنی پیشانی گنہگارون نے
سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو
سوادِ آذرستان سے اندھیروں کو مٹا ڈالا صنم زارِ دوآبہ کو خلیلستان بنا ڈالا

نئے فتنے اٹھے اور اٹھ کے تفسیرین بدل ڈالین
مگر تو نے مسلمانون کی تقدیرین بدل ڈالین

سیہ کاری نے جب بھی پاؤن پھیلائے بغاوت کے خدا نے غیب سے بھیجے سفیر اپنی ہدایت کے
چنانچہ حجۃ اللہ بن کے آیا تھا زمانے مین پیامِ رشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانے مین

ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃِ نبوّت سے درخشانی
سلیقہ تیرا قدّوسی، فراست تیری نورانی

تری تہذیب اسلامی، ترا کلچر مسلمانی
ڈسپلن سے ترے اغیار کو ہے سخت حیرانی

سیاست تیری فاروقی، ہدایت تیری لقمانی
ترا کیریکٹر مجموعۂ کردارِ روحانی

محقق، مجتہد، عالم، محدّث، حافظ و قاری
باین اوصاف شہرت سے بری اظہار سے عاری

تواضع، سادگی، مردانگی، زہد و صفا کیشی
محمدؐ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

بچھا ور روح کرتا تھا نشانِ پائے احمدؐ پر
تصوّر اڑتا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر

قدم راہِ نبیؐ میں اور پنجہ نبضِ امت پر
حکیمانہ نظر رہتی تھی بسط و قبضِ امت پر

ترا غیور جذبہ صورتِ فولاد محکم تھا
ترے پیکر میں روشن شعلۂ فاروقِ اعظمؓ تھا

نظر چہرہ سے پڑھ لیتی تھی کیفیاتِ پنہانی
بصیرت کو نظر آتا تھا مدّ و جزرِ انسانی

کمندیں پھینکتی تھیں اہرمن پر تیری تدبیریں
علاجِ معصیت ثابت ہوئیں اکسیر تحریریں

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں تھیں استغنا کی تلواریں

کتابِ زندگی کا ہر ورق تصویرِ سنّت ہے
تری ہر نقل و حرکت نقشۂ تدبیرِ سنّت ہے

شرف تجھ کو ملا بزمِ ولا کی باریابی کا
صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

ترے پہلو میں نفسِ مطمئنہ کھلکھلاتا تھا
یقیں تارِ نفس پر نغمۂ توحید گاتا تھا

دماغ و دل ترے مومن ہی کیا ہرا دا مومن
خدا کے ساتھ تیرا رشتۂ عشق و وفا مومن

تری حاضر جوابی سے ہر اک مسرور ہوتا تھا
ترا سادہ سا فقرہ مصرعۂ منثور ہوتا تھا

بفیضِ پرتوِ امدادِ حق ہر فن مین کامل تھا نہ کیون ہوتا کہ آخر دیدۂ یعقوبؑ کا تِل تھا
تو شاگردِ رشیدؒ ایسا کہ استاذِ زمان نکلا زمینِ ہند کا ذرّہ چراغِ آسمان نکلا
تری تحقیق کے جھنڈے سرِ افلاک لہرائے جہان سائنس کا ذہنِ رسا جانے سے لنگڑائے
کسے گنجایشِ شک ہے مبارک کامرانی ہین کہ اک دنیا سے ہو چھوڑی ہے اس دنیاے فانی مین

ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا
ترا مستقبلِ تابان تجھے آواز دیتا تھا

تو میدانِ صحافت مین بھی سبقت لے گیا سب سے کہ تو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
مقدس اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہین صحیفے تیرے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہین
کسی مین فلسفہ منطق، کسی مین نورِ حکمت ہے ذخیرہ علمِ دین کا، گنجِ اسرارِ نبوّت ہے
ترے حکمت بھرے نسخون سے بوے علم آتی ہے فضاے روح مین جو نور بنکر پھیل جاتی ہے
جنھین پڑھنے سے عقبیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے اسی دار البقا سچے وطن کی یاد آتی ہے
مطالب جن کے قاری کو غذاے فکر دیتے ہین تغافل کیش روحون کو پیامِ ذکر دیتے ہین

کہ جن دل کے میلے آئینے خود دھلتے جاتے ہین
حجابات اٹھتے جاتے ہین، دریچے کھلتے جاتے ہین

مرقع ہے حدیثون کا، الٰہیات کا دفتر ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر
لکھے گا وقت آبِ زر سے تیرے کارنامون کو مسلمان حفظ کرلے کاش ان زرین بیانون کو
نفع اندوزیان بامِ فلک پر چڑھتی جاتی ہین سلام شکر احسانون پہ تیرے پڑھتی جاتی ہین

جو سچ پوچھو جہان مین قطبِ ارشاد و ہدایت تھا
ترے تبلیغ کے ہاتھون مین فانوسِ رسالت تھا

ترسیٹھ[ف] سال تک تو نے ہمیں تبلیغ فرمائی
یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین نے پائی

یہ رمزی بے بصیرت ہو ترے رتبہ کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا، وہ ترے اوصاف پہچانے

یہ خدام شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

جہان سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا

تری تعریف سے تعریف ربانی عبارت ہے
کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ سب اسکی امانت ہے

عقیدت نے جسے لکھا ہو قرطاسِ محبت پر
جسے بے تابیاں پڑھتی ہیں خلوت میں بچشم تر

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

آہ! حکیم الامۃ

از جناب فکر ندوی

ہر اشکِ غم میں شورشِ طوفان ہے آجکل
ماتم یہ کس کا دیدۂ گریان ہے آج کل

کس کے ریاضِ عمر پہ یہ آگئی خزان
بدلا ہوا جو رنگِ گلستان ہے آج کل

مثلِ دلِ فسردۂ عاشق بجھی ہوئی
علم و عمل کی شمعِ فروزان ہے آج کل

اب زہد و اتقار کی وہ رونق نہیں رہی
دنیا کمالِ شرع کی ویران ہے آج کل

یہ جلوہ گر ہے کون بہشتِ نعیم میں
نازان جو اپنے بخت پہ رضوان ہے آج کل

[ف] ممدوح رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۲۰-۱۹ سال میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے، اور بعمر ۸۳ سال واصل بحق ہوئے گویا ترسٹھ سال تک تبلیغِ حق میں مشغول ہوئے جو آنحضرت صلعم کی عمر مبارک ہے،

ہے ہے! کہ اب نہ دل ہے نہ دل کے وہ ولولے — کتنی خلاف گردشِ دوراں ہے آج کل

وہ اٹھ گیا جو پیرِ طریقت نواز تھا
وہ اٹھ گیا کہ جس پہ شریعت کو ناز تھا

اب کس کے آستاں پہ جھکائیں جبینِ شوق — وہ تاجدارِ علمِ شریعت نہیں رہا
کیونکر نہ پاش پاش ہو دل شامِ ہجر میں — وہ آفتابِ زہد و طریقت نہیں رہا
اب کس سے درسِ حکمت و اخلاق لے جہاں — افسوس وہ معلّمِ فطرت نہیں رہا
وہ صاحبِ علومِ حقیقی کہاں گیا؟ — وہ وارثِ رموزِ نبوت نہیں رہا
تھانہ بھون کے گلشنِ علمی میں ہے خزاں — وہ باغبانِ باغِ حقیقت نہیں رہا
کیونکر نہ قوم خاک اُڑائے فراق میں — وہ خضرِ قوم و ہادیِ ملت نہیں رہا

خالی ہے بزمِ انجمن آرا نہیں کوئی
اب طالبانِ حق کا سہارا نہیں کوئی

منزل کے اب نشاں نظر آتے نہیں ہمیں — گم گشتہ راہ قوم کے رہبر کہاں ہے تو
اے آفتابِ مشرقِ دیں تو کہاں گیا؟ — اے اوجِ علم کے مہِ انور کہاں ہے تو
خانہ خراب ہند میں ہے امّتِ رسولؐ — اے ترجمانِ دینِ پیمبرؐ کہاں ہے تو
مضطر ہے دل خدا کی قسم تیری یاد میں — اے وجہِ راحتِ دلِ مضطر کہاں ہے تو
تیری مصنّفات پہ پڑتی ہے جب نگاہ — کہتا ہے دل کہ علم کے سرور کہاں ہے تو
علم و عمل کا پوچھنے والا نہیں کوئی — علم و عمل کے حامی و یاور کہاں ہے تو

آں گل کہ در ریاضِ حقیقت شگفتہ شد
رفت از چمن بگوشۂ تربت نہفتہ شد

تھانہ بھون میں اب وہ تجلی نہیں رہی
محروم جلوہ آہ ہماری نظر ہے آج

جو وجہ افتخار جہان تھا کہاں ہے؟
جس پر کہ ہم کو ناز تھا آتا کدھر ہے آج

دل ہی میں ظلمت غم فرقت نہیں فقط
خود بے چراغ محفل شام و سحر ہے آج

کس کے لئے ہے ملت اسلام سوگوار
تربت پہ کس کی ایک جہاں نوحہ گر ہے آج

تاریک کائنات ہے اپنی نگاہ میں
یعنی فروغ شمس نہ نور قمر ہے آج

ماتم ہے کس کا انجمن علم و فضل میں
دنیائے علم و فضل جو زیر و زبر ہے آج

مائیم سینہ چاک برگ ولی دریغ!
آمد صدائے غیب کہ اشرف علی دریغ!

ہم دل شکستہ بادۂ ہستی میں کیا کریں
یارب ہمارا قافلہ سالار کیا ہوا

اب کون دستگیر ہو اپنا جہان میں
ہم جس کے خوشہ چیں تھے وہ گلزار کیا ہوا

تھانہ بھون کی خاک تجھے بھی خبر ہے کچھ؟
تیرا وہ علم و فضل کا دربار کیا ہوا

تلقین صبر کس کو کرے کون؟ آہ! آہ!
وہ رہنما وہ سید و سردار کیا ہوا

جس کے مصنفات سے دنیا ہے فیض یاب
وہ علم دیں کا محرم اسرار کیا ہوا

درد فراق سے کسی پہلو نہیں قرار
اے فکر وہ سکون دل زار کیا ہوا

تاریک شد بہ منزل آفاق راہ ما
دردا! کہ رفت پیر طریقت پناہ ما

تاریخہائے وفات حکیم الامت حضرت مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب جمیل الرحمن صاحب محمودی سیوہارہ

لما توفی اشرف العلماء
وبکت علیہ الارض مثل سماء

ارّخت حر تجلاً وقلت مبادراً — لفظ "المجدد" مشعر بتقاء

وعلی الوفات تدلّ بالعشرات — ھاقد توفی اشرف العلماء
۶۰ ھ ۱۳

باللہ طیب ثراہ ومثواہ — وفات اھل العلم موت کل العالم
۶۲ ھ ۱۳ — ۶۲ ھ ۱۳

اجل العلماء ثلمۃ فی الدین — رحلت قدوۃ الاصفیاء،
۶۲ ھ ۱۳ — ۶۲ ھ ۱۳

انّ الموت موتہ والمحییٰ محیاہ جزاہ اللہ حسن الجزاء
۶۲ ھ ۱۳

نماند آہ علامہ اشرف علی — مگر ماند ازو ثبت نامِ نکو

زمرگش بملت زیانے رسید — کہ شانِ سلف بود قائم ازو

بمن گفت ہاتف کہ سالِ وفات — نشانِ سلف آہ گم گشتہ، گو
۶۲ ھ ۱۳

وہ اشرفِ یگانۂ دور وقت کے مجدد — غزالیِ زمانہ اور رہنما و مرشد

ہے جن کی زندگی کی تاریخ المجدد — جن کی حیات پر ہے لفظِ امام شاہد
۶۲ — ۶۲

وہ آج ہو چکے ہیں خلد بریں میں آسودہ — سالِ وفات سنئے رخصت ہوئے مجدد
۶۲ ھ ۱۳

سیدی اشرف علی جب عازمِ عقبیٰ ہوئے — مرحبا کی جنت الفردوس سے آئی نوید

غیب سے ملہم ہوئی مجھ پر یہ تاریخ وفات — شیخ اکبر چل دیئے یا چل دیئے گویا جنید
۶۲ ھ ۱۳

علامۂ اشرف علی افسوس رخصت ہو گئے — واللہ سب ہی کچھ تھے وہ (باتتر صدآہ) سب ہی کچھ تھے وہ
۱۹ ۶ ۴۳

ہاتف نے فرمایا کہ لکھ رحلت کا سال عیسوی — علامہ تھے عارف بھی تھے باللہ سب ہی کچھ تھے وہ
۱۹ ۶ ۴۳

آہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی
۶۲ ھ ۱۳

---

۵۱ بحساب عشرات،

۵۲ حدیث مرفوع موت العالم ثلمۃ فی الدین،

مطبوعات جدیدہ

تطہیر القلوب از جناب سید صالح حسین صاحب شوق علیگ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۸، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ :۔ مبارک لین چھپرا صوبہ بہار،

شیعہ اور سنی اختلاف کے نتائج محتاج بیان نہین، اس کا سب سے افسوسناک پہلو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو اسلام کے اساطین اعظم ہیں، طعن وطنز ہے، لائق مصنف کا آبائی مذہب شیعہ تھا، لیکن اونھون نے اپنے مطالعہ اور تحقیق سے سنی مذہب اختیار کرلیا ہے، مشاجرات صحابہ حضرت علی، حضرات شیخین اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات، جنگ جمل وجنگ صفین، اور حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق شیعون کی جانب سے جو اعتراضات اور شکوک وشبہات پیش کئے جاتے ہین، مذکورۂ بالا کتاب مین مصنف نے شیعہ اور سنیون کی معتبر کتابون سے ان کے تشفی بخش جوابات دیئے ہین، یہ جوابات زیادہ تر دار المصنفین کی سیرت عائشہ اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہین، لیکن جابجا مصنف نے خود بھی مفید اضافے کئے ہین اختلافی مسائل کی بحث مین عموماً غیر سنجیدہ مناظرانہ رنگ پیدا ہوجاتا ہے، لیکن اس کتاب کا لب ولہجہ متین اور شایستہ ہے، کاش شیعہ اور سنی اختلافی مسائل کو چھوڑ کر متحد ہوسکتے، اور ان کی قوتین ایک دوسرے کے خلاف اور غیر ضروری مباحث مین صرف ہونے کے بجاے اسلامی مفاد مین صرف ہوتین،

اسٹالن مترجمہ جناب آصف علی صاحب بیرسٹر دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۴۴ صفحے کاغذ وکتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ :۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی اور اسکی شاخین لاہور، لکھنؤ بمبئی نمبر ۳

موجودہ دور کے تمام ڈکٹیٹرون کی سوانحعمریان اردو مین موجود ہین، اسٹالن کے سوانح پر اب تک

کوئی مستقل کتاب نہ تھی، موجودہ جنگ مین اسٹالن کے حیرت انگیز کارنامون کی وجہ سے اس کی اور بھی ضرورت محسوس ہورہی تھی، لائق مترجم نے مشہور انگریز مصنف سٹیفن گریہم کی کتاب اسٹالن کا اردو ترجمہ کرکے اس کمی کو پورا کیا ہے، اسٹالن کے سوانح حیات اوراس کے کارنامے تمامتر انقلابِ روس سے وابستہ ہین، اس لئے اس کتاب میں ۱۹۱۷ئہ سے لیکر ۱۹۳۹ئہ تک انقلاب روس سویٹ حکومت کی تاسیس، اوراس کے مختلف مراحل کی مختصر تاریخ، اور اس انقلاب وتعمیر مین اسٹالن کا جو حصہ رہاہے، اور لینن کے بعد اوس نے جس طرح اپنی مخالف قوتون کا خاتمہ کرکے ڈکٹیٹری حاصل کی ہے، اورسویٹ حکومت نے جو نئے اقتصادی اور صنعتی تجربات کئے ہین ان سب کی پوری سرگذشت آگئی ہے، اس کتاب میں اخلاقی نقطۂ نظر سے اسٹالن کی کوئی اچھی تصویر نہیں پیش کی گئی ہے اور اسے پڑھکر اس کی عظمت کا کوئی اثر دل پر نہیں پڑتا، شاید اس کی وجہ "قلم درکفِ دشمن است" ہو، تاہم اس سے اسٹالن کے کارنامون کا اندازہ ہو جاتا ہے، لائق مترجم کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل چیز ہے، اس مین روس کی قدیم تاریخ کے مختلف دورون، یورپ میں حکومت کے مختلف نظامون اوران کے متعلق عہد بعہد کے مختلف اصلاحی وسیاسی نظریون اوران کے ماتحت ان کے تغیرات وانقلابات اور انقلابِ روس کے عوامل واسباب کی پوری تفصیل ہے،

تنویر صبر، حصہ اوّل، مؤلفہ جناب مولوی سکندر بخت صاحب فاضل، دیوبند تقطیع چھوٹی، ضخامت ۹۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ :۔ غلام دستگیر تاجر کتب، حیدر آباد دکن،

ہونہار مصنف نے اس کتاب میں لغاتِ عرب، آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور اقوالِ صوفیہ کی روشنی میں صبر کے معنی ومفہوم کی تشریح کی ہے، اس کی عظمت واہمیت بتائی ہے، اور اسکے مختلف اقسام بیان کئے ہین، یہ کتاب غالباً انکی پہلی تصنیفی کوشش ہے اسلئے خامیون کا رہ جانا تعجب کی بات نہین، چنانچہ صبر کی بعض تشریحیں بھی محلِ نظر ہین، زبان، عبارت، اور طرزِ تحریر بہت اصلاح کی محتاج ہین، ایسی تصانیف کے لئے بڑی مشق ومہارت اور پختگی کی ضرورت ہے لیکن ان خامیون کے باوجود مصنف کی محنت اور تلاش قابلِ قدر ہے، انھون نے صبر کے متعلق اس کتاب میں بہت سے مفید معلومات جمع کر دیئے ہیں،

نورہدیٰ مؤلفہ جناب مولوی سید ابوالمحفوظ محمد محمود الحسن صاحب شمسی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ شاد بک ڈپو، بیر بھوڑ پٹنہ،

مولوی سید نور الہدیٰ صاحب مرحوم بیرسٹر ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج پٹنہ، بہار کے ایک دیندار مخلص اور دردمند مسلمان تھے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انھوں نے بقیہ عمر مسلمانوں کی خدمت مین بسر کی، ان کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہے، یہ مدرسہ انھوں نے اپنے والد مرحوم سید شمس الہدیٰ کے نام پر اپنے ذاتی صرف سے قائم کیا تھا، اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائداد وقف کر گئے، اب یہ مدرسہ گورنمنٹ بہار کے شعبۂ تعلیم کی نگرانی مین ہے، اور صوبۂ بہار مین عربی تعلیم کا ایک بڑا مرکز ہے، مصنف نے جو اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہین، مذکورۂ بالا کتاب مین بانیٔ مدرسہ کے حالات اور مدرسہ کی تاسیس سے لیکر ۱۹۴۲ء تک اسکی پوری سرگذشت بیان کی ہے، اور کتاب کے آخر مین مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ کے مختصر حالات لکھدیئے ہین، کتاب سبق آموز اور دلچسپ ہے، لیکن زبان نہایت خام ہے، جو غالباً مصنف کی نوآموزی کا نتیجہ ہے،

سچی کہانیان از جناب عندلیب شادانی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد سے ر، پتہ:۔ کتب خانہ علم و ادب، دہلی،

عرصہ ہوا رسالہ ساقی دہلی مین پریم پجاری کے قلم سے سچی کہانیون کا ایک دلچسپ سلسلہ نکلا تھا، جو بہت مقبول ہوا، ہم نے بھی اس کو بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا، افسانون کی دلکشی غمازی کرتی تھی کہ پریم پجاری کے پردہ مین کوئی صاحب مذاق پنہان ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ اس پردہ مین عندلیب کا نغمہ نکلے گا، مذکورہ بالا کتاب انہی پندرہ کہانیون کا مجموعہ ہے، مصنف کے تعارف کی ضرورت نہین، وہ ایک کہنہ مشق ادیب ہین ان کا بیان ہے کہ یہ کہانیان سچی ہین اور اصل واقعات مین بہت کم اضافہ کیا گیا ہے، اگر اون کا یہ بیان صحیح ہے، اور غلط ہونے کی کوئی وجہ نہین، تو ان افسانون کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، یہ صحیح ہے کہ کبھی سچی سرگذشت بھی افسانے سے کم دلچسپ نہین ہوتی، لیکن حقیقت مین فرضی افسانون سے زیادہ لطف و دلآویزی پیدا کردینا

مصنف کے حسنِ انشا، کا کمال ہے، یہ تمام افسانے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہین،

رنگ بست ازجناب نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی تقطیع بڑی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ

کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ :- اردو اکیڈمی لاہور

اردو مین دوسری زبانون کی مشہور اور بلند پایہ نظمون کے منظوم ترجمے کرنا مختلف حیثیتون سے اردو شاعری کے لئے مفید ہے لیکن یہ بڑا کٹھن کام ہے ہر شخص کے بس کی بات نہین اس کے لئے قادر الکلامی کے ساتھ بڑے سلیقہ اور حسن مذاق کی ضرورت ہے، ورنہ منظوم تراجم کی کوشش عموماً نہایت مضحک بن جاتی ہے، جس کی مثالین اردو مین کمیاب نہین، جناب اثر لکھنوی کی قادر الکلامی اور حسن مذاق مسلّم ہے، انھون نے اس مجموعے مین یونانی اطالوی فرانسیسی، انگریزی، سنسکرت، بنگالی، اور عربی زبانون کی اٹھائیس مشہور نظمون کے منظوم ترجمے کئے ہین، الفاظ کی پابندی کے ساتھ منظوم ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے کہ ہر زبان کا انداز بیان اور طریقۂ تعبیر جداگانہ ہوتا ہے اسلئے الفاظ کی پابندی سے زبان کی سلاست مین فرق آجائے گا اگر مفہوم کا بھی پورا ترجمہ ہوجائے تو بھی بڑی کامیابی ہے، اس لحاظ سے یہ ترجمے جناب اثر کی قادر الکلامی کا نمونہ ہین، انھون نے ان کو اس طرح اردو کے قالب مین ڈھال دیا ہے، کہ اگر کہین کہین خیالات غیر زبان کی غمازی نہ کرین تو ترجمہ کا گمان بھی نہیں ہوتا، بیشتر نظموں میں لطف زبان مین بھی فرق نہین آنے پایا ہے، اور بعض ترجمون مین تو ادبی اور شاعرانہ نزاکتین بھی موجود ہین، یہ ترجمے بیشتر انگریزی کے ترجمون سے کئے گئے ہین، اس لئے ممکن ہے، ترجمہ در ترجمہ مین اصل سے کچھ فرق پیدا ہوگیا ہو، لیکن اس کا کوئی ظاہری اثر ان نظمون مین نظر نہین آتا، ان نظمون سے اردو شاعری مین اچھا اضافہ ہوا،

نمود زندگی ازجناب سید علی منظور صاحب حیدرآبادی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- عمر، پتہ :- سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور شاعر ہیں، اردو کے اکثر ادبی رسالون مین ان کا کلام نکلتا رہتا ہی' نمو د زندگی اون کے کلام کا مجموعہ ہے، اس میں مذہب و اخلاق سیاست و قومیات، عرفان و تصوف' حسن وعشق وغیرہ مختلف موضوعون اور جذبات و خیالات پر نظمین ہین، کلام مین تخیل آرائی، اور رنگینی کے بجائے واقعیت اور سادگی بیان زیادہ نمایان ہے، بلکہ یہ دونون اوصاف اون کے کلام کا امتیازی وصف ہین، بعض نظمون مین سادگی اور واقعیت اتنی غالب ہے کہ وہ شاعری کی بہ نسبت واقعہ نگاری سے زیادہ قریب ہو گئی ہین، غزلون کا بھی عموماً یہی رنگ ہے، لیکن کلام میں پختگی ہے،

حالی محب وطن، ازجناب ڈاکٹر ذاکرحسین خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے،

کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت چھ آنے، پتہ :- اردو گھر احمد منزل کلان محل' دہلی،

مولانا حالی کی پیدائش کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر فرمائی تھی، جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، آج کل کے انقلابی رجحانات اور ان کی تنگ نظری نے قوم و وطن کی محبت اور خدمت کے معنی و مفہوم کو بہت محدود کر دیا ہے، اس تحدید کی بنا پر ہمارے بعض وہ پرانے خدام وطن جنھون نے سب سے پہلے حب وطن اور حب قوم کا سبق دیا، اس زمرہ سے خارج تصور کئے جاتے ہیں، فاضل مقرر نے اس تقریر میں اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، اور بتایا ہے کہ قوم اور وطن کی خدمت محض انقلاب کا نعرہ لگا لینے کا نام نہین ہے، اور اوس کے مختلف پہلوؤن اور مختلف حیثیتون کی وضاحت کر کے مولانا کی خدمت وطن کی نوعیت اور اس کی قدر و قیمت دکھائی ہے، اور ان کے کلام سے ان کے حب وطن اور حب قوم کا ثبوت دیا ہے، بعض ایسی مثالین بھی پیش کی ہیں' جو خدمت وطن کے موجودہ معیار پر بھی پوری اترتی ہین، فاضل مقرر کی دوسری تقریرون کی طرح یہ تقریر بھی خیالات کے اعتدال و توازن اور نکتہ وری کا نمونہ ہے،

"م"

جلد ۵۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۴ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان میں اسلام اور اسلامی کلچر کی حفاظت کی مدعی تو بہت سی جماعتیں ہیں، لیکن درحقیقت اس کی حفاظت و پاسبانی کا اصلی فرض عربی مدارس ادا کرتے ہیں، اور آج ہندوستان میں دین و مذہب کا جو چرچا اور اسلامی کلچر کے جو نقوش بھی باقی ہیں وہ انہی کی بدولت ہیں، اسلامی کلچر کے حفاظتی قلعے مسلمانوں کے پر شکوہ ایوان نہیں بلکہ غریبوں کے یہی جھونپڑے ہیں، گو مسلمانوں کی غفلت سے ان مدارس کو دنیادی فراغت و اطمینان کے سامان بہت کم حاصل ہیں لیکن اس حالت میں بھی دین کی خدمت کا سر رشتہ ان سچے خدمتگذاروں کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور وہ صبر و قناعت کے ساتھ برابر اپنا فرض ادا کرتے چلے جاتے ہیں،

ہندوستان میں اگرچہ مذہبی تعلیم کا رواج روز بروز کم ہوتا جاتا ہے لیکن خدا کو ایک جماعت سے دین کی حفاظت کا کام لینا منظور ہے اس لئے دینی تعلیم سے مسلمانوں کی غفلت کے باوجود الحمد للہ عربی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے، ان سب کا مشترکہ مقصد دین اور دینی علوم کی خدمت ہے، لیکن اس اتحاد مقصد کے باوجود ان میں باہم کوئی تنظیم اور اشتراک عمل نہیں ہے جو تعلیمی اور دینی دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے، عموماً ایک مدرسہ کے طلبہ، مدرسین اور منتظمین دوسرے مدارس سے کوئی ربط و علاقہ نہیں رکھتے، بلکہ ایک دوسرے کے حالات تک سے بےخبر ہوتے ہیں، جس سے ان میں اتحاد و یگانگت کے بجائے اجنبیت اور دوری پیدا ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کے تجربات اور مفید مشوروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

اگرچہ یہ مدارس اپنی اپنی جگہ پر خاموشی کے ساتھ تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں، لیکن انکے ذمہ تنہا یہی فرض نہیں ہے، بلکہ ان پر اور بھی ذمہ داریاں ہیں، بہت سے مذہبی اور خود تعلیمی معاملات ایسے ہیں جن کے لئے باہمی صلاح ومشورہ اور اشتراک عمل کی ضرورت ہے، مذہبی اور تعلیمی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً نصاب اور طریقۂ تعلیم میں تغیر وتبدل کی ضرورت پیش آتی ہے، حالات کے اقتضاء کے مطابق دین کی خدمت کے بعض پرانے طریقے بدلتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، آئے دن نئے نئے مذہبی اور مذہب سے قریبی علاقہ رکھنے والے سیاسی ومعاشرتی مسائل پیش آتے رہتے ہیں، جن کا حل ان مدارس کے ذمہ ہے، لیکن چونکہ ان میں باہم اشتراک عمل تعلیم کے علاوہ خدمت دین کا کوئی مشترک پروگرام اور تقسیم عمل نہیں ہے اس لئے مذکورۂ بالا مسائل میں بعض اوقات ان کا طریقۂ کار باہم مختلف بلکہ متضاد ہو جاتا ہے، جس سے ان میں بعد اور دوری بڑھتی ہے، ان حالات کے پیش نظر عربی مدارس کی تنظیم اور انیں باہم اشتراک عمل کی بڑی ضرورت ہے،



مختلف مدارس کی انفرادی خصوصیات کی بنا پر ان کے ذوق اور طریقۂ کار میں اختلاف ہونا ایک طبعی امر ہے جو ہر زمانہ میں موجود رہا ہے، بلکہ انفرادی طبعی رجحانات کی بنا پر خود ایک مدرسہ کے افراد کے ذوق اور طریقۂ کار میں باہم اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، اس لئے نفس اختلاف مذاق کوئی خطرہ کی چیز نہیں بشرطیکہ وہ باہمی مخالفت کا ذریعہ نہ بنجائے، مدارس کی تنظیم اور اشتراک عمل سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ذوق اور طریقۂ کار کے اختلاف کے باوجود ان میں اتحاد ویگانگت کا رشتہ قائم رہے گا، اور آپس کی بے تعلقی اور ایک دوسرے کے حالات کی بے خبری سے عموماً جو بے اعتمادی مدرسی عصبیت اور جماعت بندی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہ ہونے پائے گی، اور مدارس کی انفرادی خصوصیات اور ان کا اختلاف ذوق تفریق کا ذریعہ بننے کے بجائے خدمت دین میں تفنن اور تنوع کی شکل اختیار کر لیگا

——— ·<·>· ———

یہ مسئلہ ایک دوسرے پہلو سے بھی لائق توجہ ہے، یہ ظاہر ہے کہ کسی درسگاہ کے اثرات تعلیم ختم ہو جانے کے بعد بالکلیہ طلبہ سے زائل نہیں ہو جاتے، بلکہ آیندہ زندگی میں بھی کسی نہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں، انہی طلبہ میں سے کچھ لوگ آگے چل کر مسلمانوں کے رہنما بنتے ہیں اور اُن کی پبلک زندگی میں بھی ان اثرات کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہ مدارس سے باہمی یگانگت اور اشتراک عمل کا سبق سیکھ کر نکلیں گے تو اس کے اچھے اثرات ان کی پبلک زندگی میں بھی ظاہر ہوں گے، جس کی اس زمانہ میں بڑی ضرورت ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے اور بہت سے مفید کام اس تنظیم و اشتراک عمل کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے انجام پا سکتے ہیں جو انفرادی کوششوں کے ذریعہ ممکن نہیں،

<(۰)>

ہندوستان کے مسلمانوں کا اقتصادی زوال اور اس کے برے نتائج محتاج بیان نہیں، اصحاب فکر مسلمانوں نے بارہا اس صورت حال کی اصلاح کی کوشش کی اور اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے، لیکن یہ کوششیں عموماً وعظ و پند اور تقریر و تحریر تک محدود ہوتی ہیں، اس لئے آج تک ان کا کوئی عملی نتیجہ نہ نکلا اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت روز بروز گرتی جاتی ہے، قوموں کی ترقی و تنزل میں ان کی اقتصادی حالت کو جو دخل ہے وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس پر بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں، اگر مسلمانوں کے اقتصادی زوال کی یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں جب وہ زندگی کے ہر شعبہ میں دولت مند ہمسایہ اقوام سے پیچھے رہ جائیں گے، بلکہ بہت سے شعبوں میں ہو چکے ہیں،

<(۰)>

اس صورت حال کے پیش نظر اخبار زمزم لاہور نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی ہے، اور اصحاب فکر مسلمانوں کو "مسلمانان ہند کے اقتصادی زوال کے اسباب اور اس کے علاج" پر اپنے صفحات میں اظہار خیال کی دعوت دی ہے، اور مضامین کے لئے چار انعام مقرر کئے ہیں، اس دعوت کے مفید ہونے میں شبہہ نہیں، لیکن ایسے اہم مسائل میں محض تحریری کوشش کچھ زیادہ مفید نہیں ہوتی، جیسا کہ زمزم نے ارادہ بھی ظاہر کیا ہے، ضرورت اسکی ہے کہ عملی حیثیت سے اُسکو کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے، نظام اجتماعی کے ذریعہ اس کے عملی وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں، اُمید ہے کہ اصحاب فکر مسلمان اس میں پورا حصہ لینگے،

مقالات

قنّوج

از

سید سلیمان ندوی

"چند سال ہوئے یہ مضمون مین نے ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے اجلاس دہلی مین پڑھنے کے لئے لکھا تھا، مگر میرا جانا نہ ہوا، اور نہ مضمون ہی پورا ہوسکا، اب کچھ دن ہوئے کہ یہ پورا ہوا، اور انگریزی مین اسلامک کلچر کے اکتوبر ۱۹۴۳ء کے نمبر مین چھپا، اب اڈیٹر صاحب اسلامک کلچر کی اجازت سے اردو مین شائع کیا جارہا ہے"

"سید سلیمان ندوی"

بعض عرب سیاحون اور جغرافیہ نویسون نے سندھ کے علاقہ مین ایک شہر کا نام قنوج بتایا ہے، ایک خیال تو یہ ہے کہ قنوج ایک ہی ہے جو اودھ مین موجودہ کانپور کے پاس، موجودہ فرخ آباد کے ضلع مین واقع ہی اس کے علاوہ سندھ مین کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اوران عرب جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے جنھون نے سندھ مین کسی قنوج کا ذکر کیا ہی غلطی کی ہے' دوسرا خیال یہ ہے کہ ان جغرافیہ نویسون نے سندھ مین ایک قنوج کا ذکر اس طرح متعین طور سے کئی دفعہ کیا ہے، کہ اس مین غلط بیانی کا گمان نہین ہوسکتا،

ایلیٹ صاحب نے جب سے اُن عربی جغرافیون کے اقتباسات انگریزی مین جمع کر دیئے ہین جن مین سندھ

کے قنوج کا بھی ذکر ہے، ہندوستان کے یورپین مورخون نے بھی اس کا کہین کہین ذکر کیا ہے، اور اس وقت سے یہ بحث ابھی ہوئی چلی آتی ہے، ونسنٹ اسمتھ صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جولائی ۱۹۰۸ء مین قنوج کی تاریخ پر جو فاضلانہ مضمون لکھا ہے، اس مین بھی یہ غلط مبحث موجود ہے، وہ فرق کے لئے سندھ کے شہر مذکور کا نام "قِنّوج" بہ کسر قاف وتشدید نون اور اودھ کے قنوج کو بفتح قاف وتخفیف نون لکھتے ہین، بمبئی گزٹیر مین قنوج سندھ کے حالات جو عربون نے لکھے ہین، وہ قنوج اودھ مین ملا دئیے گئے ہین، راورٹی صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۹۲ء مین گزٹیر کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

تاریخ الیٹ کے محشی پروفیسر ڈوسن صاحب اس غلطی کو سمجھتے تھے، مگر وہ اس کی تہ تک نہ پہونچ سکے، "عرب وہند کے تعلقات" لکھتے وقت مین بھی متردد تھا، اور اس وقت سے اب تک اس کی تحقیق مین لگا تھا، اتنی کاوش کے بعد اب حقیقت کی تصویر زیادہ صاف دکھائی دیتی ہے، اور یہی تصویر اب مین دوسرون کو دکھانا چاہتا ہون، اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ عربی جغرافیہ اور تاریخون کے اون سارے حوالون کو جن مین قنوج کا نام آیا ہے، ترتیب سے ایک جگہ کر دون،

۲۶۴ھ اشتباہ کی بڑی وجہ ابوزید سیرافی کا سفرنامہ ہے، جس نے تیسری صدی ہجری کے وسط مین یہ لکھا ہے،

وقوم یظهرون التخاییل ویبدعون	اور کچھ لوگ نظربندی اور شعبدہ بازی کرتے
فیها وذلك بقنوج خاصة وهو	ہین، اور اس مین نئی نئی باتین کرتے ہین، اور
بلد عظیم فی مملکة الجوز (ص ۱۲۷)	یہ فن خاص طور سے قنوج مین ہے، جو "جوز" کی

اس نے قنوج کو جوز مین قرار دیا ہے، جوز کوئی ملک نہ تھا، یہ کتاب ۱۸۱۱ء مین پیرس مین فرنچ ترجمہ کے ساتھ چھپی ہے، اڈیٹر نے اس کی دوسری قرأت "جزر" کی ہے، اور جزر کے بادشاہ کا نام باربار اس کتاب مین آیا ہے، اس سے ادھر دھیان گیا کہ یہ جوز بھی جزر ہے، اور اس سے مراد صوبہ گجرات ہے،

پھر بشاری مقدسی نے ۳۷۵ھ مین اپنے سفرنامہ "احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم" مین سندھ کے

سلسلہ مین قنوج کا نام لیا ہے، اور اس کی کیفیت لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ اب اس شہر پر مسلمانون کا قبضہ ہے یہان جامع مسجد ہے، اور گوشت سستا بکتا ہے" ظاہر ہے کہ یہ وصف اودھ کے قنوج پر صادق نہین آتا، اس لئے خیال ہوا کہ یہ قنوج نام کا دوسرا شہر تھا، جو سندھ مین واقع تھا، پھر چونکہ قنوج کا ذکر محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ کے سلسلہ مین بھی ۹۶ھ مین چچ نامہ مین آیا ہے، خیال ہوتا تھا کہ محمد بن قاسم کی نظر اس اودھ کے قنوج تک کہان پہنچ گئی ہوگی، جو سیکڑون میل سندھ سے دور تھا، اسلئے اس سے مقصود قنوج نام سندھ ہی کی کوئی چھوٹی موٹی ریاست ہوگی لیکن پوری تحقیق اور فکر و تلاش نے اب حقیقت کا پردہ چاک کر دیا ہے،

علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کی فتوح السند مین جس کے فارسی ترجمہ کا مشہور نام چچ نامہ (۶۱۳ھ) ہے، کئی جگہ قنوج کا نام آیا ہے، فتوح السند کی تالیف کی تاریخ نہیں معلوم ہے۔ لیکن اوس کا یہ فارسی ترجمہ سلطان التمش کے حریف و ہمسر امیر قباچہ والی سندھ کے زمانہ مین ۶۱۳ھ مین کیا گیا ہے، ابھی تک گو اس کی عربی اصل اہلِ علم کو نہین مل سکی ہے لیکن اس کے طرزِ تحریر اور سلسلۂ روایت اور عربی اشعار سے یہ بات ثابت ہے کہ اصل کتاب پرانے زمانہ میں عربی میں لکھی گئی تھی، مترجم کو یہ عربی کتاب اُچھ کے قاضی اسمٰعیل ابن علی بن موسیٰ ثقفی کے کتب خانہ مین ملی تھی، اس قسم کی فتوحات کی کتابین عرب مصنفون نے تیسری صدی ہجری یعنی نوین صدی عیسوی کے اوسط میں لکھی ہین، چنانچہ فتوح البلدان کا مصنف احمد بلاذری بھی اوسی زمانہ مین تھا، اوس نے ۲۷۹ھ میں وفات پائی ہے،

چچ نامہ مین قنوج کا نام تین دفعہ آیا ہے، پہلی دفعہ اس وقت آیا ہے جب سندھ میں چچ اور اس کے حریف اکھم میں لڑائی ہوتی ہے، اور اکھم شکست کھا کر راے قنوج سے مدد طلب کرتا ہے،

"و در آن وقت ملکِ ہندوستان یعنی کنوج، سیار بن راے بدل راے بود، اکھم نوشتہا فرستاد و از وے مدد خواست"

(ص ۱۹ نسخۂ قلمی دار المصنفین)

اس عبارت میں ہندوستان کی تعبیر کنوج سے کی گئی ہے، یعنی کنوج کے راجہ کو ہندوستان کا راجہ کہا گیا ہے، اس کے بعد سیوستان کا راجہ بھاگ کر قنوج کے راجہ کے پاس جاتا ہے،

"پس ملک سیوستان نیز ویک شاہ کنوج رفتہ بود و در آن عہد ملک ہندوستان بارانسی بود وکنوج در تحت فرمان سیہرس بن راسل بود" (چچ نامہ قلمی ص ۲۳)

بارانسی بنارس اور کنوج قنوج ہے، جس سے اس سلطنت کے مرکزی شہر معلوم ہوگئے،

اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ثقفی سندھ کو فتح کرکے قنوج کی طرف توجہ کرتا ہے:-

"پس ابو حکیم شیبانی را با دہ ہزار سوار بقنوج فرستاد تا مثال دار الخلافت بدعوت اسلام و مال وخزانہ بیت المال بروے عرض دارد، و با وے بیعت کند وخود با لشکر بر سر حد کشمیر کہ پنج ماہیات گویند بموضعی کہ پدر واہر چچ سیلا نج درخت صنوبر یعنی بید را انہال کردہ بود، و وداع نمودہ بود آنجا رسید، وآن حد را بتجدید تعیین کردند، راے قنوج درآن وقت جیپل راے بود چون لشکر باورد ہا بر رسید، ابو حکیم شیبانی بفرمود تا زید بن عمرو الکلابی را بیاوردند، پس گفت اے زید ترا برسالت براے ہر چند جیپل بباید رفت و فرمان مطاوعت اسلام بدیشان رسانید و گفت کہ از دریاے محیط تا حد کشمیر ہر راے وملوک کہ ہست تحت اقتدار و تمکین اسلام شد و امیر عماد الدین (محمد بن قاسم) را کہ لشکر کش عرب و قہر کنندۂ کفار است مطاوعت نمودند، و بعضے در ربقۂ اسلام آمدند، و باقی برخود مال معین کردند تا بخزانہ دار الخلافت تسلیم کنند، راے ہر چند گفت وجواب داد کہ این ولایت قریب یک ہزار وشش صد سال است کہ در ضبط و تصرف ما است، و در ایالت فرمان ما ہیچ مخالفے را زہرہ نبودہ است کہ در ذیل حدود ما را بسپر و بے و با پیرامن مخاصمت ما گشتے، ودست تصرف وتعرض در مملکت ما زدے، واز شما را چہ نہیب کہ این

مقالات و محالات کہ در خاطر می اندیشی (ص۱۱۰)،

اس عبارت مین پنج اہیات کی ماہیت، ایلیٹ کے خیال مین پنج ماریعنی پنج آب ہے، جس کو عربون نے عموماً سرحد کشمیر قرار دیا ہے،

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ قنوج کی ایک مستقل مضبوط سلطنت تھی جو سندھ سے باہر ہندوستان مین تھی لیکن دونون کی سرحدین پنجاب مین ملتی تھیں، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ کے پہلے ہی سے ان دونون سلطنتون مین فوجی امداد و اعانت کے مراسم قائم تھے، یعنی سندھ کے راجہ، قنوج کے راجہ سے کمک مانگا کرتے تھے، اس پہلو کو سامنے رکھکر قنوج کی طرف محمد بن قاسم کی پیشقدمی کا مسئلہ صاف ہوجاتا ہے،

سفرنامۂ ابوزید سیرافی موجود ۲۶۴ھ؁ میں ہے،

وللهند عبّاد واهل علم يعرفون	اور ہندوستان کے عابدون اور علم والون
بالبراهمة وشعراء يغشون الملوك	کو برہمن کہتے ہین، اور ہندوستان مین شاعر
ومنجمون وفلاسفة وكهان	ہین، جو راجاؤن کے دربار مین رہتے ہین،
واهل زجر للغربان وغيرها و	اور منجم اور فلسفی اور کاہن، اور کوون وغیرہ
بها سحرة وقوم يظهرون التخاييل	سے فال نکالنے والے اور اس میں جادوگر
ويبدعون فيه، وذلك بقنوج	ہین اور کچھ ایسے لوگ ہین جو نظربندی اور
خاصة وهو بلد عظيم في مملكة	شعبدہ بازی کرتے ہین، اور اس میں نئی نئی
الجوز	باتیں پیدا کرتے ہیں، اور یہ فن قنوج میں
(ص ۱۲۷ پیرس)	خاص کر ہے، جو جوز کی سلطنت میں بڑا شہر ہے،

اس کے بعد وہ عبارت آتی ہے، جو غلط فہمی کا سب سے بڑا سبب ہے، یہ شامی سیاح بشاری مقدسی کا بیان ہے، یہ ۳۷۵ھ؁ میں ملتان اور سندھ آیا تھا، اس لئے اپنے سفرنامہ مین جس کا نام احسن التقاسیم

فی معرفة الاقالیم ہے، قنوج کا ذکر چار جگہ کیا ہے، اور ہر جگہ نیا مغالطہ پیدا کیا ہے، سب سے پہلے "اقلیم السند" کو پانچ بڑے صوبوں میں بانٹا ہے، اور اسی کے ساتھ مکران کا ایک نام اور بڑھا کر چھ کر دیا ہے، کہتا ہے،

فاولها من قبل کرمان مکران ثمّ	سندھ کا آغاز کرمان کی طرف سے مکران
طوران ثمّ السند ثمّ ویھند	ہے، پھر طوران، پھر سندھ، پھر ویہند
ثم قنوج ثمّ ملتان (ص ۴۷۴ لائیڈن)	پھر قنوج پھر ملتان،

شیراز میں ایک عالم سے جس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی، وہ ملا تھا، اوس کی زبانی یہ بیان نقل کرتا ہے :-

وَامّا قنوج فانّھا القصبة ایضًا	لیکن قنوج تو وہ بھی پایۂ تخت ہے
وَمِنْ مُدنھا قدار، ابار، لھارة،	اور اوس کے شہروں میں سے قدار،
بارد، وَجِیْن، اورھد، زھوھر	ابار، لہارہ[۵۱]، بارد، وجین[۵۲]، اورھد، زہوہر،
برھیروا، (ص ۴۷۷)	برہیروا ہے،

ویہند اور ملتان کے بیچ میں قنوج کی نسبت یہ الفاظ کرتا ہے:

"قنّوج قصبة کبیرة لھا ربض تدنة	قنوج بڑا شہر ہے، اوس میں حصار کی
بھا لحوم کثیرة وَمیاہ غزیرة و	چار دیواری ہے، وہان گوشت بہت، پانی
بساتین محیطة ووجوہ حسنة و	بہت، باغ شہر کے اردگرد، خوبصورت لوگ
ماء صحیح وبلد فسیح، متجر ربیح	پانی اچھا، شہر کشادہ، تجارت نفع بخش، اور
وَکل صبیح، وموز رخیص الا	ہر چیز اچھی، کیلے سستے، لیکن وہان آگ بہت
انّھا کثیرة الحریق قلیلة الدقیق	لگا کرتی ہے، آٹا کم پیدا ہوتا ہے، اونکی

---

۵۱ کیا لہاور یعنی لاہور؟ ۵۲ کیا اجین؟

اکلھم الارز ولبسھم الازر، بناء	خوراک چاول، اور لباس دھوتی ہے،
خسیس، وصیف بغیض، منہا الی	مکان بہت معمولی، اور گرمی بہت سخت،
الجبال اربعة فراسخ والجامع فی	شہر سے پہاڑ تک، چار فرسنگ، اور جامع
الربض رخیصة اللحوم والنہر یتخلل البلد، اکثر	مسجد شہر پناہ کے اندر ہی .... دریا شہر کے اندر
طعام المسلمین الحنطة وبہا	سے بہتا ہے، اور مسلمانون کی خوراک گیہون
عُلماء واجلّة، (ص ۴۸۰)	ہے، اور وہان علما اور اکابر ہین،

اس کے بعد قنوج کے متعلق اوس کا آخری بیان یہ ہے :-

والغلبة بقنوج وبویہند للکفار	اور غلبہ قنوج اور ویہند مین ہندوون
وللمُسلمین سُلطان علیٰ حدة، (ص ۴۸۵)	کو ہے، اور مسلمانون کا ایک حاکم الگ ہی،

ویہند کے متعلق یقینی طور سے معلوم ہے کہ وہ قندھار اور دریاے سندھ کے بیچ مین پشاور سے تین منزل جنوب مین واقع تھا، اور ایک سلطنت کی مستقل راجدھانی تھی، سلطان محمود نے ۳۹۲ھ مین پشاور لے لینے کے بعد اوس کو فتح کیا تھا، (گردیزی ص ۶۶ برلن) بشاری نے ویہند کے بعد قنوج کو جگہ دی ہی مگر اوس سے مقصود شہر قنوج نہین بلکہ قنوج کی سلطنت ہی، جس کے کنارے پنجاب، سندھ اور مالوہ تک پھیلے تھے، قنوج کے اندر جن شہرون کے نام شیراز کے ایک سیاح نے بشاری کو بتائے تھے، ان مین ایک شہر کی صورت تو صاف ہے، یعنی اُجین جو ہمارا اُجین (مالوہ) ہے، دوسرے شہر کی صورت کچھ دھندلی سی ہے، اور وہ ادرھتہ ہے، میرے خیال مین ر کی جگہ یہ د ہے، یعنی اودھتہ ہے، یعنی اجودھیا یا ایودھیا جس کو مسلمانون نے اودھ بنا لیا تھا،

مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک بات صاف کر لینی چاہئے، پُرانے ہندوستان مین راجدھانیون کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور دائرۂ حکومت یا حدود سلطنت کے نام یا تو راجدھانیون کے نام بعینہٖ

رکھے اور پکارے گئے ہین، یا اون کے حکمران خاندانون کے نام پر ان کے نام رکھے گئے ہین، ان کی مثالین پچھلی تاریخون مین بھی ملتی ہین، اوراب بھی تمام ریاستون کے نامون مین یہی طریقہ رائج ہے، اور مدراس بمبئی، اور بہار کی مثالین انگریزی علاقون مین پائی جاتی ہین،

ایک بات اور ذہن مین رہے بشاری بڑا محتاط سیاح ہے، اوس نے اپنا سفرنامہ بڑی احتیاط سے لکھا ہے، اس کی احتیاط ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ اوس نے ہندوستان کے حال مین صاف صاف لکھدیا ہے کہ باوجود لوگون سے تحقیق اور دریافت کے مین ہندوستان کے وصف میں صحت کی ذمہ داری نہین لیتا کہتا ہے:

ومع هذا فلا اضمن من وصفه	باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کے بیان
ما اضمن من غيره ولا اصف الا	کی وہ ذمہ داری نہیں لیتا جو اس کے علاوہ
امصاره ولا استقصى فى شرح	دوسرے ملکون کی لیتا ہون، اور مین صرف اسکے
لما دوى كفى بالمرء كذبا ان يحدث	شہرون کا حال بیان کرتا ہوں اور اس کی
بكل ما سمع ولقوله صلعم ليس	ساری تشریح نہین کرتا، کیونکہ حدیث میں
الخبر كالمعاينة ولولا خشية	ہے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی
ان يختل هذا الاصل ويبقى	ہے کہ جو کچھ سنے وہ بیان کردے، اور اسلئے
من الاسلام رصد لا عرضنا	کہ سننا دیکھنے کے مانند نہین، اگر مجھے یہ ڈر
من الكلام فيه .	نہ ہوتا کہ یہ اصل یعنی کہ اسلامی ملکوں میں سے
(ص ۵، ۴۷)	کسی کا حال چھوٹنے نہ پائے ٹوٹ جائیگی تو میں ہندوستان کا بیان چھوڑ دیتا،

اس ملک کے جغرافی بیان کے متعلق اوس نے تصریح کی ہو کہ اسکو اصطخری فارسی کے جغرافیہ سے نقل کیا ہے، (ص ۵۴) یا دوسرے سیاحون سے سُن کر اور پوچھکر لکھا ہے، اس لئے قنوج کی جاے وقوع کی نسبت اوس کا بیان اعتبار سے خارج ہے،

مگر اتنا صحیح ہے کہ تیسری صدی کے خاتمہ پر عرب جہاز رانون کے کانون تک قنوج کا نام پہنچ چکا تھا، بزرگ بن شہریار ناخدا جو تیسری صدی کے خاتمہ پر تھا، قنوج کا نام لیتا ہے، اور ایک عرب سیاح کی زبانی بیان کرتا ہے :-

ان بقنوج من بلدان الهند من	ہندوستان کے شہروں میں قنوج مین
تاخذ الفوفلة بين شفرتيها فتكسرها	ایسے لوگ ہین جو ڈلی کو اپنے دونوں ہونٹوں
قطعًا من شدة ما تضغطها،	میں لے کر اس زور سے دباتے ہین کہ
(عجائب الهند ص ۶)	وہ ٹوٹ جاتی ہے،

سنہ ۳۰۳ھ مین مسعودی ہندوستان آیا، اوس نے گو یہ غلطی کی ہے کہ قنوج کے راجہ کو سندھ کے بادشاہون مین شمار کیا ہے، مگر اس کی توجیہ یہ ہے کہ اوس زمانہ مین قنوج کی سلطنت سندھ تک تھی، اسلئے قنوج کے راجہ کو سندھ کے راجاؤن مین شمار کیا ہے، اس ایک بات کے علاوہ مسعودی کا سارا بیان بہت کچھ غلط فہمیون کو دور کرنے والا ہے،

مسعودی نے قنوج کا ذکر تین موقعون پر کیا ہے، پہلے باب، صفحہ ۱۷۰ مین ہے

ودنيا ديه (ملهرا) من ملوك	اور وبلبھ رائے کا حریف ہندوستانی
الهند ممن لا بحر له بؤورة صاحب	راجاؤن مین سے جن کے پاس سمند نہین،
مدينة القنوج وهذا الاسم سمة	بورہ قنوج کا راجہ ہے، اور یہ بورہ لقب
لكل ملك يلي هذه المملكة،	ہر اوس راجہ کا ہوتا ہو جو اس ملک پر راج
وله جيوش مرتبة على الشمال و	کرتا ہے، اور اسکی فوجیں، اتر، دکھن، پورب،
الجنوب الصبا والدبور لانه من كل جهة	اور پچھم ہر رخ پر رہتی ہین، کیونکہ ہر رخ پر
من هذه الوجوه يلقاه ملك محارب له (طبع لائيڈن)	اس کے اوس سے کوئی نہ کوئی لڑنے والا ہے،

یہ بورہ عجب نہین کہ بھوج رائے کا عربی تلفظ ہو جو قنوج کے مشہور راجہ بھوج رائے کے بعد یہان کے راجاؤن کا موروثی لقب قرار پاگیا تھا،

اس کے بعد مسعودی (ص ۲، ۳ جلد اول لائیڈن) قنوج کا دوبارہ ذکر ان لفظون مین کرتا ہے:

ملك قنوج من ملوك السند بُؤورہ	سندھ کے راجاؤن مین سے ایک قنوج کا
هذا اسم كل ملك يلى القنوج	راجہ بورہ ہے، اور یہ بورہ ہر اوس راجہ
وَ هُنا مدينة يقال لها بؤورہ	کا لقب ہے جو قنوج پر راج کرے، اور یہان
باسم ملوكهم، وقد صارت اليوم	ایک شہر بھی اسی کے نام سے ہے جس کا نام
فى حيز الاسلام وهى من اعمال	بورہ وہان کے راجاؤنکے نام سے ہے، اور وہ
الملتان ومن هذه المدينة	آج کل اسلام کی حکومت مین داخل ہے
يخرج احد الانهار التى اذا	اور وہ ملتان کے علاقون مین شامل ہے
اجتمعت كانت نهر مهران	اور اسی شہر سے اون دریاؤن مین سے
السند	ایک دریا نکلتا ہے جن کے مل جانے سے
.... وبُؤورہ هذا الذى هُوَ	دریاے سندھ بنتا ہے، ....
ملك القنوج هو ضد البلهرى	اور یہ بورہ جو قنوج کا راجہ ہے وہ ہندوستان
ملك الهند،	کے راجہ بلہرا کا مخالف ہے،

مسعودی کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ قنوج کی سلطنت سندھ سے ملی تھی، اور سندھ کا علاقہ مسعودی کے بیان کے مطابق کشمیر سے ملا ہوا تھا، (ص ۳، ۴) گویا پنجاب کا علاقہ بھی سندھ ہی مین شمار ہوتا تھا، آب وہ کہتا ہے کہ یہان یعنی سندھ کے پاس اس راجہ کے نام بھوج رائے کے نام سے ایک شہر بھی آباد تھا، یعنی اوس کا نام بھی بھوج رائے ہے، اور یہ اُن پانچ دریاؤن مین سے کسی ایک کے دہانہ پر واقع ہے، جن سے مل کر

دریاے سندھ بنتا ہے، ان پانچ دریاؤن مین سے ہرایک دریا موجودہ پنجاب مین ملتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ موجودہ پنجاب میں دریاے ستلج کے کنارہ جو ہندوستان خاص اور پنجاب کی طبعی سرحد ہے کہین بہتا ہوگا اور وہ بھوج راے یا قنوج کی سلطنت کا اس سمت مین آخری شہر ہوگا، اور اس لئے وہ حکمران خاندان کے نام پر بھوج راے اور راجدھانی کی حکومت کی نسبت سے قنوج کہلاتا ہوگا، جیسے آج بھی حیدرآباد، میسور، بڑودہ، بھوپال، رامپور وغیرہ ہماری ہندوستانی ریاستون کا ہر شہر اوس کے والی یا اوس کے پایۂ تخت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس سے بشاری مقدسی کے اس بیان کی مشکل کہ سندھ کے شہرون مین سے ایک کا نام قنوج ہے، حل ہوجاتی ہے، اور قنوج مین مسلمانون کی آبادی، جامع مسجد اور گوشت کی کثرت کی توجیہ بھی ہوجاتی ہے، کیونکہ مسعودی کے بیان کے مطابق ۳۰۳ھ میں یہ شہر ملتان کی اسلامی عملداری مین داخل ہوچکا تھا،

مسعودی کے دوسرے بیان سے ہمارا خیال اور زیادہ صاف ہوجاتا ہے، وہ قنوج کی سرحدون کا حال یہ بتاتا ہے،

فاما مملکۃ بؤورہ ھو ملک القنوج	لیکن بورہ کا راج اور وہ قنوج کا راجہ ہے
فان مسافۃ مملکتہ نحو من عشرین	تو اوس کے راج کی وسعت ایک سو بیس فرسنگ
ومائۃ فرسخ فی مثلہا فراسخ سندیۃ	لمبائی میں اور اتنی ہی چوڑائی میں سندھی
الفرسخ ثمانیۃ امیال بہذا المیل	فرسنگ سے، ایک فرسنگ اس میل سے ۸
وھذا الملک الذی قدمنا ذکرہ	میل کے برابر ہے، اور یہ راجہ جس کا میں پہلے بھی
فیما سلف ان لہ جیوشا اربعۃ	ذکر کرچکا ہون کہ اس کی چار فوجین ہوا کے
علی مہاب الریاح الاربع، کل جیش	چارون رخ پر ہین، ہر فوج کی تعداد سات
سبع مائۃ الف وقیل تسع مائۃ الف	لاکھ اور کہتے ہیں کہ ۹ لاکھ ہے، تو وہ اتر کی

فیحارب بجیش الشمال صاحب	فوج سے ملتان کے امیر اور جو اوس کے ساتھ
الملتان ومن معه فی ذلك الثغر	اس سرحد مین مسلمان ہین، اون سے لڑتا ہی،
من المسلمین، ویحارب بجیش الجنوب	اور دکھن کے لشکر سے ولبھ رائے مان کھیڑ
البلهری ملك المانكیر وبالجیوش	کے راجہ سے مقابلہ کرتا ہے، اور باقی فوجون
الباقیة من یلقاه من كل وجه من	سے جس طرف سے کوئی حملہ آور آئے، اوس کا
الملوك ویقال ان ملكه یحیط فی	سامنا کرتا ہے، اور کہتے ہین، کہ اسکی سلطنت
مقدار ما ذكرنا من المسافة من	کی اوس وسعت میں جس کا ذکر ہم نے کیا،
المدن والقری والضیاع مما یدركه	شہر، گاؤں، دیہات کی تعداد جو گنتی میں آئی
الاحصاء والعدد الف الف وثمانمائة	ہے، اٹھارہ لاکھ ہے، درختوں کے جھنڈ،
الف قریة بین اشجار وانهار وجبال	اور دریاؤن اور پہاڑون اور سرسبز
(مروج، (ص ۳،۴)	میدانون کے درمیان،

بلہرا تو معلوم ہوچکا ہے کہ شمالی گجرات و کاٹھیاوار کا راجہ ولبھ رائے ہے، اور مانکیر جو کبھی مانگر سمجھا جاتا تھا، اب مان کھیڑ ہے، جو ولبھ رائے کی راجدھانی تھی، اور جو موجودہ پونہ کے قریب تھا، اب عرب سیاحون کے قنوج راج کی دو حدین معلوم ہوگئین، یعنی اتر کی سمت میں وہ ملتان کی حکومت سے مل جاتا تھا، اور دکھن مین ولبھ رائے کی سلطنت سے، اور اوس کی وسعت میں اٹھارہ لاکھ شہر اور دیہات آباد تھے، جن مین جنگلون پہاڑون، دریاؤن اور سرسبز میدانون کے سلسلے تھے،

ابن حوقل بغدادی اوسی زمانہ کا مشہور سیاح ہے، اوس نے ۳۳۱ھ ۹۴۲ء میں بغداد سے اپنا سفر شروع کیا، اور ہندوستان آیا، اوس نے اپنی کتاب میں چار دفعہ قنوج کا نام لیا ہے، ص ۱۴ و ص ۱۶ و ص ۲۲۰ و ص ۲۸۶ مین،

عرب سیاحون اور جغرافیہ نویسون مین یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے قنوج کو مملکت ہند کا پایہ تخت بتایا ہے، (ص ۱۴ اور ص ۱۷) مین اوس نے ہندوستان کی لمبائی اور چوڑائی لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کی لمبائی مکران (بلوچستان) سے شروع ہو کر منصورہ (سندھ) اور سندھ ہوتے ہوئے قنوج تک، اور پھر اس سے آگے بڑھکر تبت تک چار مہینون کا راستہ ہے، (ص ۱۶)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ شہر قنوج مکران یعنی بلوچستان سے تبت اور کوہ ہمالیہ کی سمت مین کئی مہینون کے راستہ پر واقع تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ شہر سندھ کے اندر نہین تھا، بلکہ وہ لامحالہ وہی قنوج تھا جسکو ہم اب بھی قریب قریب اسی مسافت پر جانتے اور پہچانتے ہین،

ابن حوقل صفحہ ۲۲۷ مین تیسری دفعہ قنوج کا نام لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ

وهذه مدن الهند التى عرفتها	اور یہ ہندوستان کے وہ شہر ہین جن کو مین نے
ولها بواطن واماكن كفرزان و	جانا، اور اس کے اور اندرونی مقامات ہین،
قنوج فى المفاوز وهى كالمطة داد هشت	جیسے فرزان اور قنوج جنگلون اور صحراؤن
فى اقطار نائية واماكن سحيقة	مین اور وہ لمطہ کی طرح اور بڑے بڑے دور
لا يعمل اليها تاجر الا من اهلها	اطراف اور بعید مقامات ہین جہان وہان
لانقطاعها وكثرة الآفات المقطعة	کے باشندون کے سوا کوئی تاجر نہیں پہنچ سکتا
لقاصدها،	کہ وہان کے جانے والون کو بڑی بڑی افتون

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج سندھ سے اتنی دور جنگلون اور صحراؤن مین ہو کر واقع تھا کہ مسلمان تاجر وہان تک پہنچ نہین سکتا تھا،

ابن حوقل نے ص ۲۸۶ پر آخری دفعہ قنوج کا ذکر کیا ہے،

اصطخری ۳۴۰ھ میں ہندوستان آیا تھا، اوس نے اپنی کتاب مسالک الممالک میں اپنے پیشروون

دوسروں کی فیاضی سے فائدہ اٹھایا ہے، اوس نے قنوج کا بیان تقریبًا ابن حوقل سے لیا ہے، چنانچہ قنوج کا نام دو دفعہ لیا ہے، ایک دفعہ وہ دنیا کی سلطنتون کے مشہور دار السلطنتون کے سلسلہ مین کہتا ہے :-

ومملکۃ الھند منسوبۃ الی الملک	اور ہندوستان کی سلطنت اوس راجہ کی
المقیم بقنوج، (ص ۹ لایڈن)	طرف منسوب ہے جو قنوج مین رہتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین قنوج راج کی اہمیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ مملکتِ ہند کا پایۂ تخت اکیلے اسی کو بتایا جارہا ہے، آگے بڑھکر مصنف دنیا کے ملکون کی مسافت اور پھیلاؤ کا حال لکھتا ہے، اس سلسلہ مین ہندوستان کا نام لیکر کہتا ہے :-

واما ارض الھند فان طولھا من	لیکن ہندوستان کا ملک تو اوس کا طول
عمل مکران فی ارض المنصورۃ و	منصورہ اور بدہ اور باقی سرزمین سندھ مین
البدھۃ وسائر بلاد السند الی	مکران کی عملداری سے شروع ہوکر قنوج پر
ان تنتھی الی قنوج ثم تجوزہ الی	ختم ہوتا ہے، پھر اوس سے آگے بڑھ کر
ارض التبت نحو من اربعۃ اشھر	تبت تک چار مہینوں کی راہ ہے، اور اس
وعرضھا من بحر فارس علی ارض	کا عرض بحر فارس سے قنوج کے ملک تک
قنوج نحو من ثلثۃ اشھرٍ، (ص ۱۱)	تین مہینون کی راہ،

یہ وہی ابن حوقل کی آواز بازگشت ہے، اور اوس نے بھی قنوج کی مسافت وہی لکھی ہے،

۳۷۲ھ مین گوزگانان واقع ترکستان قریب فاریاب میں بیٹھکر ایک مصنف نے حدود العالم من المشرق الی المغرب کے نام سے فارسی مین دنیا کا ایک جغرافیہ لکھا تھا، ۱۹۳۰ء میں یہ کتاب لینن گراڈ، روس میں چھاپی گئی تھی، ۱۳۵۲ھ میں طہران مین دوبارہ چھپی، یہی نسخہ میرے پیشِ نظر ہے، اس میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے شہرون کے متعلق بعض معلومات بالکل نئے ہین، مصنف کا نام گو معلوم نہیں، مگر چونکہ ترکستان اور ہندوستان کی تجارتی

آمد و رفت برابر قائم تھی، اس لئے یہ معلومات تاجروں کی زبانی مصنف کو حاصل ہوئے ہوں گے،

میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں لاہور اور جالندھر کا نام آیا ہے، اور قنوج کے متعلق بھی بعض نئے بیانات اس میں پائے جاتے ہیں، گجرات اور کاٹھیاوار کے شہروں کے نام لے کر کہتا ہے :-

"و اندرین ہمہ پادشاہ بلہرا یست و از پس این پادشاہ قنوج است ....

قنوج شہرے بزرگ است و مستقر راے قنوج است ... و بشیتر از ملوک ہند طاعت او دارند، و این راے ہتر از خویشتن کس را نہ بیند و گویند کہ او را صد و پنجاہ ہزار سوار است، و ہشت صد پیل کہ بر وز حرب بر نشیند، (ص ۴۳)

لہور شہریست با ناحیت بسیار و سلطانش از دست امیر ملتان است و اندر و بازارہا و بتخانہا است و اندر درخت جلغوزہ و بادام و جوز ہندی بسیار است، و ہمہ بت پرستند، و اندر وے ہیچ مسلمان نیست، رامیان شہرے ست بر سر تلے عظیم، و اندر وے اند کے مسلمانان اند و ایشان را سالہاری خوانند، و دیگر ہمہ بت پرستان اند و آنجا بردۂ ہندو جہاز ہندوستان افتد بسیار، و سلطان وے از قبل امیر ملتان است، .... جالھندر شہریست بسر کوہے اندر سر و سیر، و از وے مخمل و جامہا بسیار خیز و سادہ و منقش و اندر میان رامیان و جالھندر پنج روزہ راہ است، و ہمہ از درختان ہلیلہ و بلیلہ و آملہ و دار و ہا است کہ بہمہ جہان ببرند و این شہرا از حدود راے قنوج است، سلابور شہریست بزرگ با بازارہا و بازرگانان و خواستہا و پادشائے از ان راے قنوج است، و درہاے ایشان گونا گون است کہ داد و ستد شان بروا ست، ... ہر یکے را وزنے دیگر است، و اندر او بت خانہا بسیار است و دانشمندان ایشان برہمن اند .... برہیون شہریست چون باطے و ہر سالے اندر و چہار روز بازار تیز باشد، و از آنجا بقنوج نزدیک است، و حدود را یست و اندر وسی صد بتخانہ است و اندر و آبے ست کہ گویند کہ ہر کہ خویشتن را بدان آب بشوید، ہیچ آفتش نرسد و ہر کہ کہترے از ایشان

بمیرد ہمہ کہترے کہ اندر سایۂ او باشد خویشتن بکشند و پادشاہ این شہر بر تخت نشیند و ہر جا کہ رود

آن تخت را بر کتفہا ہمی برند بسی مرد تا آنجا کہ او خواہد، میان این شہر و تبت مقدار پنج روزہ راہ است

اندر عقبہاے سخت، ہیتال ناحیتیست بہ نزدیکی قنوج میان شان کوہیست عظیم و ناحیتے خرد است و

لکن مردمان جنگی و مبارز و پادشاہے او از ملوک اطراف است و میان راے قنوج دشمنیست ......

....

....

....

در ہند (وہیند؟) شہرے بزرگ ست و پادشاہے وے حیبال (جیپال) است و این حیبال اندر

طاعت راے قنوج است و اندر و مسلمان اند اندک، و جہازہاے ہندوستان بیشتر بدین ناحیت

افتد از مشک و گوہر و جامہاے با قیمت، قشمیر شہرے بزرگ ست با نعمت، بازرگانان بسیار و

پادشاہ وے راے قنوج راست، و اندر وے بتخانہاے بسیار است کہ ہندوان آنجا بزیارت آیند"

(از صفحہ ۴۳ تا ۴۶. حدود العالم، طہران)

حدود العالم کی ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوس زمانہ مین یعنی ۳۷۲ھ مین قنوج کی

کی حکومت دکھن کی طرف وبہ راے کی حدود حکومت سے جا کر ملتی تھی، اور اتر طرف پنجاب کے شہر جالندھر

سے گذر کر لاہور سے کترا کر کشمیر اور موجودہ سرحدی شہرون تک پہنچکر وہیند پر جا کر ختم ہوتی تھی، لاہور کا

ہندو راجہ اس زمانہ مین ملتان کے مسلمان امیر کا ماتحت تھا، غرض قنوج اور سندھ کی سرحدین پنجاب مین

آکر مل جاتی تھین، اوس کے علاوہ کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اور اوس کے جس مقدس دریا کا ذکر ہے وہ

یقیناً گنگا ہے جس کے ساحل پر قنوج آباد تھا،

مصر کے فاطمی وزیر مہلبی نے تقریباً ۳۸۶ھ مین جغرافیہ کی کتاب "عزیزی" لکھی ہے، اور چونکہ اس

زمانہ مین سندھ کی ریاستین مصری فاطمیون کی نگرانی مین داخل ہوچکی تھین، اور مصراور سندھ کے درمیان برابر سفیر آتے جاتے رہتے تھے، اس لئے اس کو قنوج کی پوری واقفیت تھی، وہ کہتا ہے :-

"قنوج ہندوستان کے دور ترین شہرون میں ہے، ملتان کے پورب ہے ملتان اور قنوج کے بیچ مین دو سو بیاسی فرسنگ کی مسافت ہے، اور وہ ہندوستان کا پایۂ تخت اور سب سے بڑا شہر ہے، لوگون نے اوس کا حال بیان کرنے مین بہت مبالغہ سے کام لیا ہے، کہتے ہیں کہ اس میں جوہریوں کے تین سو بازار ہین، اور اس کے راجہ کے قبضہ میں ڈھائی ہزار ہاتھی ہین، ان میں سونے کی کانین بھی ہین"[1]

اب اس کے بعد غزنوی دور شروع ہوجاتا ہے، اور سبکتگین اور پھر محمود غزنوی کے حملے ہندوستان پر پے درپے ہونے لگتے ہین، اس سلسلہ مین قنوج نام کا کوئی شہر پنجاب یا سندھ کے علاقہ مین نہین آتا، اور نہ اس کا کوئی ذکر کسی طرح ہوتا ہے، البتہ اودھ کے مشہور قنوج کا نام بار بار آتا ہے، یہان تک کہ ۴۱۲ھ میں محمود اوس کو فتح کرلیتا ہی، ابوریحان البیرونی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، کتاب الہند مین قنوج کا ذکر بارہا کیا ہے، مگر اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ قنوج سے کون شہر مقصود ہے، اور وہ کہان تھا،

صفحہ ۱۱ مین محمد بن قاسم والے قنوج کا نام وہ اس طرح لیتا ہے،

لمّا دخل محمّد بن القاسم ارض السند	جب محمد بن قاسم سندھ کی سرزمین مین
من نواحی سجستان وافتتح بلد بهمنوا	سیستان کی طرف سے آیا اور شہر بہمنوا کو فتح
وسماه منصورة وبلد مولتان	کیا اور اوس کا نام منصورہ رکھا اور مولتان
وسماه معمورة وا وغل فی بلاد	کو فتح کرکے اوس کو معمورہ کے نام سے موسوم
الهند الی مدینة کنوج و وطیٔ	کیا، اور ہندوستان کے شہرون مین کنوج تک
ارض القندهار وحدود کشمیر،	چلاگیا، اور قندھار کے ملک اور کشمیر کے حدود

[1] تقویم البلدان ابوالفدا صفحہ ۲۶۰ پیرس

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اوس کی مراد وہی کنوج یا قنوج ہے جس کا ذکر اوس نے بار بار کیا ہے ۔

صفحہ ۸۲ مین وہ کہتا ہے :-

ثمّ یستعمل فی مدّ دیش اعنی واسطة المملکة وهی ماحول کنوج فی جهاته ویسمی ایضاً آرجا فرت ،

پھر مدھ دیش یعنی بیچ کے ملک میں اور وہ قنوج کے چارون طرف کے شہر ہین، اوران کو آریہ ورت بھی کہتے ہین،

صفحہ ۹۷ مین ہے :-

ویسمونها مدّ دیش ای واسطة الممالك وذلك من جهة المکان لانّها فیما بین البحر والجبل وفیما بین الجروم والصرود وفیما بین حدیها الشرقی والغربی ومن جهة الملك فقد کان کنوج مسکن عظمائهم الجبابرة الفراعنة ...... وبلد کنوج موضوع علی غرب نهر گنگ کبیر جداً واکثره الآن خراب معطل لزوال مقر الملك عنه الی بلد باری وهو فی شرق گنگ وبینهما مسیرة ثلثة ایّام او اربعة ،

اور اوس کا نام مدھ دیش یعنی بیچ کا ملک ہے، اور یہ نام اس کی جاے وقوع کے لحاظ سے ہے، کیونکہ وہ دریا اور پہاڑ کے بیچ مین اور گرم اور سرد ملکون کے درمیان مین اور اس کے مشرقی اور مغربی حدود کے وسط مین ہے اور بادشاہی کے لحاظ سے تو کنوج ان کے بڑے بڑے جبروت والے راجاؤن کا مسکن ہے.... اور شہر کنوج دریاے گنگا کے مغربی کنارہ پر ہے، بہت بڑا شہر تھا، لیکن اس وقت اوس کا بڑا حصہ ویران ہے، کیونکہ پایۂ تخت وہان سے ہٹ کر اب شہر باری مین آگیا ہے جو گنگا کے پوربی کنارہ پر ہے، اوران دونون کے بیچ مین تین یا چارون کی راہ ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج راج، مدھ دیش یعنی بیچ کا ملک تھا، اس کا دوسرا نام آرجا فرت یعنی آریہ ورت تھا، اور شہر قنوج گنگا کے مغربی ساحل پر تھا، جو اب محمود کے حملہ کے بعد ویران تھا،

۳۶۶ھ سے غزنوی بادشاہون اور ہندستان کے راجاؤن مین صلح و جنگ کے تعلقات شروع ہوتے ہین، ۳۶۶ھ مین سبکتگین نے ہندوستان کے سرحدی شہرون پر حملہ کیا، اور شاہیہ خاندان کے حکمرانون سے اوس کا واسطہ پڑا، سبکتگین کے بیٹے محمود نے ۳۹۹ھ مین اجین، گوالیار، کالنجر، دہلی، اجمیر اور قنوج کے راجاؤن کی متحدہ فوجون کو شکست دے کر شاہیہ کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے چند سال کے بعد ۴۰۵ھ مین قنوج تک پہونچ گیا، راجہ نے صلح کی، اور اپنا پایۂ تخت قنوج سے اٹھا کر گنگا کے شرقی کنارہ مین جا کر بسایا، اور باری اوس کا نام رکھا، اوسی زمانہ کے مسلمان عالم مصنف عبد القادر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں فخریہ لکھا کہ "اب بحمد اللہ لمغان سے لیکر قنوج تک اسلام کی عملداری ہے"[۱]

ہمارے بعض بزرگون نے تو قنوج کو اتنا پرانا بتایا ہے کہ سکندر کے زمانہ مین موجود تھا، اور راجہ پورس جس نے سکندر کا مقابلہ کیا تھا، وہ یہین کا راجہ تھا، جیسا کہ نظامی سکندر نامہ مین کہتے ہین :-

خدا یار بود م درآن راہ دور ... بقنوج خواہم شدن سوے خور

حالانکہ قنوج سکندر کے وقت مین تھا ہی نہین، البتہ نظامی کے زمانہ مین وہ ہندوستان کا مرکز دوبارہ بن گیا تھا، سکندر نامہ ۵۸۳ھ میں لکھا گیا ہے، اور اس کے چھ برس بعد ۵۹۰ھ مین شہاب الدین غوری نے قنوج کو دوبارہ فتح کیا ہے،

قنوج کی تاریخ کے واقفکار جانتے ہین کہ قنوج پر تین مختلف دور گذرے ہین، اس کا نام تاریخ مین سب سے پہلی دفعہ چھٹی صدی عیسوی مین آتا ہے، ۶۰۶ء سے ۶۴۷ء تک یہان کا مشہور راجہ ہرش شمالی ہند کا سب سے بڑا طاقتور بدھ راجہ گذرا ہے،

---

[۱] صفحہ ۲۷۳،

محمد بن قاسم نے سندھ پر ۷۱۱ء (مطابق ۹۲ھ) مین حملہ کیا، اور ۷۱۲ء مین پورے سندھ پر قبضہ کرلیا، اس لئے محمد بن قاسم نے قنوج کے جس راجہ سے خط وکتابت کی، اور حملہ کی دھمکی دی، وہ راجہ ہرش کے سلسلہ کا راجہ ہوگا، چچ نامہ مین اس عہد کے قنوج کے چند راجاؤن کے نام آئے ہین، پہلا سیاربن رائے بدل رائے، دوسرا سیہرس بن راسل اور تیسرا ہرچند جہتیل رائے، محمد بن قاسم نے اس آخری راجہ کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی،

راجہ ہرش کے بعد کے راجاؤن کے نام تاریخ ہند کے صفحات سے گم ہین، اس لئے یہ نام اون خالی جگہون کے بھرنے کے لئے کام مین آسکتے ہین، البتہ نامون کی تصحیح کا مرحلہ باقی رہ جائے گا،

اب اس کے بعد ۸۱۶ء کے قریب بھیلان کے گرجر پرتھار قوم کے راجہ ناگ بھٹ نے قنوج فتح کرلیا، اور کئی صدیون تک اوسکی اولاد اوس پر حکمران رہی، اوس کا پوتا بھوج رائے ہوا جس نے ۸۴۰ء ۲۲۵ھ سے ۸۹۰ء ۲۷۷ھ تک قنوج پر حکومت کی[1]، اور یہی وہ راجہ ہے جس کا نام عربون نے بورہ رکھا ہے،

ابوزید سیرانی نے جو ۸۶۷ء ۲۶۶ھ مین تھا، قنوج کے متعلق جو فقرہ لکھا ہے، اوس کی دو قرائتین ہین، ایک وَھُوَ بلدٌ عظیمٌ فی مملکۃ الجوزا اور دوسری فی مملکۃ الجرز ایک صاحب کی رائے ہے الجوز کو الجوزر پڑھا جائے اور اوس کو بھوج کا عربی تلفظ قرار دیا جائے، کیونکہ یہ زمانہ قنوج مین بھوج کی حکومت کا تھا، میری رائے مین اگر جرز پڑھا جائے اور اوس سے گوجر مرادلیا جائے تو بھی صحیح ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ راجہ گرجر پرتھار تھے، جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے،

بہرحال اس کے بعد مسعودی نے ۳۰۳ھ ۹۱۲ء قنوج کے راجہ کو بورہ یعنی بھوج رائے کے نام سے یاد کیا ہے، بھوج اول کے بعد مہندر پال نے اور اس کے بعد اوس کے بڑے بیٹے بھوج دوم نے چند سال ۹۱۰ء تک سلطنت کی، اور ۹۱۰ء سے ۹۴۰ء تک بھوج دوم کے بیٹے ہیپال نے حکومت کی، مگر عربون نے ان سب کو

---

[1] قدیم تاریخ ہند ونسنٹ اسمتھ ترجمہ جامعۂ عثمانیہ، ص ۵۷۲،

بھوج راے ہی کہا،

قنوج کا راجہ راجیاپال جس کو سلطان محمود سے پالا پڑا، اسی نسل کا راجہ تھا جس کو عتبی نے غلطی سے راے جے چال لکھا ہے[۵]،

۱۰۹۰ء سے کچھ پہلے قنوج کے یہ گرجر پرتھار راجہ ختم ہوگئے، اور گھڑواڑ قبیلہ کے راجہ چندر دیو نے قنوج کو فتح کر کے نیا راج کھڑا کیا، ۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء مین سلطان شہاب الدین غوری نے جس راجہ سے لڑکر قنوج چھینا تھا، وہ اسی گھڑواڑ خاندان کا تھا، اس کے بعد قنوج نے اپنی اہمیت ایسی کھوئی کہ نام کے سوا کچھ اور باقی نہین رہا،

اس سارے طول بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ شہر قنوج ایک ہی تھا، جو اب بھی ہے، اور جو ہندوستان کی سب سے بڑی راجدھانی تھی، اور عربون نے سندھ کی سمت مین جس قنوج یا بورہ کا ذکر کیا ہے، اوس سے مقصود سلطنت قنوج کا آخری سرحدی مقام تھا، جس کو اسی لئے بھوج راے بھی کہتے تھے، جیسے آج بھی سلطنت حیدر آباد کے کسی مقام کو حیدر آباد یا نظام یا بڑودہ کے کسی سرحدی مقام کو بڑودہ یا گیکواڑ کہتے ہین،

---

[۵] ترجمۂ ونسنٹ اسمتھ، ص ۵۰۸،

خط و کتابت کے لئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجاے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دارالمصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دارالمصنفین کے نام سے کیجائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

اسلامی اور غزنوی عَلَم

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر، کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار)

سر برآوردہ ہستیون کے نشانون اور نشانیون کے متعلق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ کب سے ان کی ابتدا ہوئی لیکن قدما کی بعض چیزین ضرور ایسی ملتی ہین جنھین ہم تاریخی حیثیت دےسکتے ہین، چنانچہ بعض یہودی اہلِ قلم بیان کرتے ہین کہ مغرب کی قدیم جماعتین اور قبیلے ایسے بھی ہوئے ہین جو حضرت یعقوب علیہ السّلام کی ایک پیشین گوئی کی مطابقت مین "حملہ آور بھیڑیے"، "شیر ببر کے بچے" اور "جہاز" کی تصویرون سے شقہ عَلَم کو مزین کرتے تھے کہین "اسپِ اشہب" اور "سرِ گاؤ" بھی دیکھا گیا ہے[۱] نینوا مین قدیم حکاکی کا کوئی نمونہ دستیاب ہوا ہے جس مین ایک شخص ایک دوڑتے ہوے بیل پر کھڑا ہوا کمان کو چلّے پر چڑھائے ہوئے ہے، اور وہین ایک اور قدیم پتھر ملا ہے جس مین دو بیل مخالف سمتون کو دوڑ رہے ہین[۲]،

مشرق مین چینی حکومت کے پانچ پنجون والے ہوائی اژدہے اور جاپان کے گُلِ داؤدی بھی قدیم اعلام مین شمار کئے جاتے ہین[۳]، اسی طرح مہابھارت جو پانچ سو سال قبل مسیح سے لے کر پانچوین صدی عیسوی تک (مختلف مستشرقین کے قول کے مطابق) بنتی اور بڑھتی رہی، مختلف اعلام کا تذکرہ کرتی ہے جس سے کم از کم یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین (خواہ تصنیف کا زمانہ کچھ ہی ہو) جھنڈے کا تخیل ضرور تھا، چنانچہ ارجن کا ایک جھنڈا قوسِ قزح کی تصویر کا حامل تھا[۴]، اور دوسرا بندر کا، اس کے لڑکے ابھی منیو کے جھنڈے مین ہاتھی کی تصویر تھی[۵]، اور

---

۱ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم، جلد ۱۳ ص ۳۱۱ ۲ ،، جلد ۱ ص ۵۴ ۳ ،، جلد ۱۳ ص ۳۱۱ ۴ بھشماپروا فصل شعر ۴۳ ۵ فصل شعر ۴۷

اسی طرح کرن کا جھنڈا تھا، اور اوس کے پھریرے کا رنگ سفید تھا[۱]، ہشم کے جھنڈے مین کھجور کا درخت اور پانچ ستارے تھے[۲]، اور کرشن کے جھنڈے میں گروڑ یعنی عقاب کی تصویر تھی[۳]، گویا مختلف بہادرون کے مختلف جھنڈے تھے، لیکن وہ کسی جماعت یا فوج کے لئے مخصوص نہ تھے،

اسلامی علم | اسلام سے پہلے عرب مین بھی اعلام کا رواج تھا، بدوی قبائل کے سردار مختلف رنگ کے علم رکھتے تھے، خود حجاز مین عُقاب ایک منصب علم برداری کا تھا، جو خاندان بنی اُمیہ کو حاصل تھا، ان کا پھریرا عموماً نیزے میں باندھا جاتا تھا، جس کو علمبردار فخر کے ساتھ اپنے ہاتھ مین اونچا کئے رہتا تھا[۴]،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف اعلام اختیار فرمائے تھے، مشکوٰۃ مین اس بارہ میں بعض روایتین ہین، حدیث کی اور کتابون مین بھی اس کا تذکرہ ہے، ان مین چند روایتین پیش کیجاتی ہین،

عن ابن عباسٍ قال کانت رایۃ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوداء ولواءہٗ ابیض (رواہ الترمذی وابن ماجہ.)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت سیاہ[۵] تھا، اور لوار سفید تھا،
وَعَنْ مُوسٰی ابْنِ عبُیَدۃ مَولٰی	موسیٰ ابن عبیدہ روایت کرتے ہین کہ مجھ کو

---

[۱] کرناپروا فصل ۱۱ شعر[۲] بھشما پروا فصل ۴۴، شعر ۵۰ [۳] درونا پروا فصل ۰۸ شعر ۲ جارلیس اعظم (۷۴۲ء – ۸۱۴ء) کا شاہی نشان، ہنری سوم (۱۲۳۹ء تا ۱۲۵۶ء) کا عصائے حکومت اور ۱۲۵۰ء میں موزلن کا علم سب "عقاب" کی تصویر کے حامل تھے، مغرب کے مختلف نشانون کیلئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۱۳ صفحہ ۳۱۲ وغیرہ ملاحظہ فرمائین، [۴] سیرۃ النبی تقطیع خورد جلد اول ص ۱۹۰، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۴۰۸ ملاحظہ فرمائین، وفی کلام المقریزی لما ذکو رتب الریاسۃ فی الجاہلیۃ ذکران العقاب فی الجاہلیۃ رایۃ تکون لرئیس الحرب فجاء الاسلام وھی عند ابی سفیان وجاء الاسلام والسدانۃ واللواء عند عثمان بن ابی طلحۃ بن ابی عبد الدار [۵] رایت اور لوا پر بحث آگے آئیگی، (۱) یہ یہان (۱) لفظ (۱) کے معنی ہنوز، لکھ گئے،

محمد بن القاسم قال بعثنی محمد بن	محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب
القاسم الی البراء بن عازب یسألہ	رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم
عن رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کے رایت کا حال دریافت کرنے کو روانہ
فقال کانت سوداء مربعۃ من	کیا، اونھون نے فرمایا کہ وہ مربع چادر کا
نمرۃ رواہ احمد والترمذی و	سیاہ رنگ تھا،
عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے
دخل مکۃ ولواءہ ابیض رواہ	ہین کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ
الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ	میں داخل ہوے تو اُن کا لوا سفید تھا،

ان اعلام کے متعلق تفصیل ایک مخطوطہ "رسالۃ الالویہ" میں ملتی ہے جو ایک عالم جار اللہ غنیمی نے مرتب کیا تھا اور جس کے ضروری اقتباسات کی نقل میرے محترم دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے خدا بخش لائبریری سے بھجوائی ہے، ہین ان کا بہت ممنون ہون، اور اجمالاً بعض تقریریں اپنے ناقص ترجمے کے ساتھ پیش کرتا ہون، اسی کے ساتھ علما، سے درخواست ہے کہ وہ میری اصلاح فرمائین، اور اس سلسلے مین مزید مواد بھی بہم پہنچائین

(۱) وذکر صاحب الرسالۃ الزهراء	رسالہ زہرا کے مؤلف نے زرد عمامہ باندھنے
فی جواز لبس العمامۃ الصفراء	کے جواز میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
انہ صلی اللہ علیہ وسلم دفع للزبیر ابن	نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو زرد رایت
العوام رایۃ صفراء وعممہ بعمامۃ	عطا فرمایا اور زرد عمامہ اون کو باندھا
صفراء وانہ صلی اللہ علیہ وسلم	اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کانت لہ عمامۃ صفراء،	کے زرد عمامہ تھا،
(۲) ونص عبارۃ الرسالۃ الزهراء	رسالہ زہرا کی عبارت کے الفاظ دوسری تدوا

فی روایۃٍ اُخریٰ عند البخاری کان
صلی اللہ علیہ وسلم یصبغ ثیابہ
بالصفرۃ ونزلت الملائکۃ فی یوم
بدر وعلیہا ثیابٌ صفرٌ وعمائمُ
صُفر وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
البس الزبیر بن العوام یوم بدر
عمامۃ صفراء واعطاہ رایۃ صفراء
فنزلت الملائکۃ لابسۃ للاصفر
موافقۃ لفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم
وللزبیر بن العوام،

(۳) وعبارۃ الحلبی فی سیرتہ وحمل
اللواء وکان ابیض فی غزوۃ بدر
سعد بن ابی وقاص واللواء ھُوَ
العلم الذی یحمل فی الحرب یعرف
بہ موضع امیر الجیش وقد یحمل
فی مقدمۃ الجیش واوّل من عقد
الالویۃ ابراھیم الخلیل بلغہ
انّ قومًا اغاروا علیٰ لوطٍ فعقد
لواءً وساروا الیھم وقال بعضھم

میں جو کہ بخاری میں ہے یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے کپڑے زرد رنگتے تھے، اور بدر
کے دن جو فرشتے آسمان سے اُترے تھے ان
کے بھی زرد کپڑے اور عمامے تھے، اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام رضی اللہ
عنہ کو بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ پہنایا
تھا، اور زرد رنگ کا رایت عطا فرمایا تھا،
اور حضورؐ کے فعل کی موافقت اور زبیر بن
عوامؓ کی موافقت کے لئے فرشتے بھی زرد
لباس میں اُترے تھے،

اور حلبی کی عبارت اس کی سیرت
میں یہ ہے کہ لواء کو جو سپید تھا
غزوۂ بدر میں سعد بن ابی وقاص رضؓ
اٹھائے ہوئے تھے، اور لوار اس علم کو کہتے
ہیں جو لڑائی میں امیر الجیش کے مقام کی
شناخت کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اور کبھی یہ
مقدمۃ الجیش میں رکھا جاتا ہے، اور پہلے
شخص جنھوں نے لوار بلند کیا تھا، وہ ابراہیم
علیہ السلام تھے، انھیں خبر پہنچی تھی کہ ایک

صرح جماعة من اهل اللغة بترادف اللواء والراية اى فيه يطلق كل اسم على الآخر، عن ابن اسحاق و ابن سعد ان اسم الراية انما حدث يوم خيبر، ....

....

(۴) وقد كان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لواء ابیض فی ست غزوات ودّان وبواط والعشیرة وبدر الاولی و بدر العظمیٰ وبنی قینقاع واما فی غزوة احد فکان له ثلث الویة کما فی المواهب ولم یعین صفتها ولکن الرایة فی غزوة ذی قرد وخیبر و فتح مکة و فی غزوة تبوک امر صلی اللہ علیہ وسلم بکل بطن من الانصار والقبائل العرب ان یتخذ والواء ورایة کما فی المواهب قال وصرح

قوم نے لوط علیہ السلام پر حملہ کیا تو انھوں نے لوا بلند کیا اور ان کی طرف گئے، اور بعضوں نے کہا کہ اہل لغت کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ لوا اور رایت دونوں مترادف ہیں اور ایک دوسرے پر اطلاق کئے جاتے ہیں، اور ابن اسحاق، اور ابن سعد سے روایت ہے کہ

یہاں اصل نسخہ میں لفظ چھوٹ گئے ہیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا چھے غزوات میں سفید تھا، یعنی ودّان (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء) بواط (ربیع الآخر ۲ھ مطابق اکتوبر ۶۲۳ء) عشیرہ (جمادی الاوّل ۲ھ۔ نومبر ۶۲۳ء) بدر الاولی (جمادی الآخر ۲ھ۔ دسمبر ۶۲۳ء) بدر العظمی (رمضان ۲ھ۔ مارچ ۶۲۴ء) بنی قینقاع (شوال ۲ھ۔ اپریل ۶۲۴ء) میں، لیکن غزوۂ احد (شوال ۳ھ۔ مارچ ۶۲۵ء) میں حضور کے تین لوا تھے، جیسا کہ المواہب میں ہے، اور اس کی کوئی صفت معین نہیں کی، اسی طرح (سفید) حضور کا رایت ذی قرد (۶ھ ۶۲۷ء)، خیبر (محرم

له میں نے ان غزوات کی تاریخیں ابن خلدون (ترجمہ احمد حسین صاحب) کتاب دوم، جلد سوم ۱۹۲۶ء ص ۹۲ وغیرہ سے لی ہیں،

جماعة بترادف اللواء والراية لكن روى احمد والترمذی عن ابن عباس كانت راية النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوداء ولواءه ابيض. ومثله فی الطبرانی عن بريدة وابن عدی عن ابی هريرة وزاد مكتوب فيه لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ،

سنہ ۷ھ یعنی ۶۲۸ء) اور فتح مکہ (رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء) میں بھی تھا، اور غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ - نومبر ۶۳۰ء) میں حضور نے حکم دیا تھا کہ انصار کی ہر شاخ اور عرب کے قبائل کو وہ اپنا لوا اور رایت لے لیں، جیسا کہ المواہب میں ہے اور ایک جماعت نے لوا اور رایت کے مترادف ہونے کی تصریح کی ہے، لیکن امام احمد اور ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت سیاہ تھا، اور لوا سفید تھا، اور اسی طرح طبرانی میں بریدہؓ سے اور ابن عدی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، اور اس میں اتنا زیادہ ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا

(۵) وذكر ابو اسحاق وكان اللواء الاسود عن عروة ان اول ما حملت الراية يوم خيبر وما كانوا يعرفون قبل ذلك الا الالوية واللہ اعلم،

اور ابو اسحاق نے ذکر کیا، اور اسی طرح ابو الاسود نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے کہ سب سے پہلے جو رایت بلند کیا گیا وہ خیبر کے دن تھا اور اس سے پہلے لوگ صرف لواء کو جانتے تھے، واللہ اعلم۔

(۶) وكتب العلامة الشيخ فايد الابيادی الحنفی ما صورته الحمد للہ الهادی للصواب لا يخفى ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا

اور علامہ شیخ فاید ابیاری حنفی نے جو کچھ لکھا ہے، اوس کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تعریف اُس اللہ ہی کے لئے ہے جو صواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے، یہ مخفی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اراد ان يبعث سرية عقد لها لواءً
ودفعه لامير السرية، فمن ذلك انه
بعث عمه حمزة في ثلاثين رجلا
من المهاجرين وعقد له لواء ابيض
وهو اول لواء عقد في الاسلام
وحمله ابو مرثد خلف حمزة و
من ذلك انه بعث عبيدة بن
الحارث في ستين او ثمانين راكبا
من المهاجرين وعقد له لواء ابيض
وحمله المقداد بن عمرو - واما في
الغزوات فكثير ففي فتح مكة كان لواء
رسول الله صلى الله عليه وسلم ابيض مكتوب
فيه بالاسود من برد يمانية لا اله
الا الله محمد رسول الله وفي فتح مكة
عقد الالوية ودفعها للقبائل وفيه
عقد لابن رواحة لواء ابيض

جب کسی سریہ[1] کے بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو
اوس کے لئے لوا، بناتے، اور وہ لوا امیر السریہ
کو عطا فرماتے، چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے
کہ جب حضورؐ نے اپنے چچا حمزہؓ کو تیس مہاجرین
کے ساتھ بھیجا[2]، تو سفید لوا، تیار فرمایا، اور
وہ پہلا لوا، تھا جو اسلام میں تیار کیا گیا، اور
اوس کو ابو مرثد حمزہؓ کے پیچھے اٹھائے ہوئے تھے،
اور اسی طرح حضورؐ نے عبیدہ بن حارثؓ کو
ساٹھ یا اسی مہاجر سواروں کے ساتھ بھیجا تو
ان کے لئے بھی سفید لوا تیار فرمایا، اور اُس کو
مقداد بن عمروؓ اوٹھائے ہوئے تھے، لیکن غزوات
میں لوا بہت ہیں، چنانچہ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا لوا، سفید تھا جو یمانی چادر کا
تھا اور اوس میں سیاہی سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا
تھا، اور فتح مکہ میں حضورؐ نے بہت سے لوا،
بنوائے جو قبائل کے حوالے کئے، اور اُسی موقع

---

[1] سریہ چند آدمیوں کی وہ مختصر اور مسلح جماعت ہے جو جنگ و صلح اور تبلیغ و تعلیم وغیرہ مختلف سلسلوں اور ضرورتوں کے لئے بھیجی جاتی تھی [2] حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے سریئے غالباً پہلے سال ہجری ہی میں روانہ فرمائے تھے،

وامر بلالاً ان ينادي من دخل تحت لواء ابي رواحة فهو آمن وعقد لسعد لواء ثم امر عليا ان ياخذه منه ويدفعه لابنه قيس وفي غزوة حنين عقد الالوية والرايات وجعلها بين المهاجرين واعطى سعد ابن ابي وقاص راية واعطى عمر بن الخطاب راية واعطى لواء الخزرج للحباب بن المنذر ولواء الاوس لاسيد بن حضير وفي غزوة تبوك دفع لواءه الاعظم لابي بكر الصديق ورايته العظمى لاسيد بن حضير وراية الخزرج للحباب بن المنذر ودفع لكل بطن من الانصار وقبائل العرب لواء وراية،

حضورؐ نے ابورواحہؓ کو سفید لوا دیا، اور حکم دیا بلالؓ کو کہ لوگوں میں اعلان کردیں کہ جو شخص ابورواحہ کے لوا کے نیچے چلا آئیگا وہ مامون ہے اور حضورؐ نے سعدؓ کے لئے جھنڈا بنوایا، پھر حکم دیا، حضرت علیؓ کو کہ وہ اُن سے لے کر اُن کے بیٹے قیسؓ کو دیدیں، اور غزوۂ حنین (شوال ۸ھ ۔جنوری ۶۳۰ء) میں حضورؐ نے بہت سے لوا اور رایت بنوائے اور اُن کو مہاجرین میں تقسیم فرمایا، اور عطا کیا سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک رایت، اور عطا کیا حضرت عمر بن خطابؓ کو ایک رایت اور عطا کیا خزرج کا لوا حبابؓ ابن منذرؓ کو اور اوس کا لوا اسید بن حضیرؓ کو، اور غزوۂ تبوک میں حضورؐ نے بڑا لوا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اور بڑا رایت اُسید بن حضیرؓ کو، اور خزرج کا رایت حباب بن منذرؓ کو دیا، اور انصار کی ہر شاخ اور قبائل عرب کو لوا، اور رایت عطا فرمایا

(۷) كان لواءه في غزوة ودان ابيض وكان مع عمه حمزة وفي غزوة بواط كان ابيض وكان مع

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوا غزوۂ ودان میں سفید تھا، اور وہ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ تھا، غزوۂ بواط میں بھی سفید تھا اور

سعد بن ابی وقاص وفی غزوة العشیرة کان لواءہ ابیض وکان مع علی بن ابی طالب وفی غزوة بدر الکبری دفع صلی اللہ علیہ وسلم اللواء الی مصعب بن عمیر وکان ابیض وکان امامہ صلی اللہ علیہ وسلم رایتان سوداءتان احدھما مع علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ای ویقال لھا العقاب وکانت مرطا لعائشة۔

وہ سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ تھا، غزوۂ عشیرہ میں بھی لوا سفید تھا، اور وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ تھا، غزوۂ بدالکبریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو لواء دیا، اور وہ سفید تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو رایت سیاہ تھے، جن میں سے ایک حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ تھا، اور وہ عقاب کہلاتا تھا، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے تیار ہوا تھا،

(۸) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی علیا کرم اللہ وجھہ الرایة یوم بدر وھو ابن عشرین سنة وفی المھدی ان لواء المھاجرین کان مع مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ ولواء الخزرج مع الحباب بن المنذر رضی اللہ عنہ ولواء الاوس کان مع سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بدر میں رایت عطا فرمایا، اُس وقت وہ بیس سال کے تھے، اور کتاب الہدیٰ میں ہے کہ مہاجرین کا لوا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور خزرج کا لوا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ، اور اوس کا لوا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور الامتاع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لواء

وفی الامتاع عقد صلی الله علیه وسلم وهی ثلاث لواء یحمله مصعب ابن عمیر ورایتان سوداوتان احداهما مع علی کرم الله وجهه والاخری مع رجل من الانصار وفیه اطلاق اللواء علی الرایة و تقدم ان جماعة من اهل اللغة جزموا بترادف اللواء والرایة انتهی من سیرة الحلبی۔

لواء بنائے، جن کو مصعب بن عمیر لئے ہوئے تھے، اور دو سیاہ رایت تھے، جن میں سے ایک علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا، اور دوسرا ایک انصاری کے ساتھ، اور اس میں لوار کا اطلاق رایت پر کیا گیا، اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اہل لغت کی ایک جماعت کے نزدیک لوار اور رایت دونوں مرادف ہیں، یہ بیان سیرۃ الحلبی سے لیا گیا،

(۸) ۲ھ وفی غزوة قینقاع کان لواءه ابیض بید عمه حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه

اور غزوۂ قینقاع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوار سفید تھا، اور ان کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

(۹) وفی غزوة احد عقد صلی الله علیه وسلم ثلاثة الویة لواء الاوس وکان بید اسید بن حضیر ولواء المهاجرین وکان بید علی بن ابی طالب کرم الله وجهه وقیل بید مصعب بن عمیر

اور غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لوار بنائے، اوس کا لوار اسید بن حضیر رض کے اور مہاجرین کا لوار علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں (موخر الذکر) تھا،

(۱۰) وفی غزوة حمراء الاسد دفع صلی الله علیه وسلم اللواء وکان

اور غزوہ حمراء الاسد (۳ھ ۶۲۵ء) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لوار کو جو بندھا ہوا تھا

معقودا لم يحمل بعد احد لعلي بن
ابي طالب ويقال لابي بكر الصدّيق
وفي غزوة بني النضير حمل الراية
علي وفي غزوة بدر الموعد حمل
اللواء علي رضي الله عنه وفي
غزوة المريسيع دفع راية المهاجرين
الى ابي بكر وقيل لعمار بن ياسر و
راية الانصار الى سعد بن عبادة
وفي غزوة الخندق كان له لواءان
وفي غزوة بني قريظة كان
لواء لابيض علي كرّم الله وجهه
وفي غزوة قرد عقد صلى الله
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لواء،

اور احد کے بعد سے نہیں نکالا گیا تھا، حضرت
علیؓ کو دیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ
کو دیا، اور غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ھ
اگست ۶۲۵ء) میں حضرت علیؓ نے رایت اٹھایا
اور غزوہ بدر (رجب ۴ھ۔ دسمبر ۶۲۵ء)
میں بھی حضرت علیؓ نے لوا اٹھایا، اور غزوہ
مریسیع (شعبان ۵ھ۔ جنوری ۶۲۷ء) میں
مہاجرین کا رایت حضرت ابو بکرؓ کو عنایت
فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ کو اور
انصار کا رایت سعد بن عبادہؓ کو، اور
غزوہ خندق (ذی قعدہ ۵ھ۔ مارچ
اپریل ۶۲۷ء) میں آپ کے دو لوا تھے اور
غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۵ھ۔ اپریل
۶۲۷ء) میں حضورؐ کا لوا حضرت علیؓ کے
ہاتھ میں تھا، اور غزوہ ذی قرد (۶ھ ۶۲۷ء)
میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوا مقرر فرمایا،

(۱۱) وعن سعيد بن المسيّب ان
راية النبي صلى الله عليه وسلم
يوم احد مرط اسود وراية الانصار
يقال لها العقاب .... ان الرايات

اور سعید بن مسیبؓ سے روایت ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت احد میں سیاہ
چادر کا تھا، اور انصار کا رایت عقاب کہلاتا
تھا، اور یہ کہ یہ رایات نہیں پہچانے گئے مگر

لم تعرف الا یوم خیبر واما تسمیۃ — خیبر کے دن اور احد میں انصار کے رایت

رایۃ الانصار یوم احد بالعقاب — کا نام عقاب تھا، .... اس

.........ان رایۃ تسمی العقاب — رایت کا نام عقاب تھا جیسا کہ حضور صلی

کما ان رایۃ النبی صلی اللہ — اللہ علیہ وسلم کے رایت کا بھی

علیہ وسلم تسمی بذالک، — یہی نام تھا،

جار اللہ نیمی کے رسالہ "الویۃ" کے ان اقتباسات سے جن میں سے اکثر حدیثوں پر مبنی ہیں، اسلامی علم کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک لوا اور رایت کے مترادف ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، صاحب مظاہر حق (طبع لکھنو۔ جلد سوم۔ ص ۵، ۳) کے نزدیک رایت بڑا علم ہے اور لوا چھوٹا، لیکن وہ حاشیے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ان کے معنی برعکس ہیں لیکن اقتباس نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوا اس علم کو کہتے ہیں جو لڑائی میں سپہ سالار کے کیمپ میں کھڑا کیا جائے، اور کبھی یہ صفوں کے آگے بھی کھڑا کیا جاتا ہے، اور اقتباس نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اسلامی لوا (پہلے سال ہجری میں) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا گیا تھا جو امیر السریہ کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے، اسی طرح اقتباس نمبر ۷۔ ۸ اور ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور خزرج اور اوس کی جماعتوں کے لئے لوا رتھے اس بنا پر میرا خیال ہے کہ لوا اس علم کو کہتے ہیں جو ایک جماعت کے لئے ہو اور دوسرے اقتباسات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ رایت وہ علم ہے جس کا تعلق کسی ایک شخصیت سے ہو، بہرحال مجھے اپنے اس خیال پر اصرار نہیں، بلکہ علماء سے درخواست ہے کہ وہ ان معنوں پر کچھ روشنی ڈالیں،

اقتباس نمبر ۶ میں دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو رویحہ رضی اللہ عنہ کو ایک علم (سفید لوا) عنایت فرمایا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ

لے سیرت النبی (تقطیع خورد) جلد اول صفحہ ۱۹۰، ۲۹۰، ۳۴۷، ۴۱۱، ۴۴۲، ۴۷۱، ۴۹۰ وغیرہ میں بھی اسلامی علم اور علم برداروں کا تذکرہ ملتا ہے،

جو شخص اس علم کے نیچے آئے گا وہ مامون ہے، بہت ممکن ہے کہ یہیں سے دوسری اقوام نے سفید علم، صلح و آشتی کے لئے اختیار کیا ہو، کیونکہ اس کے پہلے سفید علم کا یہ مقصد کسی دوسری قوم میں معلوم نہیں ہوتا۔ اقتباس نمبر۴ مین طبرانی وغیرہ کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوا میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا، اقتباس نمبر میں وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے وقت لوائے نبوی پر جو سفید تھا، سیاہی سے کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا، یہ وہ موقع تھا جب کہ رمضان (۸ھ) کے پاک دنون مین بیت الحرام کو ۳۶۰ بتون سے پاک کیا گیا تھا، اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے خدا کے علاوہ (باطل) معبودون سے جنگ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن مین حفظ و امان حاصل کرنے کا پیام دیا گیا تھا، رحمت اور محافظت کے اسی پیام کا مظاہرہ وہ سفید لوا بھی تھا جس کا شقہ کلمۂ طیبہ سے مزین تھا،

(باقی)

حیات شبلی جلد اوّل

حیاتِ شبلی جس کا مدتون سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہوگئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانحمری نہین ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون، اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علما کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے تیرہ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ،

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیے،

منیجر

کلام اقبال کی دقّتین

اور

ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ، لیکچرار یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

تنقیدی مطالعہ کی ابتدا یورپ مین | علامہ اقبال کے افکار کا تنقیدی مطالعہ ان کی زندگی ہی مین شروع ہو چکا تھا، ۱۹۱۹ء مین ڈاکٹر نکلسن نے ان کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان مین ترجمہ کیا، جس کے ذریعہ غالبًا پہلی مرتبہ مغربی دنیا اقبال کے فکر سے آگاہ ہوئی، اس کے بعد بہت سے انگریز اہلِ علم نے اقبال کی طرف توجہ کی، مثلاً ڈکنسن نے نیشن ویکلی (The Nation weekly) مین اسرار خودی پر تبصرہ کیا، اسی طرح فارسٹر [illegible] (Forester) نے رسالہ اتھنیم (Athenium.) میں ریویو کرتے ہوے فلسفۂ اقبال کا تجزیہ کیا،

علماے مغرب کے مطالعۂ اقبال کی اس کوشش سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ہندی مشرقی فلسفی کے خیالات و معتقدات حدودِ ہند سے نکل کر انگریزی جاننے والی دنیا مین پھیل گئے، اور ولایت کی تحسین و اعتراف کی مہر ثبت ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کے مغرب پسندون کے لئے "فکر اقبال" کچھ پہلے سے زیادہ جاذبِ توجہ ہونے لگا، مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ اقبال نے ان مبصرین کی تشریح و توضیح کو پسند نہین کیا، چنانچہ انھون نے ایک خط میں جو ڈاکٹر نکلسن کے نام تھا، ان تبصرون کا مدلل جواب دیا جسمین اپنے نصب العین اور پیش نہاد کی توضیح اور تشریح کی کوشش کی تھی،

ہندوستان میں مطالعۂ اقبال کی ابتدا | گو اقبال کو ابتدا ہی سے بے حد قبول عام حاصل ہو چکا تھا، اور ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا فرد نغمۂ اقبال کی شیرینی اور پیام اقبال کے سوز و گداز کا دلدادہ اور معترف تھا، مگر افسوس ہے کہ مطالعۂ اقبال کی حقیقی کوشش بہت دیر میں ظہور میں آئی، انجمن حمایت اسلام کے وہ عظیم الشان اجتماع کسے یاد نہ ہونگے جن میں علامہ اقبال اپنی قومی نظموں سے مجلسوں کو گرماتے، اور دلوں کو تڑپایا کرتے تھے، وہ دن کتنے مبارک تھے، جب قوم کا شاعر اعظم اپنے عزلت کدے سے نکل کر قومی انجمن کے اسٹیج کو مشرف کیا کرتا تھا، یہ مجلسیں اتنی پر لطف اور پر اثر ہوا کرتی تھیں کہ ہفتوں بلکہ مہینوں ان کے تذکرے رہا کرتے، مگر باوجود اس قبول عام کے جو اقبال کو نصیب ہوا، فکر اقبال کے گہرے اور تنقیدی مطالعے کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی، یہ صحیح ہے کہ اس صورت حال کے چند در چند اسباب تھے، لیکن اس واقعہ سے بطور واقعہ انکار نہیں کیا جا سکتا،

مطالعۂ اقبال کی مخلصانہ کوشش | غالباً ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۸ء میں اہل ملک کو اس ضرورت کا کچھ احساس ہوا، اس وقت تک علامہ کی بہت سی تصانیف شائع ہو چکی تھیں، تحریک خلافت کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے، پیکار اور آویزش کے ولولے مٹ چکے تھے، عدم تعاون اور ہندو مسلم اتحاد کی ناکامی نے سوچنے والے دماغوں اور محسوس کرنے والے دلوں کو سوچنے اور فکر کرنے پر مجبور کر دیا تھا، ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مطمح نظر کے صواب و خطا پر غور کرنے لگے تھے، اس ذہنی خلفشار کے زمانے میں پیام اقبال کی جانب کچھ سنجیدگی کے ساتھ توجہ ہونے لگی، چنانچہ تھوڑے عرصے میں کچھ کتابیں، کچھ رسالے، کچھ مضامین فکر اقبال کی تنقید میں شائع ہو گئے، پہلا یوم اقبال ۱۹۳۲ء میں لاہور میں منایا گیا، جس کی ایک تقریب میں خود علامہ نے بھی شرکت فرمائی، اس کے بعد اور ایک دو قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں، جو علامہ کی نظر سے بھی گذریں،

آخری دور میں علامہ اقبال کی مایوسی | مگر علامہ کی زندگی میں ان کی حکمت کے مطالعہ کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا علامہ اس سے بالکل مطمئن نہ تھے، نوجوانان ملک سے انھیں جو توقعات تھیں، وہ پوری نہ ہوئیں، فکر اسلامی کے احیاے ثانی کے سلسلے میں ان کے جس قدر ارادے تھے، ایک ایک کر کے ناکام رہے، مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ

کی آرزوئیں قوت سے فعل میں نہ آئیں، سب سے زیادہ یہ کہ علوم اسلامیہ کی تجدید کے متعلق اُن کے سارے خیالات طلسم باطل ہو کر رہ گئے، یہی وجہ ہے کہ ارمغانِ حجاز کی اکثر رباعیاں تنہائی کے احساس سے معمور نظر آتی ہیں جن میں "ہمرہانِ سست عناصر" کے شکوے ہیں، اور "رفیقان کوتاہ پا" کے گلے، "ہم نفسانِ خام" کی کم ذوقی کا ماتم ہے، اور "مفلسانِ شعر" کی بے نوائی کا نوحہ، یہ نوا ے درد کہیں کہیں اس درجہ غمگین اور جگر گداز ہوگئی ہے جس کو سُن کر یہ گمان یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ علامہ سچ مچ اپنے مشن اور مقصدِ حیات کی ناکامی سے دل شکستہ ہو رہے ہیں، ارمغان صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں:-

شریکِ دردو سوزِ لالہ بودم ضمیرِ زندگی را وانمودم
ندانم با کہ گفتم نکتۂ شوق کہ تنہا بودم و تنہا سرودم

ارمغان کی ایک اور رباعی ہے:-

غریبم درمیانِ محفلِ خویش تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
ازان ترسم کہ پنہانم شود فاش غمِ خود را نہ گویم با دلِ خویش (صفحہ ۲)

ایک اور رباعی ملاحظہ ہو:- (ارمغان صفحہ ۲)

من اندر مشرق و مغرب غریبم کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش چہ معصومانہ غربت را فریبم

اس سلسلے میں سب سے زیادہ بصیرت افروز اور عبرت آموز رباعی یہ ہے:-

چو رختِ خویش بربستم ازین خاک ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست این مسافر چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود؟

اقبال کو سب سے زیادہ گلہ ان ناشناس تحسین گذاروں کا تھا جو انھیں محض غزل خوان اور اُن کی حکمت کو نوا ے شاعری سمجھتے رہے، ان کے ماحول کی بے بصیرتی اور اُن کی ناکامی کا گہرا اثر اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال

اپنے زمانہ اور اپنے ماحول سے مایوس ہوکر اپنے کو مستقبل کا "پیام آور" کہنے لگے، ارمغان ۱۲۲ میں فرماتے ہین:-

نخستین لالہ صبح بہارم پیاپے سوزم از داغے کہ دارم
بچشم کم مبین تنہائیم را کہ من صد کاروان گل درکنارم

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ مرحوم قوم میں جس قسم کا جذبۂ انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اپنی زندگی میں اس کا دیکھنا ان کو نصیب نہ ہوا،

۱۹۳۸ء میں جب علامہ اقبال کا انتقال ہوگیا، اس وقت آسودگی پسند قوم کو اس متاع گران مایہ کے لٹ جانے کا کچھ احساس ہوا، ماتمی جلسے ہوئے، مرثیے لکھے گئے، اخبارات نے ماتمی ایڈیشن شائع کئے، رسالون نے خاص نمبر نکالے، غرض ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے طریقے سے اس حکیم الامت کے اٹھ جانے پر اپنے دلی درد اور افسوس کا اظہار کیا، غم واندوہ کی یہ فضا علمی لحاظ سے کسی حد تک مفید ثابت ہوئی، اور اشکبار آنکھون نے دلون اور دماغون کو پیام اقبال پر گہری فکر و نظر کا اشارہ کیا، چنانچہ اس حادثے کے زیر اثر تین چار سال تک افکار اور کلام اقبال کی تنقید و تشریح کی طرف خاص توجہ ہوئی، گو اس تحریک مین سیاسی حالات بھی کسی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئے، اور بعض صورتون مین محض تجارتی اغراض نے بھی کارفرمائی کی، مگر بالعموم اس عرصے میں مطالعۂ اقبال کی تحریک کو بہت فروغ ہوا اور اس کے متعلق بعض مفید اور دقیع کتابین لکھی گئین،

گو کلام اقبال کے متعلق متفرق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے، لیکن اس کی عظمت اور بلندی کی نسبت سے اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے، اگر ہم سچ مچ اقبال کو اپنی ذہنی تاریخ مین وہی درجہ دیتے ہین، جو انگریزون اور جرمنون نے شکسپیر اور گوئٹے کو دے رکھا ہے، تو ہم ان کے ساتھ اپنی محبت اور ان کے اعتراف کے بارہ مین شرمندہ ہونے پر مجبور ہون گے، انگریزی اور مغربی ادب کے واقف کارون سے وہ طویل و ضخیم اسماء الکتب، (Bibliographies) پوشیدہ نہین ہین جن مین شکسپیر اور گوئٹے کے متعلق کتابین شامل ہین،

مثال کے طور پر (Dr. Episch and Schucking.) کی Bibliography of Shakespeare - پر نظر ڈالئے، جو بڑے سائز کے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کے مندرجات پر غور فرمائیے اور بتلائیے کہ کیا شکسپیر کی زندگی، ذہن، کلام، آرٹ اور شخصیت کا کوئی ایسا گوشہ ہے جو اس کے مجنون کی غائر اور بصیر نظروں سے اوجھل رہا ہو، اسٹرافورڈ کی بستی کا وہ گھر جس مین شکسپیر رہا کرتا تھا، آج بھی ایک زیارتگاہ بنا ہوا ہے، بلکہ اوس کا سامان نوشت وخواند اس کی دوات اور قلم اور اس کے قلم کے تراشے تک یادگار کے طور پر محفوظ وموجود ہین،

مطالعۂ اقبال کی تحریک کی کمزوری کے اسباب

مطالعۂ اقبال کی تحریک کی کمزوری کے اسباب بہت سے ہین، مرحوم کی وفات کے بعد بعض ارباب سیاست نے قدردانی اور سرپرستی کے پردے مین فکر اقبال کو جس رنگ مین پیش کیا، اور ان کے فلسفہ وحکمت کو جس طرح اغراض خارجی کے لئے استعمال کیا، اس سے علامہ مرحوم کے مشن کو شدید نقصان پہنچا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انقلاب کا پیغام جمود کی دعوت بن کر رہ گیا، اور عمل کا خروش جرس نغمۂ خواب آور ثابت ہوا،

دقت اور دشواریان

دوسرا سبب کلام اقبال کی دشواری اور دقت ہے، جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ نہ صرف عوام بلکہ متوسط گروہ کے لئے بھی تقریباً ناقابل فہم ہے، غلام آباد ہند کی گلو گرفتہ سیاسی فضا مین مرغان چمن کیلئے آزادی کے گیت گانا بعید و دشوار ہے، اُس پر طرّہ یہ کہ اقبال جس گروہ کو مخاطب کرنا چاہتے تھے، اُس کی خامکاری اور پست ہمتی کا ان کو پورا اندازہ تھا، اس لئے وہ اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دینے کے بجائے رمز و کنایہ کے پیرایہ مین کہنے پر مجبور رہتے تھے، خود کہتے ہین :-

وقتِ برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام خود تو بگو کجا برم ہمنفسانِ خام را

شعر اور پیغام

شعر اور آرٹ کی خوبی بڑی حد تک اس کے ایجاز اور ایمائیت پر موقوف ہے، اس لئے شعر کے قالب مین وہ پیغام مشکل سے سما سکتا ہے، جو عوام اور متوسط طبقون کے لئے ہونے کے باعث صراحت چاہتا ہو،

خصوصًا جب کہ شاعر کے ذہن و فکر پر دوسری خارجی پابندیاں بھی عائد ہوں، فلسفہ اور شعر علامہ کے خیال میں خود گریز کے بہانے ہیں جن کے ذریعہ شاعر واشگاف اظہار حقیقت سے بچنے کے لئے اشاروں اور کنایوں سے کام لیتا ہے

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں رُوبرو

فارسی زبان ذریعۂ اظہار خیال | چوتھا سبب یہ ہو کہ علامہ اقبال نے اپنے فکر کے اظہار کے لئے بیشتر فارسی زبان کو استعمال کیا ہو، ہندوستان میں ادبیات فارسی کا ذوق اب اس درجہ کم ہو رہا ہے کہ لوگ آہستہ آہستہ فارسی شعر و شاعری کے حقیقی لطف سے محروم ہوتے جاتے رہے ہیں، کالجوں کی "دم بریدہ" تعلیم فارسی ادب کا صحیح ذوق نہیں پیدا کر سکتی، اور وہ طلبہ بھی جو فارسی کے اچھے طالب علم سمجھے جاتے ہیں، فارسی شاعری کے اجزاء ترکیبی سے بے خبر ہونے کے باعث اپنے قدیم شعراء کو لغوگو اور ان کی شاعری کو بیہودہ قرار دیتے ہیں، انھیں یہ گلہ ہے کہ رومی، حافظ، سعدی، نظیری اور غالب نے شکسپیر، براؤننگ، شیلے اور کیٹس کی طرح کیوں نہیں کہا؟ جو فارسی ادبیات کے ذوق سے ان کی محرومی کا نتیجہ ہے،

حکیمانہ اصطلاحات اور تراکیب | اقبال کی زبان حکیمانہ اصطلاحوں اور ترکیبوں سے پُر ہے، عام خصوصیات کے اعتبار سے اقبال پر حافظ، فغانی، جلال اسیر، علی قلی سلیم، سالک یزدی، رضی دانش، ابوطالب کلیم، غالب وغیرہ کی زبان کا بڑا اثر ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے انھوں نے رومی، خاقانی، بیدل اور غالب کی زبان استعمال کی ہے، غزل کی زبان شیریں ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے جو الفاظ اور ترکیبیں انھوں نے استعمال کی ہیں، وہ بیشتر تشریح طلب اور دقیق ہیں، جس کی بنا پر متوسط درجے کے تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے کلام اقبال بڑی حد تک ناقابلِ فہم ہو گیا ہے، میں نے "شعرائے فارسی اور علامہ اقبال" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اس قسم کے تمام مباحث پر مفصل تبصرہ کیا ہے، یہاں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہوگا کہ اقبال اکابر شعرائے فارسی کے وارث اور صوفیہ و حکمائے اسلام کے سلسلے کی ایک کڑی تھے، اس لئے ان کے کلام کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان اور ادب سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے،

مضمون اور معنی کی دشواریاں مطالعۂ اقبال کے سلسلہ میں زبان اور الفاظ کی دشواریوں سے کہیں زیادہ مضمون اور معانی کی دقتین ہین، اقبال حکیم تھے، "ساز سخن" تو حرفِ آرزو کے اظہار کے لئے ایک بہانہ تھا، جو لوگ اُن کی نوائے پریشان کو محض شاعری سمجھتے ہین، وہ کلامِ اقبال کی عظمت کے محرم نہیں، وہ محض غزلخوانی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے تھے، بلکہ محرم رازِ درونِ میخانہ تھے، قدرت نے انھیں تجدید اور انقلاب کے لئے پیدا کیا تھا، وہ مفکرینِ اسلام کے کاروانِ مقدس کے ایک ممتاز فرد تھے، ان کا کلام اسلام اور اسلامیات کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا آئینہ دار ہے، اُن کے اشعار مین کلامِ مجید، احادیثِ نبوی، اسلامی فلسفہ و حکمت کے جواہر ریزے، متکلمین اور حکما کے شہ پارے، صوفیہ اور ائمہ کے بلند خیالات، اہلِ عرفان اور اربابِ کشف کے مقامات و احوال کی طرف جابجا اشارے ہیں، گذشتہ تیرہ سو سال مین اسلام کے آغوش مین پلنے والی مذہبی، علمی، سیاسی اور ذہنی تحریکون کی تاریخ، اقوام عالم کے قدیم و جدید ہیجانات، ملل و مذاہبِ جدیدہ کا ارتقار، خلافت، سلطنت اور ملوکیت کا عروج و زوال، مغرب اور حکمائے مغرب کے نظریئے اور تصورات، غرض انسانی تہذیب و تمدن کے تمام اہم پہلوؤن پر فلسفیانہ تبصرے کلام اقبال مین ملخصاً و تلمیحاً موجود ہین جن سے واقفیت کلام اقبال کے حقیقی مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے، چونکہ مسلمان اب عموماً علوم اسلامیہ اور تاریخ اسلام سے بے خبر اور ناواقف ہو چکے ہین، اس لئے اس شبہہ کے پورے پورے امکانات موجود ہیں، کہ ہم ابھی تک علامہ اقبال کی تعلیمات کے عمیق اور اصلی مفہوم سے شاید بہت دور ہین، علامہ اقبال کا نام سُن کر یا ان کا شعر پڑھکر بہت سے لوگ سر دُھننے لگتے ہین اور بعض پر تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو قابلِ مسرت اور لائقِ مبارکباد ضرور ہے، لیکن یہ جذب و سُرور اور قبولِ عام محض سیاسی قسم کا ہے، اس کی مذہبی اور علمی بنیاد بہت کمزور ہے، اور علامہ کے مقصد حیات کے ادراک و فہم سے شاید اسے دور کا واسطہ بھی نہین، اسی بے خبری کا ایک نتیجہ ہے کہ اس وقت ہماری قوم کے بعض تنگ نظرون کے نزدیک علامہ اقبال کی ساری تعلیم صرف "مخالفت وطنیت" اور "عناد ملائیت" سے عبارت ہے، حالانکہ تعلیماتِ اقبال کے وسیع سمندر میں یہ دو اُمور قطرے کی

نسبت رکھتے ہین، اوران کا بھی وہ مفہوم و مقصد نہین جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے، ان کے علاوہ کلام اقبال مین متعدد انمول موتی موجود ہین جن کو نگاہ مین رکھنے کے بعد اقبال کو محض "وطن اور "ملا" کا قاتل قرار دینا مولانا شبلی کے اس شعر کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔

تمھیں لے دے کے ساری داستان میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندوکش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

مطالعۂ اقبال کی ان کمزوریوں کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اقبال ابھی تک ایک راز سربستہ ہے اور تعلیم یافتہ حضرات کا مدعیانہ جوش و خروش محض بے بنیاد اور نمایشی ہے، میرے خیال مین کلام اقبال کے قدردانون کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ مطالعۂ اقبال کی دشواریون کو رفع کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اوٹھائین اور پیام اقبال کو سہل اور آسان تر بنا کر ہر ہر بچے جوان اور بوڑھے تک پہنچائین، مطالعۂ اقبال کے مہمات امور جن کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ ہین،

(۱) فرہنگ مشکلات اقبال (۲) مبادی اقبال کی تشریح (۳) اقبال کے ماخذ اور اطراف کا مطالعہ اور تجزیہ (۴) مسائل عظیمۂ اقبال کی تشریح (۵) مطالعہ اقبال کی نہایات و غایات (۶) دائرۃ المعارف اقبال،

وہ امور جو میرے نزدیک مبادیٔ اقبال کا درجہ رکھتے ہین، یہ ہین :-

(۱) اقبال کی شخصیتین (۲) اقبال کی تلمیحات اور اصطلاحات علمی (۳) اقبال کی تضمینین (۴) اقبال کے استعارے، فرضی نام اور نشانات (۵) جغرافیائی نام (۶) اقبال کے سرچشمہ ہائے فیض یا ماخذ (۷) اقبال کے اہم مسائل علمی کی تمہیدی واقفیت،

اقبال کی شخصیتین | اقبال کے کلام مین عہد قدیم اور عہد جدید کی بہت سی شخصیتون کا ذکر آتا ہے، ان مین سے بعض علمی اور روحانی نامورون کا تذکرہ ماخذ اقبال کے ذکر مین آئے گا، لیکن ان کے علاوہ اقبال کے "ہیروز" اور بھی ہین، جن کی یاد کو اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان مین سے بعض ایسے ہین جن کی سیرت کی عظمت سے اقبال متاثر ہین، مگر بعض ایسے بھی ہین جن کی سیرت عبرت پذیری اور نصیحت آموزی

کے لئے ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے،

اقبال کی شخصیتون کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان مین انبیاء علیہم السلام بھی ہین، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی، بادشاہ بھی ہیں اور سیاست دان بھی، ارباب رزم بھی ہین اور اصحاب بزم بھی، مرد بھی ہین اور عورتین بھی خدا شناس بھی ہین اور طاغوت پرست بھی، صلحا بھی ہین اور فساق بھی، غرض قدیم وجدید تاریخ عالم کی بیشتر نمایان شخصیتین کلام اقبال کے ضمن مین زیر بحث آئی ہین، مطالعۂ اقبال کے سلسلہ مین ان مشاہیر کا مجمل تعارف ازبس ضروری ہے، تاکہ عام مطالعہ کرنے والے حضرات ان نامورون کے خاص اوصاف وخصائص پر غور کرسکیں جن کی خاطر اقبال نے ان کا تذکرہ اپنے اشعار مین کیا ہے،

مثال کے طور پر جاوید نامہ کے بعض اشخاص کو لیجئے، مثلاً شرف النساء، صادق اور جعفر اور سید جمال الدین افغانی وغیرہ،

اقبال کی تضمینات اقبال کے کلام مین تضمینات بھی بہ کثرت ہیں، بانگ درا، پیام مشرق، جاوید نامہ، ضرب کلیم، زبور عجم اور بال جبریل میں شعراء کے اشعار کی بہت سی تضمینین ملتی ہین، جن میں سے بعض مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے محتاج تعارف نہین، مگر بعض ایسی بھی ہین، جن کا مجمل علم اقبال کے مطالعہ کرنے والے کے لئے بے حد ضروری ہے، مثلاً انیسی شاملو، ملا عرشی، فیضی، رضی دانش، ملک قمی، صائب، غنی، مرزا مظہر جانجانان وغیرہ کی تضمینات،

تضمینون کے سلسلہ مین یہ بھی بتانا ضروری ہوگا کہ کسی خاص شاعر کو اقبال نے کیون پسند کیا، اور جس شعر کو تضمین کے لئے انتخاب کیا گیا ہے، اس مین کیا خاص خوبی ہے، یا اوس کو ان کے موضوع بحث سے کیا تعلق ہے، مین نے اس بحث کو اپنے ایک مضمون "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" میں قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے، اس موقع پر مین صرف ایک مثال پر اکتفا کرون گا،

مندرجۂ بالا فہرست شعراء میں ایک شاعر رضی دانش بھی ہے، اقبال نے اس کے ایک شعر کی تضمین کی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو رضی کے اس شعر کی شوخی سے دلچسپی پیدا ہوئی،

تاک را سرسبز کن اے ابر نیسان در بہار   قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

اس شعر کے جواب میں داراشکوہ نے یہ شعر لکھا تھا،

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن   قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود

ان شعرا کے حالات معلوم ہونیکے بعد یہ سمجھنا نسبتہً آسان ہو جائے گا کہ ان کی سیرت اور شاعری میں اقبال کے لئے کیا خاص وجہِ کشش تھی، ان تضمینوں کا جائزہ لینا اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے مفید ہے کہ ہم ان کے ذریعہ اقبال کی محبوب کتابوں اور مطالعۂ کتب کے سلسلے میں ان کے طریقوں سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں،

اقبال کی تلمیحات اور کتابوں کے حوالوں کی تشریح بھی اسی ضمن میں آتی ہے، تلمیحات کا ایک حصہ فرہنگ اقبال میں شامل ہونا چاہئے لیکن بعض تلمیحات ایسی بھی ہوں گی، جو اس میں شامل نہیں کیجا سکیں، ان کی تشریح کے لئے شارح کو الگ انتظام کرنا ہوگا، کلام اقبال میں بہت سی کتابوں کا ذکر آیا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں، ایک عام مطالعہ کرنے والا بسا اوقات ان اجنبی اور نامانوس ناموں سے گھبرا اٹھتا ہے، اور اقبال سے شیفتگی کے باوجود مطالعۂ کلام کو ترک کر دیتا ہے،

اقبال کے پسندیدہ امکنہ و مقامات عقائد و خیالات اگرچہ روحانی حقائق کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان کو کسی خاص مکان اور مقام کے ساتھ محدود اور وابستہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم اقوام کی تاریخ میں مکان اور مقام کو ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، قید مقام سے آزاد ہونے کے باوجود، اقوام اپنے ماضی کی محسوس یادگاروں کو زندہ رکھنا چاہتی ہیں، اور ان کے لئے اپنے دل میں اس درجہ محبت رکھتی ہیں کہ ان کا تذکرہ سوئی ہوئی عصبیتوں کو جگا سکتا ہے اور مردہ حسیات کی بیداری کا ذریعہ بن جاتا ہے، اقبال کے کلام میں اسلامی دور کے بعض شہروں کا تذکرہ بار بار آتا ہے، یہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانہ میں اسلامی عظمت اور تہذیب کے مرکز تھے، ان کے در و دیوار سے علم اور تمدن کے سرچشمے جاری تھے، اور ان کے گلی کوچوں میں شرفِ انسانیت کا نور برسا کرتا تھا، اقبال کی شاعری تہذیب اور ثقافت کے ان کھنڈروں کی مرثیہ خوان ہے، اگر ہم ان محبوب بستیوں کے ساتھ اقبال کی دلبستگی کے وجوہ

سے واقف ہوجائین گے، تو یقیناً ہم پیغام اقبال کی گہرائیون تک پہنچ سکین گے، جہان آباد دہلی، کابل، تبریز، روم، قرطبہ، شیراز، رود کاویری، وادی الکبیر، وادی لولاب کی طرح کے بے شمار شہر اور مقام ہین جن کی خصوصیات کا جاننا ہمارے ابتدائی فرائض مین سے ہے،

اقبال کے پسندیدہ استعارے اور مجازی الفاظ

مین نے اپنے مضمون "اقبال کے محبوب فارسی شاعر" مین اقبال کی فارسی زبان اور اقبال کے مجازات اور استعارون سے مفصل بحث کی ہے، جس کے ضمن مین یہ بتایا ہے کہ اقبال اگرچہ اپنی زبان وبیان کے اعتبار سے فارسی کے شعراے متوسطین ومتاخرین سے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہین، لیکن حافظ کی شاعری کے اثرات سے اتفاق نہ رکھنے کے باوجود وہ انکی زبان اور اسالیب سے بے حد متاثر ہین، مثنوی مین رومی کی زبان اُن کی زبان ہے، مگر غزل مین حافظ اور ان کے بعد عہدِ مغلیہ کے اکابر شعرا مثلاً نظیری، عرفی، طالب، کلیم، بیدل اور غالب کی زبان مین لکھنے کی کوشش کرتے ہین، ان کے استعارے اور مجازی الفاظ سب کے سب انھی شعرار کے کلام سے ماخوذ ہین، با این ہمہ ہمین اس فرق کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اقبال نے اپنے استعارون اور کنایون کا مفہوم بالکل بدل دیا ہے جس طرح آج سے چھ سات سو سال قبل ہمارے صوفی شاعرون نے خمر اور سُکر کی اصطلاحون اور استعارون کو حقیقت اور طریقت کے لباس مین ملبوس کردیا تھا، بعینہٖ اقبال نے فارسی شاعری کے محبوب مجازی الفاظ کو نئے معانی اور نیا مفہوم بخشا ہے، مین اس موقع پر صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہون، حافظ کی ایک مشہور غزل ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے :-

شہپر زاغ وزغن در بند قید وصید نیست
این سعادت قسمتِ شاہباز وشاہین کردہ اند

اقبال حافظ کے شاہباز اور شاہین سے بے حد متاثر ہین، لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اقبال کا شاہین حافظ کے شاہین سے بالکل مختلف مفہوم رکھتا ہے، حافظ کا شاہین زیادہ سے زیادہ ایک جلالی صفت قلندر ہے

لیکن اقبال کا شاہین ایک غیور، قاہر اور خودی آشنا مومن ہے، اسی طرح فارسی شاعری کے بعض محبوب الفاظ مثلاً حرم، شیخ، میکدہ، خاک، دانہ، بیابان، نہنگ، کبوتر، گوسفند، طاؤس، ناقہ، مہار، ساربان، حدی خوان وغیرہ اقبال کی شاعری مین یکسر نیا مفہوم اور معنی رکھتے ہین، اس جدید مفہوم کی تشریح ہمارے مطالعہ کے میا دی سے تعلق رکھتی ہے،

فرضی مقامات اور کردار: جاوید نامہ اور دوسری کتابون مین بعض فرضی نام اور مقام آتے ہین ان کے تعین اور انتخاب کی وجوہ کو جاننا بھی بے حد ضروری ہے، اور مبتدیون کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ اصلی نام نہین، مثلاً وادی طواسین یا وادی یرغمید، شہر مرغدین، زندہ رود، جہان دوست، لعل، مردود خ، ذوالخرطوم محراب گل افغان وغیرہ، (باقی)

تاریخ اسلام جلد اوّل

(از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ)

اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافتِ راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۴۰۸ صفحے، قیمت ہے ر

تاریخ اسلام جلد دوم

(بنی امیہ)

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جسمیں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابلِ ذکر اسلامی حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہو، اسلئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا پورا سلسلہ مرتب کرایا ہے، اس کے بعض حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اس نئے حصہ مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے، قیمت ہے ر

جلد سوم (بنی عباس) زیرِ طبع ہے،

"منیجر"

انجمن ہائے قرضۂ بے سودی

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعۂ عثمانیہ

"سود کی مذہبی حرمت سے قطع نظر خالص دنیاوی حیثیت سے بھی سودی قرضوں نے مسلمانوں کو جس نوبت تک پہنچا دیا، اسکے نتائج بالکل ظاہر ہیں، بعض کوتاہ نظر مسلمانوں نے مسلمانوں کو تباہ کن سودی قرضون سے روکنے کے بجائے شرعی حیلوں سے سود کے جواز اور اس کی ترویج کو مسلمانوں کے اقتصادی زوال کا علاج تجویز کیا ہے، حالانکہ قوموں کی اقتصادی ترقی کا مدار سود خوری پر نہیں، بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت کی اشاعت و ترقی پر ہے، گو بیشتر مسلمانوں کی تباہی کا سبب ان کا اسراف ہے، لیکن بعض حالات مین واقعی اور ناگزیر ضروریات نادار مسلمانوں کو سودی قرض لینے پر مجبور کر دیتی ہین، اس مجبوری کے پیش نظر خلافت راشدہ کے دور مین بیت المال سے حاجتمند مسلمانوں کی امداد اور ان کے قرضوں کا انتظام تھا، لیکن آج اس قسم کا کوئی اجتماعی نظام نہیں ہے، اور بہت سے مسلمان ضروریات کے موقع پر سودی قرض لینے کیلئے مجبور ہوجاتے ہین، سب سے اول اس ضرورت کا احساس حیدرآباد مین کیا گیا، اور آج سے پچاس ساٹھ برس پیشتر وہان بے سود کے قرض دینے والی انجمنین قائم ہوئین، یہ انجمنین اتنی کامیاب ہوئین کہ اب حکومت نے بھی ان کی جانب سرپرستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدیقی نے ان انجمنوں کی روداد ہمارے پاس اشاعت کیلئے بھیجی ہے، چونکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں کے مفاد اور وقت کے ایک اہم مسئلہ سے ہے، اور اس سے ان انجمنوں کے نظام اور ان کی کارگذاری پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے اس کو عام مسلمانوں کے سبق کیلئے شائع کیا جاتا ہے" م

رسالۂ معارف جہان علوم اسلامی کی بے بہا خدمت انجام دے رہا ہے، وہین معاشرۂ مسلمانان کی اصلاح مین بھی اسکی کارگذاری کچھ کم نہین ہے، اسی آخرالذکر قسم کا ایک امر ناظرین سے عرض کرنا ہے،

دنیاے اسلام مین ہرجگہ اور ہند مین خاص طور پر مسلمان افلاس اور فضول خرچی مین شہرت رکھتے ہین، نتیجہ قرضداری ہے، وہ قرضداری جس سے مسلمان کم ازکم پانچ دفعہ روزانہ نماز مین

اَللّٰھُمَّ انی اعُوذبِكَ منَ المَاثَمِ وَالمَغرَمِ، خدایا۔ مین تیرے ہان گناہ اور قرض سے پناہ چاہتا ہون،

کے الفاظ مین اظہار بیزاری کرتا ہے، لیکن یہ اظہار بیزاری بھی صرف لفظی ہوگیا ہے، عمل سے کوسون دور ہے،

انسانی معاشرے مین باہمی احتیاج قدیم سے ہے، اور انہی احتیاجون مین سے ایک رقم کی عارضی ضرورت بھی ہے کسی کے پاس فالتو رقم ہوتی ہے، اور کسی کو اس کی احتیاج عام حالتون مین یہ معقول تو ہے کہ فاضل رقم والا اپنی قرض دہی سے کچھ نفع حاصل کرے، لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہے، اخلاق فاضلہ کا بھی کچھ پاس ہونا چاہئے، اپنے بس و محتاج کی امداد اس کا ہمجنس انسان نہ کرے تو پھر مخلوقات میں کس سے آس رکھی جاسکتی ہے ؟!

یہی وجہ ہے کہ قدیم سے ہر مہذب مذہب نے ہرجگہ سودخواری کی ممانعت کی، اسلام نے تو اسے خدا و رسول سے اعلان جنگ کا لرزہ خیز نام دیا ہے،

یہ سب سہی لیکن دنیا مین جب تک انسان کو آزادی ہے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ "تکلیف دہ نیکی" پر بطور اکثر عامل ہو، اپنا روپیہ چاہے فالتو ہی ہو، دوسرے کو بے سودی قرض دے دینا، اور اس طرح ایک جوکھم مول لینا واقعی ایک "تکلیف دہ نیکی" ہی ہے، حکومت کے سوا عوام مین ایسے شاذ ہی ملین گے، جو بے سودی قرض دے سکین،

اور تمام تمدنون نے سود کی ممانعت جس حد تک کی ہو، لیکن اس کے اصل باعث پر توجہ نہ کی اسلام ہی

وہ واحد تمدن ہے جس نے سود کی ممانعت کے ساتھ ساتھ اس کے استیصال کے وسائل مہیا کئے (اور جیسا کہ عرض ہوا، قرضہ دینا اور سود سے دست برداری گوارا کرنا صرف کسی حکومت ہی کے لئے علی العموم آسان ہے، افراد عوام کے لئے نہیں) چنانچہ قرآن مجید نے اسے حکومت کے فرائض میں داخل کیا، اور حکم دیا کہ سرکاری آمدنی کا ایک حصہ قرضداروں کی اعانت کے لئے اٹھا رکھا جائے:۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین		بے شک زکوٰۃ وغیرہ کی سرکاری آمدنیاں
والعاملین علیھا والمؤلفة قلوبھم	قرضداروں کے لئے ہیں	فقیروں مسکینوں، وصول کنندہ افسروں
وفی الرقاب والغارمین الآیہ		مولفۃ القلوب، غلامی وقید سے رہائی اور

چونکہ آیت کے شروع ہی میں فقراء ومساکین آچکے ہیں، اس لئے ان قرضداروں سے مراد ناں شبینہ کے محتاج فقیر نہیں ہو سکتے، بلکہ وہی کھاتے پیتے لوگ ہو سکتے ہیں جنھیں عارضی طور پر قرض کی شدید ضرورت ہوگئی ہو،

یہ امر قابل عرض ہے کہ اس آیت میں "زکوٰۃ" کی جگہ "صدقات" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے، جس کی تشریح وتفصیل یہاں شاید غیر ضروری ہوگی،

سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے دور میں سرکاری خزانہ سے اہل حاجت مسلمان قرض حاصل کیا کرتے تھے، خود خلیفۃ المسلمین ضرورت کے وقت بیت المال سے قرض لیتے تھے، اور جب سالانہ یا شش ماہی تنخواہ دیوان سے ملتی تھی تو اس کو ادا کر دیتے تھے،

یہ سرکاری انتظام اگر جاری رکھا جاتا تو دنیائے اسلام میں سودخواری باقی ہی نہیں رہتی، حالیہ زمانوں میں اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ حکومتیں اتنی رعایا پروری کریں،

مملکت اسلامیہ دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن سے حالیہ زمانہ میں جہاں متعدد اصلاحی اقدام ہوئے ہیں، وہیں انجمن ہائے قرضۂ بے سودی بھی ہیں، ان کی کچھ تفصیل یہاں پیش کرنے کی اجازت چاہی جاتی ہے،

ابھی برطانوی ہند مین کواپرٹیو کی سودی انجمنین قائم بھی نہ ہوئی تھین کہ اس سے ایک نسل پہلے (اب سے پچپن، ساٹھ سال قبل) شہر حیدرآباد کے ایک درد مند مشائخ نے انجمن مؤید الاخوان قائم کی جو بانی انجمن کے لائق بیٹے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی معتمد مجلس علماے دکن کی توجہ سے اب تک جاری اور روز افزون ترقی کررہی ہے، اس انجمن کا اصول یہ رہا، کہ لوگ چرمِ قربانی اور دیگر خیراتی رقمیں اس ادارے کو دیدیا کرین، چھوٹی ابتدا کے باوجود اس انجمن نے اب دس پندرہ ہزار کا سرمایہ جمع کرلیا ہے، اور اب تک پانچ چھے لاکھ روپیہ بےسودی قرض دے چکی ہے، یہ چھوٹی انجمن ہے، لیکن والفضل للمتقدم،

اس اثنا مین مملکتِ آصفیہ مین اور بھی درجنون انجمنین بےسودی قرض کے لئے وقتاً فوقتاً قائم ہوئین جن مین متعدد اب بھی باقی ہین،

انھی مین سے ایک کا تفصیلی ذکر کرنا مقصود ہے محکمۂ بندوبست و داخلۂ حقوق اراضی (سٹل منٹ و لینڈرکارڈ) کی انجمن امداد باہمی قرضۂ بلاسودی نے چند ماہ ہوئے اپنا بیسوان سالانہ جلسہ کیا، اس مین بیان ہوا ہے کہ بیس سال مین اوس نے ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ کا سرمایہ جمع کرلیا ہے جس سے اب ماہانہ پانچ چھے ہزار کے جدید قرضے دیئے جارہے ہین، اس کا اصول امداد باہمی ہے

ہوتا یون ہے کہ مثلاً دس آدمیون نے ایک انجمن قائم کی، اور اس کا سو روپیہ کی مالیت کا ایک ایک حصہ خرید لیا، اور وعدہ کیا کہ ماہانہ ایک ایک روپیہ کی قسط ادا کی جائیگی، تاآنکہ سوا آٹھ سال مین پوری رقم ادا ہوجائے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے مہینے مین دس شرکا سے دس روپئے وصول ہوتے ہیں، جو ایک یا زائد شرکا کو قرض مین دیئے جاتے ہین، ادائی مثلاً بیس ماہ میں رکھی جائے تو ماہانہ آٹھ آنے قسط قرضہ مین وصول ہوتے، دوسرے ماہ مین دس روپیے مزید رقم حصص میں اور آٹھ آنے قسط قرضہ مین وصول ہوتے ہین، تیسرے ماہ علاوہ رقم حصص کے ساڑھے دس روپیہ کی قسط قرضہ آٹھ آنے سے کچھ زائد وصول ہوتی ہے، اور اس طرح ہرماہ آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، سوا آٹھ سال کے اختتام پر دس ہی غریب آدمیون سے ہزار روپئے جمع ہوجاتے ہین جو شرکا مین قرض کی

صورت مین پھیلے ہوے اور گشت کرتے رہتے ہین، اور محض اقساط قرضہ سے ماہ بہ ماہ اتنی رقم جمع ہو جاتی ہو کہ ضرورت مند شرکا کی ضرورت پوری ہو جائے،

نئے شرکا بڑھتے رہتے ہین، وفات وغیرہ سے کچھ خارج بھی ہوتے اور اپنی رقمین واپس بھی لیتے رہتے ہین لیکن اگر کارکن دیانت دار ہون تو انجمن کی ساکھ اور اس کا کاروبار پھیلتا جاتا ہے،

انجمن کے لئے بھی کھاتون اور کاغذ سیاہی وغیرہ کی ضرورت رہتی ہے، اس کی فراہمی کا انتظام یہ ہوتا ہے کہ شرکا مثلاً ایک پائی ماہانہ مد محفوظ و صادر کے لئے ادا کرتے ہین، درخواستِ قرضہ پر بھی ایک آنہ یا مناسب محصول لگایا جاتا ہے، یہ رقم اتنی ہو جاتی ہے کہ کاروبار کے پھیلنے پر محاسب کی تنخواہ وغیرہ بھی ادا ہو سکتی ہے اور مدِ محفوظ ناقابلِ بازیافت رقمون کے لئے بھی کام دیتی ہے، مثلاً کسی کی وفات ہو گئی، اور اس کی جمع سے زیادہ قرض وصول طلب ہے، اور اس کی ضمانت بھی اتفاقاً ناکافی ہو گئی ہے وغیرہ،

ضمانت شخصی بھی ہوتی ہے اور مالی بھی، شخصی کا مطلب یہ ہوتا ہو کہ ایک یا زائد اشخاص اقرار کرتے ہین کہ قرض گیرندہ اگر رقم ادا نہ کرے تو وہ اپنی ذات و جائداد سے ادا کر دین گے، مالی ضمانت مین زیور جائداد غیر منقولہ وغیرہ ہوتے ہین اور عموماً قرض کی مقدار سے ڈیوڑھی مالیت کے سامان قبول کئے جاتے ہین تاکہ قیمتون کے اتار چڑھاؤ سے جوکھم نہ رہے،

قرضے کی مقدار پر بھی پابندیان عائد ہوتی ہین، ایک حصہ لینے والا مثلاً زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپئے تک قرض لے سکتا ہو، اسی طرح ڈیڑھ سو کا حق ہونے کے باوجود کم آمدنی رکھنے مثلاً چپراسی ہونے کی صورت مین احتیاطاً اسکی مقدار گھٹ سکتی ہو وغیرہ اگر وقت واحد مین بہت سے قرض خواہ ہو جاتے ہین تو درخواست کے تقدم، ضرورت کی شدت اور گنجایش کا لحاظ کیا جاتا ہو، عموماً مجلسِ انتظامی ہر مہینہ جلسہ کرکے طے کرتی ہے کہ اس مہینہ مین کن کن لوگون کو کتنا قرض دیا جائے اس مین اگر بے جا پاسداری نہ ہو تو سب خوش رہتے ہین،

یہ اور دیگر انتظامی امور تجربے سے بھی معلوم ہو جاتے ہین، تجربہ کار انجمنون کے قواعد سے بھی علم ہو سکتا ہو، دفتر بندوبست کی مذکورہ انجمن مین اس وقت ایک ہزار شرکا ہین، ان مین مسلم بھی ہین اور غیر مسلم بھی، انجمن کے

اخراجات کے باوجود بچت کے ذرائع سے اب اس کا محفوظ سرمایہ تین ہزار روپیے کا ہوگیا ہے،

اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنا خرچ آمدنی سے زیادہ رکھے، اور کمی کی تلافی قرضے سے کرتا رہے تو لقمان کی حکمت بھی اس کی مدد نہیں کرسکے گی اور وہ جلد یا بدیر تباہ ہوجائے گا، انجمن ہائے قرضۂ حسنہ کا مقصد صرف ان لوگوں کی مدد ہے جن کے آمد وخرچ میں تو توازن ہو، لیکن اگر وقتی طور سے ان کو اتنی رقم کی ضرورت ہو جائے جو ان کی آمدنی سے فوری طور پر بچائی نہیں جاسکتی تو ان کو قرض دیا جائے،

مسلمانان ہند سے اسراف کی عادت کو چھڑانے اور آمد وخرچ میں توازن پیدا کرنے کے لئے بہت سے ذیلی وتکمیلی وسائل کی حاجت ہے، (علاوہ انجمن ہائے قرضۂ حسنہ کے) فضول مراسم کا ترک کرنا غیرضروری مصارف میں تخفیف بلکہ ان کا ختم کرنا، اور جیسا کہ مجلس علماء دکن نے تجویز کیا ہے اگر کوئی شخص اپنی سکت سے زیادہ محض دکھاوے کے لئے دھوم دھام سے کوئی تقریب کرے، اور اس کے لئے سودی قرض حاصل کرے تو ایسی تقریب کا بائیکاٹ کرنا چاہئے ہوسکے تو مجموعۂ تعزیرات میں ترمیم کرکے مسرفانہ مراسم انجام دینے والوں اور قرض لے کر بیجا وغیر ضروری امور کی تکمیل کرانے والوں کو قابل دست اندازی جرم کا مرتکب اور قابلِ سزا قرار دینا ہوگا"۔

بہرحال انجمن ہائے امداد باہمی قرضۂ بلاسودی نے حیدرآباد میں کافی مفید کام انجام دیا ہے اور اب وہ روزافزوں وسعت حاصل کرتی جارہی ہیں، ساٹھ سال کا طویل اور جہادی دور ختم ہوگیا ہے، اب حکومت بھی ان کی سرپرستی کررہی ہے، چنانچہ حکومت حیدرآباد نے حال میں لکھا ہو کہ "حکومت سرکار عالی دلچسپی کے ساتھ محکمۂ بندوبست کے ملازمین کی انجمن کی ترقی کو نوٹ کرتی ہے اور اس انجمن کی خصوصیت یعنی کاروبار کے بے سودی ہونے کے متعلق دیگر دفاتر کی انجمنوں کو بھی ترغیب دلاتی ہے، کیونکہ کسی انجمن قرضۂ امداد باہمی کا صحیح مقصد یہی ہو کہ کفایت شعاری کی حوصلہ افزائی اور اپنے ارکان کی خدمت ہو نہ کہ نفع اندوزی عمل میں لائی جائے"۔

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مع ضمیمۂ اضافہ جناب مسعود عالم صاحب ندوی، حجم ۷۰ صفحے قیمت ۱۲؎

طبِ فرشتہ

از

جناب سید عبد القادر صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

معارف بابت دسمبر ۱۹۴۳ء میں جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم الملقب بہ ہندو شاہ والمشہور بہ فرشتہ کی طبی تصنیف دستور الاطبا یا طبِ فرشتہ پر تبصرہ کیا ہے، اس مضمون کی ترتیب کے وقت جناب سید صاحب کے پیش نظر دستور الاطبار کا ایک نامکمل سا قلمی نسخہ تھا جو محض دو مقالوں پر مشتمل ہے، مضمون کے اخیر میں اونھوں نے معارف کے ناظرین سے استدعا کی ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس اس کتاب کا دوسرا یا بقیہ حصہ ہو تو انھیں مطلع کریں،

اس کے بعد معارف بابت جنوری ۱۹۴۴ء میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے دستور الاطبار کے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے کتب خانہ میں موجود ہے لیکن بدقسمتی سے یہ نسخہ بھی نامکمل ہے اس میں پہلے دو مقالے تو بدستور موجود ہیں، لیکن تیسرے مقالے میں ۱۶۰ کے بجائے صرف ۱۵ فصلیں ہیں، اخیر کی تین فصلیں نہیں ہیں، یہ نسخہ ۱۱۹۱ھ سے کچھ عرصہ پہلے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

میرے کتب خانہ میں دستور الاطبار کا ایک بالکل مکمل مگر مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جو ۱۳۱۹ھ میں مطبع افغانی امرتسر میں "بفرمایش و اہتمام حکیم مولوی نیاز علی خان" شائع ہوا تھا، اور قریبًا پندرہ برس کا عرصہ ہوا میں نے اس کو انہی حکیم صاحب سے خریدا تھا، قریبًا دس سال ہوئے حکیم نیاز علی خان کا انتقال ہوگیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا ذخیرۂ کتب منتشر ہوگیا، جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے مضمون کے شائع ہونے

کے بعد مین نے ایک عزیز کو جو امرتسر مین مدت سے مقیم ہین، اور مستند حکیم بھی ہین، لکھا کہ وہ دستورالاطبا کے بقیۃ السیف نسخون کی تلاش کرین، لیکن انھیں اس مین کامیابی نہیں ہوئی، نیا نسخہ توکیا انھین کوئی مستعمل نسخہ بھی نہین ملا، کیونکہ یہ کتاب مقبول عام نہیں ہوئی تھی، اور اس کی بہت کم جلدین فروخت ہوئی تھین، لیکن چونکہ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ مزید جستجو سے اس کی ایک دو جلدین مل سکتی ہین،

مطبوعہ نسخہ کا عنوان حسب ذیل ہے :

دستورالاطباء

تصنیف حکیم سید محمد قاسم آسترآبادی الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل ۱۰۱۱ھ

معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم نے استرآباد کو آسترآباد پڑھا، یا ممکن ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل سے مراد ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے، جو ۹۸۸ھ ہجری سے ۱۰۳۷ھ تک بیجاپور کا فرمانروا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ حکیم نیاز علی خان صاحب بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کی تاریخ سے ناواقف تھے، اس لئے انھون نے "ابراہیم عادل شاہ" کے بے ربط اور بے جوڑ سے نام کو بامعنی بنانے کے لئے "ابراہیم شاہ عادل" لکھ دیا،

دستورالعلاج کے اخیر مین ناشر نے ذیل کی عبارت کا اضافہ کر دیا ہے :-

"مستطاب دستورالاطبا مفید خاص وعام جامع مطالب طبابت ہندی و یونانی بطریقے کہ از تعریفش زبان قلم قاصر است حکیم سید محمد قاسم جامع علوم معقول و منقول الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ کہ تاریخ فرشتہ تصنیف او بدین وجہ موسوم است، ساکن احمد نگر بلدۂ بیجاپور در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل در ۱۰۱۱ھ مقدس تصنیف نمودہ نایاب بود، از نسخۂ صحیحہ قلمی مرقومہ ۱۰۸۱ھ نقل کردہ بکوشش بلیغ وخرچ کثیر در ۱۳۱۹ھ ہجری در مطبع افغانی شہر امرتسر..... مطبوع ومقبول خاص وعام گردید"

"ساکن احمد نگر بلدۂ بیجاپور" کی ترکیب سے بھی حکیم صاحب مرحوم کی دکن کی تاریخ سے عدم واقفیت عیان ہوتی ہے،

جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی تحریر فرماتے ہین کہ (دستور العلاج کا) دوسرا مقالہ کشتہ جات مفردہ ومرکبہ پر ختم ہو جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے دوسرے مقالہ کا غائر نظر سے مطالعہ نہیں کیا، یہ مقالہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے، اور ان میں سے صرف ایک باب (چودھوان باب) میں کشتہ جات پر بحث کی گئی ہے، اور باقی چودہ ابواب مین مفرحات، معجونات، جوارشات، قرصہا، حبوبہا، سفوفہا، سنونہا اور مطبوخات وغیرہ نباتی ترکیبین درج ہین، اور ان کے فوائد پر بحث ہے،

تیسرا مقالہ ایک سو ساٹھ فصول (یا ابواب) پر مشتمل ہے، اس میں عام اطبّاء کے دستور کے مطابق سر سے لیکر پاؤن تک تمام امراض کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے، اور ان کا علاج بھی بتلا دیا گیا ہے،

کتاب کے اخیر مین دو اور فصلیں "درخواص ذائقہ ہائے آب وہوا ے ربع مسکون مشتمبر دو فصل" ہین، لیکن یہ دونون فصلیں صرف دو صفحون مین ختم ہو جاتی ہین،

دستور العلاج بڑی تقطیع کے ۲۸۰ صفحوں میں ختم ہوئی ہے، کتابت اچھی ہے، مگر کاغذ معمولی ہے،

دولتِ عثمانیہ جلد اوّل

(مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین)

یہ مسلمانون کی زندہ حکومت ترکی کے عروج وزوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اوّل سے مصطفیٰ رابع تک پانچ صدیون کے مفصل حالات ہین، اردو مین اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہین لکھی گئی، حجم ۴۹۰ صفحے، قیمت ۳ ؎ ر

دولتِ عثمانیہ جلد دوم

سلطنتِ عثمانیہ کے عروج وزوال کی تاریخ، اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۹ء، قیمت صہ ر، ضخامت: ۴۰۸ صفحے،

"مینیجر"

اردو کی دو قدیم کتابیں

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

رسالہ معارف بابتہ جنوری ۱۹۴۴ء میں "نواح دہلی کی اردو کی دو قدیم کتابیں" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس کے متعلق چند امور قابلِ تذکرہ ہیں،

(۱) راقم کی کتاب "دکن میں اردو" کے حوالہ سے تحفۂ عاشقان کا تذکرہ کرکے اس کے سنہ تصنیف کی صحت کی گئی ہے،

بیشک راقم نے "دکن میں اردو" کے پہلے اور دوسرے اڈیشن میں وجدی کی تحفۂ عاشقان کو دکھنی زبان کی پہلی کتاب قرار دیا تھا، لیکن اس کے بعد جو تحقیقات کی گئی، اس کے لحاظ سے طبعِ ثالث میں اصلاح کردی گئی ہے،

دکھنی نظم کی پہلی کتاب جو اب تک دریافت ہوئی ہے، وہ نظامی کی مثنوی ہے، جو ۸۶۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے، اس کے متعلق راقم کا مضمون "بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکھنی شاعر" کے عنوان سے رسالہ معارف بابتہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے،

اس کے علاوہ خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی متوفی ۸۲۵ھ کی کتابیں جو نثر میں لکھی گئی ہیں، موجود ہیں البتہ خواجہ صاحب کی نظم کے متعلق ہنوز پوری تحقیقات نہیں ہوئی ہے،

(۲) زیرِ بحث مضمون میں "جواہرِ سخن" کے حوالہ سے بتایا گیا ہے، "وجہی پہلا شاعر تھا جس نے سب رس ۱۰۴۵ھ

مین لکھی ہے، جو اہر سخن مین وجہی کی مثنوی قطب مشتری کا تذکرہ ہے نہ کہ سب رس کا قطب مشتری کی تصنیف ۱۰۱۸ھ

مین ہوئی ہے،

۳۔ بحوالہ تاریخ ادب اردو محمد قلی قطب شاہ کی وفات ۱۰۲۲ھ میں بتائی گئی ہے، یہ صحیح نہین ہے تاریخ مذکور

مین قطب شاہ کا سنہ وفات ۱۶۲۵ء لکھا گیا ہے، سلطان کی وفات دراصل ۱۰۲۰ھ میں ہوئی ہے نہ کہ ۱۰۲۲ھ مین،

اس صحت کے بعد مجھے مضمون زیر بحث کی کتابون کے متعلق بھی کچھ صراحت کرنی ہے،

اس میں دو کتابون کا تذکرہ ہے، ایک مثنوی واقعات امامیہ ہے، اور دوسری کتاب دیوان منعم ہے،

اول الذکر مثنوی کے متعلق لکھا گیا ہو کہ یہ ۹۳۰ھ مین مرتب ہوئی ہو اور ثانی الذکر کے متعلق بتایا گیا ہو کہ یہ بھی اسی دور کی تصنیف ہے

صاحب مضمون نے واقعات کے لحاظ سے سنہ کی صراحت کی ہو لیکن تیقن کے ساتھ سنہ تصنیف کا حوالہ نہیں

دیا گیا ہو جو نہایت ضروری ہے، مضمون زیر بحث مین اس امر کی وضاحت نہین ہے کہ مثنوی واقعات امامیہ شاہ

غلام رسول برادر شاہ حافظ منور بایزید ثانی کی تصنیف ہونے کا کیا ثبوت ہے ؟

اس سے قطع نظر دیوان منعم کو ۹۳۰ھ یا اس زمانہ کا دیوان قرار دینے کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی،

ہوسکتا ہو کہ محمد اشرف منعم تخلص رکھتے ہون مگر کسی اور شخص کا تخلص منعم ہونا خارج از قیاس نہیں ہوسکتا،

زبان کے لحاظ سے دیوان منعم کو ہرگز ۹۳۰ھ کی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا، ملاحظہ ہون اشعار :-

دیکھ کر اس قد موزون کو زبس شرم کے ساتھ ۔۔۔ گڑ گیا خاک میں سرو آج گلستان کے بیچ

شمع اس یار کے رخسار کون دیکھ ۔۔۔ ہوئی فانوس میں جل کر کے روپوش

رونق نہین ہے صفحہ کی جدول بغیر دیکھ ۔۔۔ ایسے ہی حسن کے تئیں وے ہو بہار خط

ابر ہے، سبزہ ہو اور خندان ہو گل گلشن کے بیچ ۔۔۔ حیف ہو اس وقت مین ساقی نہین دیتا ایاغ

کونسا معشوق ہو جگ میں جلو عاشق کے ساتھ ۔۔۔ اس قدر عاشق نوازی کوں تری چھائی ہو شمع

ان اشعار کی زبان اس قدر صاف ہو کہ اس کو ۹۳۰ھ کی زبان تصور کرنے مین شبہہ کی کافی گنجائش ہے،

ادبیات

موجِ کوثر

از

مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی (علیگ)

"مولوی اقبال احمد خان صاحب نے حال ہی میں یہ پاکیزہ نعت لکھی ہے جو کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئی ہے، لیکن ابھی اس کی عام اشاعت نہیں ہوئی ہے، اور ناظرینِ معارف میں سے غالباً بہت کم اصحاب تک اس کے پہونچنے کی نوبت آئے، اس لئے ماہِ مبارک کی تقریب مین یہ پاکیزہ تحفہ ان کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے، یہ نظم بہت طویل ہے اس لئے کل نہین دیجا رہی ہے،

"م"

احمدِ مرسل، فخرِ دو عالم، صلّی اللہ علیہ وسلّم
مظہرِ اوّل، مرسلِ خاتم، صلّی اللہ علیہ وسلّم

جسمِ مزکی، روحِ مصوّر، قلبِ مجلّٰی، نورِ مقطّر
حسنِ سراپا، خیرِ مجسّم، صلّی اللہ علیہ وسلّم

طینت جس کی سب سے مطہّر، بعثت جس کی سب سے مؤخر
خلقت جس کی سب پہ مقدم، صلّی اللہ علیہ وسلّم

جس کی ہراول فوجِ سلیمان، جس کے منادی موسیٰ عمران
جس کے مبشر عیسیٰ مریم، صلّی اللہ علیہ وسلّم

بر مغِ فارس، قدس کے رہبان، کشورِ بابل، وادیٔ کنعان
سب کی زبان پر مژدۂ مقدم، صلّی اللہ علیہ وسلّم

۱؎ پوری نظم چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحون مین ہے، ۴ر قیمت ہے،

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی، دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

باغِ جہاں کا حارسِ نامی، جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ ملل تھی نظم سے خالی، بکھرے ہوئے تھے حق کی لآلی
اُس نے کیے سب آکے منظم، صلی اللہ علیہ وسلم

بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم، صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم

فرد و جماعت، امر و اطاعت، کسب و قناعت، عفو و شجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مُبہم، صلی اللہ علیہ وسلم

ربط و تصادم، طوع و تحکّم، فقر و تنعم، عدل و ترحّم
سب کے حدود بتائے باہم، صلی اللہ علیہ وسلم

حفظِ مراتب، پاسِ اخوت، سعی و توکل، رفق و فتوت
تلکَ حُدُود اللہ ہیں منضم، صلی اللہ علیہ وسلم

اُلفتِ قربیٰ، قطعِ علائق، حبِّ وطن اور حبِّ خلائق
کر دیے سب توحید میں مُدغم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس پہ تصدق وحیِ الٰہی، کنکریاں دیں جس کی گواہی
جس کا تفوّق سب پہ مُسلّم، صلی اللہ علیہ وسلم

خلقِ خدا کا راعیِ آخر، دینِ ہُدیٰ کا داعیِ آخر
جس کی دعوت اَسلِم تُسلَم، صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سما میں آیۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

آئینۂ الطافِ الٰہی، رحمت جس کی نامتناہی
جس کی ہدایت اِرحَموا تُرحَموا، صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی، پتھر برسائے
اُس پہ چھڑکی پیار کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

ستم کے عوض داروئے شفا دی، طعن سنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا نام اچھالے داور، آپ رَفَعنَا لَکَ فرما کر
بزمِ تجلی جس کا مخیم، صلی اللہ علیہ وسلم

صدقے جس کی خاکِ قدم پر، تختِ فریدوں، بختِ سکندر
سطوتِ کسریٰ، شانِ کے و جم، صلی اللہ علیہ وسلم

فقر و غنا دونوں کا سلطان، روح و جسد دونوں کا درماں
دین کا اور دنیا کا سنگم، صلی اللہ علیہ وسلم

دق میں جس نے سلطانی کی، جنگ میں جس نے جہاں بانی کی
زہد و سیاست کر دیے توام، صلی اللہ علیہ وسلم

لمعۂ قدس، تن بے سایہ جس کی بدولت خلق نے پایا
دینِ مکمل، خُلقِ مُتمم، صلی اللہ علیہ وسلم

اُسوۂ اجمل، دینِ مُفصّل، نطقِ مدلّل، وحیِ منزل
شرعِ مُعدّل، اسلم مسلّم، صلی اللہ علیہ وسلم

قبلہ نمائے سجدہ گذاران شعلۂ سینا جلوۂ فاران
صبحِ بہاران جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

عالمِ ناسوتی کا مجاہد، شاہدِ لاہوتی کا مُشاہد
شان میں ارفع، صبر میں اقوم، صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بسر کی نانِ جویں پر، سکہ چلایا چرخ و زمیں پر
فقر میں استغنا کا یہ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداقِ دَنیٰ فَتَدَلّٰی جس کی منزل عرشِ معلّٰی
نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

نظم میں جس کی نعتِ مُطہّر، انّا اعطینٰک الکوثر
اللہ اللہ شانِ معظّم، صلی اللہ علیہ وسلم

شرحِ الم نشرح وہ سینہ، برقِ تجلی کا گنجینہ
جگمگ جگمگ، چم چم چم چم، صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل، جتنے محاسن ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم، صلی اللہ علیہ وسلم

علمِ لدُنّی، شانِ کریمی، خُلقِ خلیلی، نطقِ کلیمی
زہدِ مسیحا، عفتِ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

زمزمۂ ہود اس کا فسانہ، نغمۂ داؤد اس کا ترانہ
اس کا ثنا خوان صانعِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اگر مقصود نہ ہوتے، کون و مکاں موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

مقصدِ امکان، مہبطِ قرآن، منبعِ احسان، مرجعِ دوران
روح کے درمان، قلب کے مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

نوری تن کملی میں چھپائے، بادل میں بجلی لہرائے
نور کا مینہ برسائے رم جھم، صلی اللہ علیہ وسلم

المدثر، المزمل، ذات اس کی کونین کا حاصل
خاک پہ سجدہ، عرش پہ پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

پردہ کشائے دیدۂ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
فرّ بہائے دودۂ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بندہ اور خدا سے واصل، خاکی اور نور کا حامل
اُمّی اور اسرار کا محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

اوجِ شرف کا بدر وہی ہے، بزمِ رسل کا صدر وہی ہے
بدرِ منوّر، صدرِ مکرّم، صلی اللہ علیہ وسلم

صدرِ امم، سلطانِ مدینہ، وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ
گلکدۂ فردوس کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا پیارا نام محمدؐ، فیض مؤبّد، فوز مخلّد ۔۔۔ حُسنِ مجرّد، نورِ مقدّم صلی اللہ علیہ وسلم

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایمان جن کا مولد ۔۔۔ دولتِ سرمد جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

بعدِ خدا ہر ایک سے افضل اشرفُ اکمل اطیبُ و اجمل ۔۔۔ اَصْدَقُ و اعدلُ اجود و احکم صلی اللہ علیہ وسلم

شافعِ محشر، ماحیِ عصیاں، حامیِ مضطر، حارسِ گیہاں ۔۔۔ ساقیِ کوثر، وارثِ زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

سروِ سیادت، قامتِ رعنا، صبحِ سعادت، جلوۂ سیما ۔۔۔ طاقِ عبادت، ابروے پُرخم، صلی اللہ علیہ وسلم

سیدِ بطحا، مُخبرِ صادق، عُروۂ وثقیٰ، مصحفِ ناطق ۔۔۔ برزخِ کبریٰ، آیۂ مُحکم، صلی اللہ علیہ وسلم

ابرِ دُرافشاں، سرورِ سامی، بدرِ درخشاں، جدِ گرامی ۔۔۔ حاذقِ دوراں، چارہ گرِ غم صلی اللہ علیہ وسلم

باطن و ظاہر طیبُ طاہر، خسرو قاہر، کوکبِ باہر ۔۔۔ جانِ مظاہر، مرکزِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کنزِ دقائق حصنِ حقائق، جانِ صدائق، روحِ خلائق ۔۔۔ سب پہ فائق سب پہ اقدم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا بذلِ عطا سے شامل جس کا فضل شفا سے عاجل ۔۔۔ جس کا حکم قضا سے مبرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے بسائی دل کی بستی جس کا نہو شبابِ ہستی ۔۔۔ نزہتِ گیستی جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

حُسنِ ازل کا جلوۂ رنگیں، بحرِ قدم کی موجِ نخستیں ۔۔۔ اوجِ ابد کا نیرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ رسالت مہرِ جلالت عینِ عدالت خضرِ دلالت

اے بکمالت ناطقہ ابکم، صلی اللہ علیہ وسلم

الصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد الانام

از

جناب یحییٰ اعظمی

سلام اُس پر ہوئی جس سے منور بزمِ امکانی ۔۔۔ سلام اس پر رُخِ اقدس تھا جس کا شمعِ ایمانی

سلام اُس پر لقب تھا رحمۃ للعالمین جس کا ۔۔۔ سلام اس پر کہ خود اک نامِ نامی تھا امیں جس کا

سلام اُس پر جو تھا ہمدرد و مخلص غم نصیبوں کا
سلام اُس پر جو تھا غمخوار مسکینوں غریبوں کا

سلام اُس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اُس پر جو دلسوزی سے بیواؤں کے کام آیا

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی کارسازی کی
سلام اُس پر کہ خو جس کی تھی ہمسایہ نوازی کی

سلام اُس پر کہ خود "الفقر فخری" جس نے فرمایا
سلام اس پر دلوں کو سوزِ حق سے جس نے گرمایا

سلام اُس پر دیا عدل و اخوت کا سبق جس نے
سلام اُس پر سنایا دہر کو پیغامِ حق جس نے

سلام اُس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اُس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے

سلام اُس پر جو بن کر "رحمۃً للعالمین" آیا
سلام اُس پر جو از سر تا قدم لطف آفریں آیا

سلام اُس پر دلِ عالم پہ جس نے بادشاہی کی
سلام اُس پر بداندیشوں کی جس نے خیرخواہی کی

سلام اُس پر جو تھا نوعِ بشر کا محسنِ اعظم
سلام اُس پر جو تھا چشم و چراغِ دودۂ آدم

سلام اُس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ و مولا
سلام اُس پر اٹھائی جس نے رسمِ بندہ و آقا

سلام اُس پر لٹائے گنج ہائے سیم و زر جس نے
سلام اُس پر نہ کھایا سیر ہو کر عمر بھر جس نے

سلام اُس پر فقیری میں تھی جس کی شانِ سلطانی
سلام اُس پر شتربانوں کو دی جس نے جہانبانی

سلام اُس پر سہے حق کے لئے رنج و محن جس نے
سلام اُس پر خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جس نے

سلام اُس پر بچھونا تھا حصیرِ بوریا جس کا
سلام اُس پر مُصَلیٰ تھا حریمِ کبریا جس کا

سلام اُس پر کہ بوسیدہ تھی پارینہ ردا جس کی
سلام اُس پر کہ اک کمبل تھا نورانی قبا جس کی

سلام اُس پر کبھی آسودہ ہو کر جو نہ سوتا تھا
سلام اُس پر کہ شب کے آخری حصوں میں روتا تھا

سلام اُس پر تھی شاہد بزمِ انجم جس کے "یارب" کی
سلام اُس پر کہ تھیں بیدار جس سے خلوتیں شب کی

سلام اُس پر کہ سجدوں سے جبیں جس کی منور تھی
سلام اُس پر کہ جس سے زینتِ محراب و منبر تھی

سلام اُس پر گلیم افروز تھا جس کا تنِ نوری
سلام اُس پر رخِ روشن تھا جس کا شمعِ کافوری

سلام اُس پر صفت "والشمس" جس کے روئے انور کی
سلام اُس پر شبستانِ جہاں جس نے منور کی

سلام اُس پر کہ سیما جس کا تھا آئینۂ ایمان
سلام اُس پر کہ سینہ جس کا تھا گنجینۂ عرفان

سلام اُس پر کہ تھا نورِ قدم کا پیکرِ آخر
سلام اُس پر کہ تھا حُسنِ ازل کا مظہرِ آخر

سلام اُس پر کہ فطرت جس کی تھی پرہیزگاری کی
سلام اُس پر تھی خوبی ختم جس پر صنعِ باری کی

سلام اُس پر کہ تھا دینِ ہُدیٰ کا قدوۂ اکمل
سلام اُس پر کہ تھا خلقِ حَسن کا اُسوۂ اجمل

سلام اُس پر کہ تھا پیغمبرِ اُمّی لقب جس کا
سلام اُس پر کہ تھا فیضانِ ربانی ادب جس کا

سلام اُس پر فدا تھا صاحبِ عرش بریں جس کا
سلام اُس پر کہ مشاطہ تھا خود روح الامیں جس کا

سلام اُس پر کہ تھی جس کی صفت مزمل و یٰسین
سلام اوس پر بتائے جس نے دین کے حکمت و آئین

سلام اُس پر رگِ فطرت کو بخشی زندگی جس نے
سلام اُس پر رُخِ ہستی کو دی تابندگی جس نے

سلام اُس پر کتابِ قدس ہو نعت و ثنا جس کی
سلام اُس پر زبانِ وحی ہے رمز آشنا جس کی

سلام اُس پر ہیں جس کی جلوہ گاہیں یثرب و بطحا
سلام اس پر کہ جس کی خواب گہ ہے گنبدِ خضرا

سلام اوس پر جوار پاک جس کا رشکِ سینا ہو
سلام اوس پر دیارِ محترم جس کا مدینہ ہو



آثارِ علمیہ و ادبیہ

مولوی ریاض حسن خان صاحب خیال کا مکتوب

بنام

نواب محمد اسحاق خان صاحب سکریٹری محمڈن کالج علیگڈھ

(بہ سلسلۂ ترتیب کلیات خسرو)

رسول پور ڈاکخانہ تھوا ضلع مظفر پور

۱۹ر فروری ۱۹۳۰ء

جناب نواب صاحب مخدوم و مطاع محترم دامت معالیکم،

تسلیم :- تبصرۂ جدید بصیرت افزا ہوا، یادآوری و مہرگستری کا شکر گزار ہون، کلیاتِ خسرو کی ترتیب واشاعت کے متعلق جو کاوش و کوشش کیجا رہی ہے اس سے بڑھکر اور کیا ممکن ہے خداوند تعالیٰ آپ کی کوشش کو مشکور فرمائے،

اچھا ہوا کہ مطلع الانوار کی تنقید نگاری مولوی احتشام الدین صاحب کے حوالہ کی گئی، مولوی فرحاد صاحب کی تنقید کی عبارت روزمرہ کے خلاف اور طرزِ بیان نہایت پیچیدہ ہے،

مجھے بڑی ندامت ہے کہ تواترِ سلسلۂ علالت کے باعث تنقید مذکور کو آج سے پیشتر واپس نہ کرسکا، آج بذریعہ رجسٹرڈ بکیٹ پوسٹ ارسال کرتا ہون، اُس پر جابجا سُرخ روشنائی سے، نوٹ مین نے لکھدیئے ہین وہ ملاحظہ

اُس تنقید مین زبان وطرز بیان کے علاوہ بعض مضامین بھی اصلاح طلب ہین، تنقید زیر تالیف مین اگر وہ مضامین اُس تنقید سے نئے جائیں تو میرے نوٹ بھی پیش نظر رہین،

مولوی فرجاد صاحب کی تحریر مین ایک نقص یہ بھی ہے کہ وہ بعض مقام مین تنقید کی حیثیت سے نکل کر ہجو ملیح اور کہیں ہجو صریح کی حد تک پہونچ گئی ہے، مصنف کی نکتہ چینی عیب نہین مگر اُس کو نکتہ چینی کی حد سے خارج نہ ہونا چاہئے،

اُس تنقید کے معائنہ کے زمانہ میں حضرت امیر خسرو کے بعض بعض محاسن جو میرے خیال میں آئے اور اُن کو اُس تنقید کے حاشیہ پر قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی اب تنقید جدید کے زیر تالیف ہونے کی خبر پاکر بعض کو اس عریضہ کے ذیل مین عرض کرتا ہون :-

۱- بے شبہہ حضرت نظامی کے خمسہ کو جملہ شعراء کے خمسون پر بحیثیت مجموعی ترجیح ہے، مگر بعض مقام ایسے بھی ہیں جہان حضرت امیر خسرو کے بیان کو فوقیت ہے، مثلاً حضرت نظامی نے جہان عدل وانصاف اور حُسن عمل کی ترغیب دی ہے، فرمایا ہے :-

آنکہ ترا توشہ رہ می دہد | از تو یکے خواہد و دہ می دہد
بہتر ازان مایۂ سازیت نیست | سود کن آخر کہ زیانیت نیست

اسی مضمون کو حضرت امیر خسرو اداے زکوٰۃ کے متعلق یون فرماتے ہین :-

آنکہ زیک دہ دہدت بیشکے | کمتر ازان کش دہی از چہل یکے؟
خواستہ، ناخواستہ، دادت خدا | وائے کہ تو خواستہ ندہیش باز!!
زانچہ نصاب ست نصیبے بدہ | مزد واے بطبیبے بدہ

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا کی تلمیح دونون صاحبون نے کی ہے، مگر کسی کام کی تحریک و ترغیب کے دو عنوان ہوتے ہین، ایک تو یہ کہ مخاطب کو اُس فعل مین اُس کا ذاتی نفع بتایا جائے کہ وہ اوس نفع کے لالچ سے اس کام کو کرے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ فعل اخلاقی حیثیت سے اُس کا فرض ثابت کیا جائے حضرت نظامی نے پہلا طریقہ

اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ "خدا جو تمھیں زادِ راہ دیتا ہے وہ ایک چاہتا ہے، اور اُس کا بدلہ دس دیتا ہے، ایسا اچھا گاہک نہ ملے گا، اُس کے ساتھ سودا کرنے میں تمھارا نفع ہی نفع ہے، گھاٹا نہیں ہے" اور حضرت امیر خسرو نے نہ صرف نفع کے خیال سے اس کام کی ترغیب دی ہے، بلکہ اس فعل کو غیرت کا مقتضٰے ٹھہرایا ہے، اور اخلاقی فرض بتایا ہے، یہ کہتے ہین کہ: "جو کوئی ایک کا عوض دس بڑھا کر دیتا ہے، کیا وہ اتنے کا بھی مستحق نہین کہ چالیس حصّون سے ایک حصّہ پائے، ؟ خدا نے تم کو، بے طلب، مال و متاع دیا ہے، کیا غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ تم اوس کو مانگنے پر بھی، نہ دو؟ جس کی بدولت تم صاحبِ نصاب ہوئے، اُس کو ایک نصیبہ دیدو، طبیب کی دوا سے تندرستی و توانائی حاصل کرکے اپنی محنتون کی مزد حاصل کرتے ہو، تو دوا کی مزد نہ بھولو"

اسی مضمون کو حضرت مولانا جامی نے بھی لکھا ہے :

حق چو ترا داد زر دینار بیست ۔۔۔ بخل بیک نیمۂ دینار چیست؟

ریخت زر درہم بکنارت دویست ۔۔۔ پنج چو خواہد بکنارہ باست،

مولانا جامی فرماتے ہین کہ "اللہ تعالیٰ نے جب تم کو بیس اشرفیان دی ہین، تم صرف آدھی اشرفی کے دینے مین بخالت کیا کرتے ہو، ؟ اوس نے پانسو درمون سے تمھارا دامن بھر دیا، وہ پانچ درم جو مانگتا ہے، الگ ہٹ کر پیچھا نہ چھڑاؤ" ظاہر ہے کہ امیر خسرو کا بیان اس سے کہین زیادہ مدلل اور بلیغ ہے، مولانا نے صرف ایک ہی دلیل دی کہ اُس نے تم کو زیادہ دیا ہے، تم کم دینے مین مضائقہ نہ کرو، اور امیر خسرو نے تین دلیلین بیان فرمائی ہیں،

۱۔ ایک تو وہی جس سے مولانا نے بھی استدلال کیا ہے،

۲۔ وہ ایک کا بدلہ دس دیتا ہے، اس مین لطافت یہ ہے کہ وہ چالیسوان حصّہ بھی جو تم دوگے، رائگان نہ جائے گا، اوس ایک کے عوض دس ملین گے،

۳۔ اوس نے بے طلب دیا، تم طلب پر تو دو،

امیر خسرو کے بیان کی ترجیح کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اونھون نے "خواستہ" کا لفظ کہا ہے، اور مولانا جامی "چو خواہد" کہتے ہین، فرائض مقرر ہو چکے ہین، اس لئے "خواستہ" کو "چو خواہد" پر ترجیح ہے،

"بخل بیک نیمہ دینار چیست" سے "کمتر ازان کش دہی از جل یکے" بھی زیادہ تر موثر ہے، غرض لفظاً و معنیً ہر طرح حضرت امیر خسرو کے یہ اشعار افضل ہین،

۲- معراج کے بیان مین بھی جہان امیر خسرو نے مہمان عزیز کی آمد آمد عالم بالا میں استقبال کی تیاری اور علویوں کے دولولہ و شوق اور بے قراری انتظار کا ذکر کیا ہے، وہ کیا باعتبار شکوہ الفاظ اور کیا بحیثیت اظہار جذبات حضرت نظامی کے کلام سے زیبا تر ہے،

مخزن اسرار		مطلع الانوار	
نیم شبے کان مہ گردون غلام کرد بدولت سوے گردون خرام	۱	نیم شبان کان ملک نیم روز کرد روان مشعل گیتی فروز	۱
دلولہ در عالم بالا گرفت غلغلہ در گنبد والا گرفت	۲	خود فلک از دیدہ عمارتش کرد زہرہ و مہ مشعلہ داریش کرد	۲
نہ تتق و ہفت صنم خاستند ہفت دہ خویش بیاراستند	۳	کرد رہا در حرم کائنات ہفت خط و چار حد و شش جہات	۳
ثابت و سیار درین انتظار ماندز بیرون و درون بیقرار	۴	پردہ بر انداختہ یعنی ملک خرقہ در انداختہ یعنی فلک	۴
خازن جنت زدل بے سکون گاہ برون آمد و گاہے درون	۵	چون دو جہان دیدہ برو داشتند سر زپے سجدہ فرو داشتند	۵
روضہ برآورد غبار بخور	۶		

	مطلع الانوار	مخزن اسرار
	ساختہ جاروب ز گیسوے حور	. . . .
۷	حور بره داشتہ چشم سیاه	. . . .
	گشتہ ز دیده درم افشان برہ	. . . .
۸	سدره و طوبی سو بدرے چنان	. . . .
	سجده کنان در شب قدری چنان	. . . .
۹	در همه ره کاو قدم کار زد	. . . .
	مرغ فلک بوسه بمنقار زد	. . . .
۱۰	بلبل طوبی که نواز د بلند	. . . .
	رقص در ادریس و مسیحا فگند	. . . .
۱۱	خاستہ طاؤس ملائک بکار	. . . .
	پایچہ بالا زده طاؤس دار	. . . .

حضرت امیر خسرو کے شعر نمبر۲ مین آمدآمد کی دھوم، شعر نمبر۳، نمبر۶ اور نمبر۷ مین جو استقبال کا سامان اہتمام، شعر نمبر۱۱ مین سرگرمی و مستعدی، شعر نمبر۱۰ میں جوش مسرت، اور شعر نمبر۴ و نمبر۵ میں جو انتظار کی بیقراری ہے، وہ حضرت نظامی کے ہان مفقود ہے،

۳۔ حضرت امیر خسرو کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شوق و بے قراری کی تصویر جب اور جہان کھینچتے ہین، خال وخط سے کامل ہوتی ہے، معراج کے بیان مین اہلِ آسمان کے ولولہ و شوق کا سمان ابھی نظر سے گذر چکا ہے، اب وہ کیفیت ملاحظہ ہو، جب اپنے پیر و مرشد کے حضور مین حاضر ہوئے ہین، ظاہر ہے کہ د فور شوق و بیقراری مین سرو پا کی فکر نہین ہوتی، اپنی آپ خبر نہیں رہتی، پستی و بلندی یکسان نظر آتی ہے، وہ ٹھوکرین کھا کھا کر کبھی جھکتا

کبھی گرتا ہے، کانٹے چبھتے ہین، مگر اپنی دھن مین بڑھا جاتا ہے، ان سب جزئیات کو کس صراحت وخوبی سے بیان کیا ہے :

گرم برون جستم ازان روضہ گاہ ——— نے خبرم از سر و نے از کلاہ
پاے نہادم برہ آشفتہ وار ——— کوہ غمم بردل و من بے قرار
نے غم ہستی کہ بہ پستی کشد ——— شربتے شوقے کہ بمستی کشد
. . . .
خار قدم دوز بہ پیرامنم ——— سوزنِ عیسی شدہ در دامنم
من شدہ چون رشتہ مریم بتاب ——— کردہ گزر از سرِ سوزن شتاب
روح چو مستے ز رکوع و سجود ——— وجد مصور شدہ نقشِ وجود
زین نمط آلودہ بشوق و نیاز ——— در نظر خواجہ رسیدم فراز

۴۔ حضرت امیر خسرو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قرآن واحادیث اور اقوال مشہورہ کی تلمیح اور اقتباس، بے تکلف نہایت صفائی اور روانی کے ساتھ، بکثرت کرتے ہین، چند مثالیں یہ ہین :-

اِنَّ المُتقین فی جنات ونھرٍ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدرٍ

در چمن روضۂ قدسش خرام ——— بر شرف مقعد صدقش مقام

وان من شیئٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

جسم وجمادے کہ بکوہ و در اند ——— ہم بزبانے بہ تعالی اللہ اند
سنگ وگیاہے کہ تو بینی خموش ——— غلغل شان ہست فلک را بگوش

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ہرچہ بدہر آدمی است و پری ——— نیست مگر بہر پرستش گری

مَن جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا

آنکه زیک ده دهدت بیشکے کمتر از ان کش دہی از چل یکے

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا

کارشناسے کہ رخ از کار تافت داغ جبین حمل اسفار یافت

انّ الینا ایابھم

یافتہ از درگہِ تو فتح باب بارگہِ انّ الینا ایاب

وجعلنا عالیھا سافلھا

راند چو بر صفحۂ ہستی قلم عالیھا سافلھا زد رقم

تعبد ربک کانک تراہ اور لاصلوٰۃ الّا بحضور القلب

دور زہدے کہ بیا زی بود (ق) شو بہ نمازے کہ نیازی بود

گم مشو از حضرت وجار ابین دل بہ حضور آر و خدا را ببین

کل امرءٍ مرھون باوقاتہ

گرچہ ہمی خواست سخن کام خویش لیک گرو بود بہنگامِ خویش

لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک

طرۂ ظلمت زنسیم بہار مشک فشان شد چو لب روزہ دار

۵- اخیر شعر اس بات کا بھی شاہد ہے کہ حضرت امیر خسرو پر مذہبی اثر اتنا غالب ہے کہ وہ استعارہ و تشبیہ مین بھی معتقداتِ مذہبی سے کام لیتے ہین، اس شعر کے علاوہ اور جگہ بھی اس قسم کی تشبیہ اُن کے کلام مین پائی جاتی ہے مثلاً

روز بقا چون بزوال اوفتاد از پس آن تن بہ ملال اوفتاد

چون ہمہ روزت نبد اعمال خوب سجدۂ مکروہ بود ورغ دب

آخری عمر کی عبادت کو سجدۂ وقت غروب سے تشبیہ دیا ہے،

اب یہ عریضہ بہت طویل ہوا جاتا ہے، اس لئے اور خصوصیات کے بیان کو دوسرے موقع کیلئے اٹھا رکھتا ہوں،

مثنوی مجنون لیلیٰ قسم دوم میرے پاس پہونچ چکی ہے، حُسن کتابت، حُسن تصحیح اور حُسن طبع کل محاسن اس مین موجود ہین، مگر جلد صفائی کی محتاج ہے، طلائی کام صاف نہین، "سلسلۂ کلیات خسرو" اور علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس" ان دونون ٹھپون کے اکثر طلائی حروف اس جلد مین مٹے ہوئے ہین، جلد ساز کو ہدایت کیجائے کہ آیندہ یہ نقائص نہ ہونے پائین،

مثنوی آئینۂ اسکندری اور مثنوی دول رانی خضر خان کے طیار ہو جانے کی خبر علی گڈھ اور مولوی مقتدا خان صاحب شروانی کے خط سے معلوم ہوئی، ان دونون مثنویون کی ایک ایک جلد قسم دوم بذریعہ ویلیوپے ایبل پوسٹ روانہ فرمائی جائے، امید ہے کہ ان کی جلدین صاف ہون گی، اور طلائی کام، اور طلائی حروف کہین سے مٹے ہوئے نہ ہون گے،

اور کیا عرض کرون عوانی مزاج عالی کا طالب ہون، فقط والتسلیم

خاکسار

محمد ریاض حسن عفی عنہ

مطبوعاتِ جدیدہ

خلافت وسلطنت ایران مین ازمنۂ وسطیٰ مین (انگریزی) از جناب ڈاکٹر امیرحسن صاحب صدیقی، ضخامت: ۱۷۵ صفحے، قیمت مجلد: للعہ، پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور،

مصنف نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے یہ مقالہ لکھا تھا جسے شیخ محمد اشرف صاحب ناشر و تاجر کتب لاہور نے کتابی صورت مین شائع کر دیا ہی، اس کا موضوع ازمنۂ وسطیٰ مین ایران مین خلافت وسلطنت کے تعلقات کی تاریخ ہے، عباسی خلافت اگرچہ پانسو سال سے زیادہ قائم رہی، لیکن اس کے عروج کا زمانہ معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) پر تمام ہوگیا تھا، اور ترکون کے عروج واقتدار نے خلفار کی عظمت بالکل ختم کر دی تھی، اور ان کا عزل ونصب ان کے ہاتھون مین آگیا تھا، اس دور زوال سے عباسی قلمرو مین خلافت بغداد کے ماتحت نیم آزاد اور خود مختار حکومتون اور سلطنتون کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس کے زوال کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتا گیا، تاآنکہ آخری زمانہ میں خلافت صرف بغداد اور اس کے نواح میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، اور اس میں بھی خلفا کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے، مغرب یعنی مصر وشام اور شمالی افریقہ مین جو حکومتین قائم ہوئین، ان مین بعض آزاد تھین، اور بعض کا خلافتِ بغداد سے برائے نام تعلق رہا، مشرق مین یا لمہ یا آل بویہ کے سوا جو شیعہ تھے، باقی سب حکومتین مذہبی عقیدہ کی بنا پر خلافتِ عباسیہ کی عظمت کرتی تھیں، اس کی سیادت مانتی تھین، اور اپنے کو اس کا خادم تصور کرتی تھیں، آل بویہ جن کو عباسیون سے کوئی عقیدت نہ تھی، یا جن سُنی حکومتون میں بھی خلافت کی سیادت سے آزادی

کا جذبہ پیدا ہوا، وہ بھی سیاسی مصالح کی بنا پر اس سے تعلق قائم رکھنے اور کم از کم زبان سے اس کی سیادت کے اقرار اور اس کا ظاہری احترام قائم رکھنے پر مجبور تھین، اس لئے کہ عباسیہ کی دینی مرکزی حیثیت ہر دور مین قائم رہی اور اُسکی تصدیق اور اجازت کے بغیر کوئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کیجاتی تھی، اور اس کی حیثیت غاصب سے زیادہ تصور نہ کیجاتی تھی، اس لئے عباسیون کے دور مین وسط ایشیا مین طاہری، سامانی، صفاری، غزنوی، دیلمی، سلجوقی، خوارزمی جتنی حکومتین قائم ہوئین، ہر دور مین عباسی خلافت کے ساتھ ان کا نہایت گہرا مذہبی اور سیاسی رابطہ رہا، بلکہ دیلمی اور سلجوقی تو خلافت بغداد کے متولی تھے، گو خلافتِ بغداد اور ان حکومتون کے سیاسی حالات و مصالح، اور ان کے ضعف و قوت کے اعتبار سے مختلف دورون مین ان کے تعلقات کی نوعیت بدلتی رہی، لیکن ان کا تعلق ہر حال مین خلافتِ بغداد کے ساتھ قائم رہا، اور خلافتِ عباسیہ کے دورِ زوال کی پوری تاریخ درحقیقت اس کے اور ان حکومتون کے تعلقات کے مد و جزر اور اس کے نتائج سے عبارت ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب میں ان تعلقات، اس کے عہد بعہد کے تغیرات، اور اس کے نتائج پر محققانہ اور جامع تبصرہ کیا ہے، اس تبصرہ مین عباسیہ کے دورِ زوال اور ان کی حکومتون کی تقریباً پوری سیاسی تاریخ آگئی ہے، اس ضمن مین خلافتِ اسلامیہ کے صحیح تصور اور اصلی منصب اور ان سلطنتون کے قیام کے بعد سیاسی حالات کی بنا پر، اس کے فقہی و قانونی تغیرات کا تذکرہ بھی آگیا ہے، کتاب تلاش و محنت سے لکھی گئی ہے، اور تاریخِ اسلام کے طالب علمون کے مطالعہ کے لائق ہے،

دستور الفصاحت، مرتبہ جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور،

تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ بہتر، ٹائپ صاف و روشن، قیمت مرقوم نہین، پتہ مصنف سے ملیگی،

اردو زبان کے قواعد پر قدما نے بہت کم کتابین لکھین، اور جو دو چار لکھی بھی گئین، ان مین انشاء اللہ خان کی دریاے لطافت کے علاوہ اور کسی کو شہرت اور قبولِ عام حاصل نہ ہوا، چنانچہ اسی زمانہ میں حکیم احمد علی خان یکتا لکھنوی نے اس موضوع پر دستور الفصاحت لکھی، جو افادی حیثیت سے دریاے لطافت سے کم نہین، اور

اپنی قدامت کی وجہ سے اہم کتاب ہے لیکن اس کے نام تک سے لوگ ناواقف ہین، اور اسکے قلمی نسخے بھی نایاب ہین چند سال ہوئے، اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ رامپور کے لئے خریدا گیا تھا، دستور الفصاحت مین اردو کے قواعد کے ساتھ شعرا کے تذکرہ کا بھی ایک حصہ ہے، اس میں میر و سودا کے عہد سے لیکر کتاب کی تصنیف کے زمانہ یعنی تیرہوین صدی کے وسط تک ہر دور کے بارہ بارہ اساتذہ کا مختصر تذکرہ اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، اس سے ان شعراء کے حالات کے متعلق بعض نئی باتین معلوم ہوتی ہین، جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی نے کتاب کے مقدمہ کو جو اردو زبان کے متعلق بعض مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور تذکرۃ الشعراء کے حصہ کو مبسوط مقدمہ اور تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مرتب کرکے شائع کیا ہے، اور اصل کتاب یعنی قواعد کے مباحث کی مفصل فہرست دیدی ہے، تذکرہ مین جن شعراء کا ذکر ہے، ان کے حالات اور جن مطبوعہ و قلمی تذکرون مین ہین، حاشیہ میں ان سب کا حوالہ دیدیا ہے اور بعض قلمی تذکرون کی عبارتین نقل کر دی ہین، کتاب کے شروع میں لائق مرتب کے قلم سے مصنف کتاب کے مختصر حالات اور کتاب کے قلمی نسخہ کی مفصل کیفیت ہے، مرتب کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل اور محققانہ تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اس مین ان ساٹھ پینسٹھ قلمی مطبوعہ تذکرون اور کتابون کے حالات ہیں جن سے دستور الفصاحت کی ترتیب و تحشیہ میں مدد لیگئی ہے، اور ان کے متعلق مفید معلومات جمع کر دیے گئے ہیں، اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شائقین کو بعض نادر قلمی تذکرون کا حال معلوم ہوگیا اور اس موضوع پر آیندہ کام کرنیوالون کے لئے نشان راہ مل گیا، اس کتاب کا سب سے مفید اور پُر از معلومات حصہ فاضل مرتب کا مقدمہ ہے، اس کو انھون نے جس محنت اور تلاش و تحقیق سے لکھا ہے، اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، کتاب کے آخر میں اشخاص اور کتب کے اسماء اور اعلام کا انڈکس بھی دیدیا ہے، کتاب میں طباعت کی جو خفیف فروگذاشتیں رہ گئی ہین، آخر مین ان کا صحت نامہ لگا دیا گیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سے ایک قلمی و نایاب تذکرہ کی اشاعت سے بھی بڑھکر یہ فائدہ یہ ہوا کہ اردو میں قلمی کتابون کی ترتیب و تہذیب اور تصحیح و تحشیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ سامنے آگیا،

مداوا مرتبہ جناب غلام احمد صاحب فرقت کاکوروی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۴ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد للعہ پتہ ،مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنو،

ترقی پسند ادب کے نام سے نوجوانون مین عریان نویسی اور فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اور اردو زبان میں جس قسم کا پست اور مخرب اخلاق لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی مضرتون کو ہر سنجیدہ طبقہ نے محسوس کیا اور بلا تفریق قدیم وجدید تعلیم یافتہ دونون جماعتون کے سنجیدہ اصحاب علم اور ارباب قلم نے اس کے خلاف آواز بلند کی، اور اس کی اصلاح کے لئے مضامین لکھے مذکورۂ بالا کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک مفید اصلاحی کوشش ہے، ترقی پسند ادب کا شاہکار ہ معریٰ شاعری ہے، جو بحر و اوزان اور قوافی کی آزادی کے ساتھ معنی ومفہوم کے لحاظ سے بھی عموماً آزاد اور محض پراگندہ اور بے ربط خیالات، بے معنی فقرون اور بے ربط جملون بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے، کہ موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ ہوتی ہے، خوش مذاق مرتب نے ان نظمون کا نہایت دلچسپ خاکہ اڑایا ہے، اور اس کے جواب میں انہی کے ہمرنگ نظمین لکھی ہین، یہ نظمین اتنی کامیاب ہین، کہ اگر ان کے نقل ہونے کا علم نہ ہو تو ان مین اور ترقی پسند شاعری مین امتیاز کرنا مشکل ہے، ان نظمون کے ساتھ ان سنجیدہ مضامین کو بھی جو ہندوستان کے مختلف اصحاب علم وادب نے ترقی پسند ادب کی اصلاح کے سلسلہ مین لکھے ہین، اور اس کے متعلق مشہور ادیبون اور اہل قلم کی رایون کو جمع کر دیا ہے، ان مین پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، سید مسعود حسن صاحب رضوی، نواب جعفر علی خان آثر لکھنوی، ڈاکٹر عندلیب شادانی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، پروفیسر علی عباس صاحب حسینی، نیاز صاحب فتحپوری، اختر علی صاحب تلہری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہین، ان کے علاوہ اور بہت سے اصحاب قلم کی رائین ہین، ان نامون سے ترقی پسند ادب کے متعلق ہندوستان کے صاحب نظر ادیبون اور اہل قلم اصحاب کے خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے، ترقی پسند ادب کی بے راہ روی اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ بھی جو خود ایک زمانہ مین اپنے دور کے ترقی پسند ادب کے علمبردار رہ چکے ہین، موجودہ ترقی پسند ادب کی غلط روی محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے، اور نئے ترقی پسند ادیبون کی گرم روی کے مقابلہ مین انھین پسپا ہونا پڑا،

یہ مضامین محض مخالفانہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں علمی و ادبی حیثیت، ترقی پسند ادب کے نقائص اور مفاسد پر سنجیدہ نگاہ ڈالی گئی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کیجائے،

گردش ازجناب مجنون گورکھپوری، تقطیع اوسط، حجم ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ: کتب خانہ علم و ادب دہلی،

کئی سال ہوئے مصنف نے یہ افسانہ اپنے رسالہ ایوان گورکھپور میں لکھا تھا، کتبخانہ علم و ادب نے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، یہ افسانہ مصنف کے دوسرے افسانوں کی طرح رومانی و قنوطی اور حزن و طرب کے مخلوط جذبات کا آئینہ ہے، اس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان کی تقدیر اوس کے اعمال و کردار میں، اور وہ اپنے اعمال و کردار کے اچھے بُرے نتائج کا خود ذمہ دار ہے، پورا افسانہ اسی مرکزی خیال کی دلچسپ اور سبق آموز تفسیر ہے، خیالات اور تحریر میں مصنف کی پختگی نمایاں ہے لیکن اس میں جذبات کی وہ بے ساختگی اور دلکشی نہیں، جو ان کے بیشتر افسانوں میں پائی جاتی تھی، عمر کی رفتار کے ساتھ ساتھ عموماً فن میں تو زیادہ پختگی آجاتی ہے، لیکن فطری جوش اور دلکشی کم ہوجاتی ہے، مصنف ایک خوش مذاق صاحب قلم ہیں، کتاب کے انتساب میں معلوم نہیں انھوں نے اس خوش مذاقی پر کیوں داغ لگانا پسند کیا،

نغمۂ آتشیں مرتبہ جناب صباح الدین عمر صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، جلد خوبصورت، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- محکمۂ اطلاعات صوبہ متحدہ لکھنؤ،

موجودہ جنگ سے اگرچہ براہ راست ہندوستان کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اوس کے عالمگیر اثرات سے وہ بھی محفوظ نہیں، بلکہ اپنی غربت و محکومی کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ اس کا شکار، اور اس کا ہر طبقہ اس کے نتائج سے متاثر ہے، یہاں کے شعراء نے بھی اس کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں، مرتب کتاب نے ان نالوں کو نغمۂ آتشیں کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض پرانی نظموں کا رخ بڑی خوبصورتی کے ساتھ موجودہ جنگ کی طرف پھیر اگیا ہے، اس مجموعہ میں ہر مسلک و خیال کے شعراء کی نظمیں ہیں، جس سے جنگ کے متعلق مختلف طبقوں کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، اکثر شعراء کے فوٹو بھی دیدیئے گئے ہیں، ان میں دو مسلمان خواتین بھی برافگندہ نقاب اپنے اسلحہ سے مسلح میدان رزم میں صف آرا نظر آتی ہیں،

" م "

جلد ۵۳ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

زمانہ کے عام اقتصادی حالات اور بعض مستقل آمدنیوں کے رُک جانے کی وجہ سے ادھر کچھ دنوں سے دار العلوم ندوہ کی مالی حالت بہت ناقابلِ اطمینان ہوگئی تھی، بڑی مشکل سے اخراجات چلتے تھے، ندوہ کے دوسرے صیغوں کی مد سے کئی ہزار کا قرض دار العلوم پر ہوگیا تھا، ان حالات میں اس کی دستگیری کے لئے کارکنوں کی نگاہ اسی اسلامی ریاست کی طرف اٹھی جو ہندوستان کے تمام اسلامی اداروں کا ملجا و ماویٰ ہے، اور جیسا کہ اس سرکار کی علم نوازی سے توقع تھی، بارگاہِ سلطانی سے ندوہ کی سابق تین سو ماہانہ امداد میں مزید تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہوا، اور متفرق قرضوں کی ادائگی کے لئے پندرہ ہزار نقد کی اُمید دلائی گئی یقین ہے کہ عام مسلمان اور تمام وابستگانِ ندوہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کی اس دین پروری اور علم نوازی کے منت پذیر و سپاس گذار ہوں گے، اس شاہانہ امداد کے علاوہ حیدرآباد کے اصحاب خیر سے آٹھ ہزار نقد چندہ وصول ہوا، اور ابھی کچھ وعدے ہیں، جن کے انشاء اللہ جلد پورے ہونے کی توقع ہے، اللہ تعالیٰ ان محسنین کو اس کارِ خیر کا صلہ عطا فرمائے، اس گرانقدر امداد سے ندوہ کو فی الجملہ بڑی تقویت حاصل ہوگئی



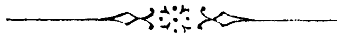
چند دن ہوئے علی گڈھ میں "اسلامی جماعت" کے نام سے ایک نئی مجلس کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے، اس مجلس کا مقصد مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح اور اسلامی شعائر کی پابندی کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کا احیاء ہے، حال میں مجلس کے کارکنوں کی جانب سے اس کے اغراض و مقاصد اور اس کا نظامِ عمل شائع ہوا ہے، اس سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اب کارکنوں نے عملی قدم اٹھایا ہے اور وہ ہر صوبہ میں مجلس کی شاخیں قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ ارادہ نہایت

مبارک ہو، لیکن اس قسم کی تحریکیں عموماً آل انڈیا بننے کے بعد بے نتیجہ ہو جاتی ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس تحریک کا بھی یہی انجام ہو، اس لئے اگر مجلس مذکور اس وسیع دائرۂ عمل میں اپنی زیادہ توجہ مسلم یونیورسٹی پر صرف کرے تو یہ سارے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت سے کم مفید نہ ہوگا، یونیورسٹی مسلمانوں کا مرکزی تعلیمی ادارہ ہے جس میں ہندوستان کے ہر حصہ کے نوجوان طلبہ، اہل علم و صاحب دماغ فضلاء کا اجتماع ہے، اگر اس کے اساتذہ اور طلبہ میں صحیح اسلامی روح پیدا ہو جائے اور وہ یہاں سے مذہبی اثرات لیکر نکلیں تو ان کے ذریعہ خود بخود یہ چیز سارے ہندوستان میں پھیل جائے گی، لیکن اصلی سوال عملی کوشش کا ہے، اس قسم کی مجالس کے قیام سے اتنا تو بہرحال اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہوا کا رُخ بدل گیا ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی مسلمانوں کی اصلی اور صحیح اصلاح کا احساس پیدا ہو گیا ہے جو امید ہے کہ آیندہ چل کر کوئی مفید صورت بھی اختیار کرلے،

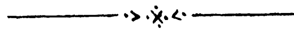
آل انڈیا مسلم ہسٹری کانگریس کا پہلا اجلاس گذشتہ سال لاہور میں منعقد ہوا تھا، دوسرا اجلاس ۷-۸-۹- اپریل کو اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہو رہا ہے، امید ہے کہ یہ اجلاس کامیاب ہوگا اور ہندوستان کے اہل علم اور فضلا، اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پڑھیں گے، اس اجلاس میں ترکوں کی تاریخ کی ترتیب کے مسئلہ پر بھی غور ہوگا، گو اس کانفرنس کا دائرۂ عمل وسیع ہے اور اس میں ہندوستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ملکوں کی بھی تاریخ آجاتی ہے، لیکن سب سے مقدم کام ہندوستان کی تاریخ کی تدوین کا ہے، ترکوں کی تاریخ کی تدوین کا فرض کفایہ ایک حد تک دار المصنفین نے ادا کر دیا ہے اور دولت عثمانیہ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں ترکی کی تاریخ یہاں سے شائع ہو چکی ہے، جدید ترکی پر تیسری جلد زیر ترتیب ہے،

حال میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے حدیث کی دو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں، ایک

حافظ یعقوب بن اسحاق المعروف بہ ابی عوانہ المتوفی ۳۱۶ھ کی مشہور مسند کا پہلا حصہ دوسری حافظ ابوبکر محمد بن حسن المعروف بہ ابن فورک المتوفی ۴۰۶ھ کی "کتاب مشکل الحدیث و بیانہ"۔ مسند کا یہ حصہ کتاب الصلوٰۃ تک ہے، حافظ ابن فورک بہ یک واسطہ امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد اور چوتھی صدی کے نامور اصولی فقیہ اور اشعری متکلم تھے، اس کتاب میں اشعری نقطۂ نظر سے ان احادیث کی تاویل و تشریح کی گئی ہے جن کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق تشبیہ و تجسم کا گمان ہو سکتا ہے، اس پہلو سے یہ کتاب اہم ہے،



اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر مسرت ہوئی کہ اردو انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد جو حیدرآباد میں زیر ترتیب تھی، پریس میں چلی گئی، اس اہم کام کی توقع حیدرآباد ہی سے ہو سکتی تھی، حیدرآباد کے اہل علم نے اردو بولنے والوں کی جانب سے یہ بڑا فرض ادا کیا، لیکن اصل چیز انسائیکلوپیڈیا کی معنوی حیثیت ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ علمی معیار پر کہاں تک پوری اترتی ہے، اس کے فاضل مرتبوں سے توقع اسی کی ہے کہ معلومات اور تحقیق دونوں کا معیار بلند ہوگا،



مشہور انگریز مستشرق پروفیسر فلپ کے ہٹی کی قابل قدر تالیف "ہسٹری آف دی عربز" تاریخ اسلام پر جامع اور محققانہ کتاب ہے، عام یورپین مورخین کے برعکس مصنف نے اس کتاب میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو بڑی حد تک صحیح نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان کے علمی و تمدنی کارناموں پر عالمانہ تبصرہ کیا ہے، یہ کتاب اپنی جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، ہم کو خواجہ عبدالوحید صاحب سکریٹری اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کے خط سے معلوم ہوا کہ انسٹی ٹیوٹ مذکور نے اس کام کو انجام دیا ہے، ترجمہ پورا ہو چکا ہے، امید ہے کہ جلد ہی شائع ہوگا، اس کی اشاعت سے تاریخ اسلام کے متعلق اردو میں ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوگا

مقالات

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

"مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کے مفید اور پُر از معلومات مضمون اسلامی معاشیات کا جو سلسلہ معارف میں نکلا تھا، اوس کے بعض ضروری اجزاء باقی رہ گئے تھے،

یہ مضمون رسالہ سیاست حیدرآباد میں شائع ہو چکا ہے، لیکن یہ اس سلسلہ کی ایک ضروری کڑی ہے نیز اس کی افادی حیثیت اس کی متقاضی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کیجائے، اس لئے اس کو رسالہ سیاست سے نقل کیا جاتا ہے"۔

"م"

مجلہ تحقیقات علمیہ ۱۹۴۰ء میں "حکومت کی آمدنی" کے عنوان سے خاکسار کا جو مقالہ شائع ہو چکا ہے، میری جس کتاب کا وہ ایک حصہ تھا، اسی کے بعض دوسرے حصص کو اب "سیاست" میں ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ کی فرمائش پر شائع ہونے کے لئے دے رہا ہوں، مجلہ میں جو حصہ شائع ہوا ہے، اس کے متعلق

بھی مین نے لکھا تھا اور پھر اسی کو دہرانا چاہتا ہون کہ دراصل میری چند یادداشتون کا یہ مجموعہ ہے، کامل استیعاب اور احاطہ کی کوشش نہین کی گئی ہے، مقصود صرف یہ ہو کہ "اسلامی معاشیات" کے متعلق جو حضرات کام کرنا چاہتے ہین ان کے سامنے فقہ کی کتابون مین جو مواد پایا جاتا ہے، وہ پیش کر دیا جائے، جیسے جیسے موقع ملتا چلا جائے گا، اور فرصت ہمدست ہو گی، بتدریج دوسری چیزین بھی آپ کے سامنے آتی رہین گی،

اس موقع پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہون کہ "اسلامی معاشیات" اور مسلمانون کے معاشیات میں جو فرق ہے کام کرنے والون کو چاہئے کہ اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھین، اس قسم کی قومین جن کے پاس اپنے مذہبی وثائق کا کوئی مکمل اور غیر مشتبہ ذخیرہ نہین ہے، وہ تو مجبور ہین کہ اپنے ہم مذہب مفکرین کے خیالات و آراء کو بھی اپنے مذہب ہی کی طرف منسوب کر کے پیش کرین، لیکن مسلمانون کو اسمین فرق کرنا چاہئے' اسلام نے جو نظام زندگی پیش کیا ہے اس کا سرچشمہ کتاب و سنت و اجماع ہے فقہی مسائل اسلام کے ان ہی اساسی مستندات سے ماخوذ ہین، باقی تیرہ سو سال میں دنیا کے مختلف حصون مین بجائے خود مسلمان مفکرین نے زندگی کے مختلف پہلوؤن کے متعلق جو کچھ سوچا سمجھا، یا اپنی کتابون مین انھین درج کیا ہے، وہ مسلمانون کی چیز تو کہلا سکتی ہے لیکن غلط بیانی ہو گی اگر ان کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے، اس وقت جو چیز آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہے، اس کا براہ راست تعلق اسلام سے ہے مسلمان مفکرین کے آراء و نظریات کو مین نے الگ جمع کیا ہے، جو اس سے بالکل جداگانہ چیز ہے،

(مناظر احسن گیلانی)

صحاح کی مشہور حدیث ہے کہ بندے قیامت کے دن اُس وقت تک اپنی ٹانگون پر کھڑے رہین گے جب تک کہ چار باتون کے جواب سے فارغ نہ ہو لین، ان ہی چار گانہ سوالات مین ایک بڑا اہم سوال یہ بھی ہو گا کہ

عن مالہ من این اکتسبہ وفیم انفقہ، (ترمذی) آدمی سے پوچھا جائے گا اپنے مال سے یعنی اس مال کو کن ذرائع سے اُس نے حاصل کیا اور کن راہون میں

سچ پوچھئے تو معاشیات کے قانونی یا فقہی مسائل کا تعلق ان ہی دو باتون سے ہے، دوسرے لفظون مین یون خیال کیجئے کہ دولت کے دخل وخرچ کے متعلق اسلام نے مسلمانون کو جو عملی ضابطہ دیا ہے، اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل پیش ہوگی، دولتِ عباسیہ کے پہلے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف نے بھی اپنی مشہور سیاسی ومعاشی کتاب "کتاب الخراج" جو خلیفہ ہارون الرشید کی فرمایش سے لکھی گئی ہے، اس مین بھی قاضی صاحب نے تمہید کلام مین اسی حدیث کو اسلامی معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہے،

اس "معاشی ضابطہ" کے اساسی قوانین کو پیش نظر رکھ کر فقہائے اسلام رحمہم اللہ اجمعین نے جزئیات کے متعلق دفتر کے دفتر جو تیار کر دیئے ہین، ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب مین ان سب کا احاطہ ناممکن ہے، تاہم مین کوشش کرون گا کہ ایک خاص ترتیب سے اس سلسلہ کے اہم مسائل کو اپنی اپنی جگہ پر درج کر دون، ہوسکتا ہے کہ راہ بن جانے کے بعد آیندہ کام کرنے والے اس پر اور اضافہ کرین،

معاشیات کے دو اسکول

پہلا اسکول واقعہ یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے سوا خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نا ریخ کے نامعلوم زمانے سے بنی آدم مین ایک طبقہ ان لوگون کا پایا گیا ہے، جو مالیات یا تحصیل دولت وصرفِ دولت دونون کو ہر قسم کی اخلاقی و مذہبی پابندیون سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے، "کمانا چاہیے" خواہ کسی ذریعہ سے ہو، "اڑانا چاہیے" خواہ خرچ کی جو راہین بھی ہون،

اس سلسلہ مین یہان تک دیکھا گیا ہے اور اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ جن کی زندگی بظاہر دینی اور شرعی ہوتی ہے یعنی نماز، روزہ، درود و وظائف، حج و قربانی، ان تمام امور کے وہ پابند ہوتے ہین، لیکن یہی لوگ جو اس قسم کی مذہبی پابندیون کو اپنے لئے لازم سمجھتے ہین، مالیات کے مسئلہ مین ہر قسم کی بے قیدیون کا دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہین، اس مکتب خیال یا مسلکِ عمل کا تذکرہ قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ذکر مین کیا ہے یعنی حضرت شعیب نے جب ان پر معاشی قوانین کی پابندیون کو عائد کرنا چاہا تو ان کو جواب دیا گیا کہ

قالوا یاشعیب اصلوتک تامرک — اونھون نے کہا شعیب! کیا تمھاری نمازین
ان نترک مایعبد اٰبآئنا و ان — یہ بھی حکم کرتی ہین کہ جن معبودون کو ہمارے
نفعل فی اموالنا مانشاءُ، — باپ دادا پوجتے تھے، انھین ہم چھوڑ بیٹھین
(ہود ۸۷) — اور یہ کہ ہم اپنے اموال (دولت) کے متعلق
جو چاہین کرین (اس مین وہ رکاوٹ پیدا ہو)

صرف یہی نہین بلکہ قوم شعیب کے معاشی ماہرین نے ان کے طرز عمل پر اظہار تعجب کیا، اور ان کی عقل و فہم جس کا انھیں ایک مدت سے تجربہ تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان روشن خیالون نے طنز کے لہجہ مین کہا کہ

انک انت الحلیم الرشید — تم تو بڑے بھاری بھر کم باوقار سوجھ بوجھ کے آدمی ہو،

بہرحال معاشیات کا یہ تو ایک آزاد مکتب خیال ہے تحصیل دولت کے ذرائع پر بظاہر ان کے نزدیک کسی قسم کی قید عائد کرنا سوجھ بوجھ عقل و دانائی کے خلاف ہے، بلکہ جس کو جس وقت جس ذریعہ سے بھی حصول دولت کا موقع ملے، بدعقلی ہوگی کہ اوس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، یا روپیہ رہتے ہوے اپنی خواہش خواہ جس بات کی ہو، آدمی پوری نہ کرے، قرآن نے جن الفاظ مین ان کے اس معاشی نظریہ کا ذکر کیا ہے، اوس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب جو عموماً لوگون کے خیال مین پوجا پاٹ یا صلوٰۃ مین منحصر ہے، معاشی کاروبار مین اس کی دخل اندازیون کو وہ ناپسند کرتے تھے، اسی لئے اونھون نے کہا کہ تمھاری نمازین کیا اتنی بھی روکتی ہین کہ ہم اپنے اموال کے متعلق جو چاہین کرین،

دوسرا مکتب خیال — اسی کے مقابلہ مین معاشیات ہی کا ایک دوسرا اسکول بھی ہے، جو دوسرے پہلوؤن کی طرح انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو بھی چند خاص حدود مین رکھنا چاہتا ہے، یعنی وہی بات جو حدیث مین آئی کہ

من این اکتسبہ وفیما انفقہ — کہان سے کمایا اور کس راہ مین خرچ کیا،

دونون پر نگرانی قائم کرنا چاہتا ہے، تقریباً ہر زمانے مین اس طبقہ کی بھی کمی نہین رہی ہی، عملی طور پر خواہ اس اصول کے ماننے والون کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو، لیکن نظری حیثیت سے اگر دیکھا جاے تو اکثریت کم از کم زبان سے اس

نگرانی کی ہمیشہ حامی رہی ہے، اسی لئے چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، دھوکا وغیرہ ذرائع کسب کو اچھی سوسائٹیون میں ہمیشہ بُری نظرون سے دیکھا گیا ہے، غالباً اسی بنا پر دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک مین حد بندی عائد کرنے والے معاشی قوانین پائے جاتے ہین، اسلام کا تعلق بھی ثانی الذکر طبقہ سے ہے، اور اس وقت مین انہی پابندیون کی کلی حیثیت سے تفصیل کرنا چاہتا ہون، جو ان دونون امور یعنی "من این اکتسبہ" یا دوسرے لفظون مین "دخل" اور "فیم انفقہ" یا "خرچ" پر اسلام نے عائد کئے ہین، دونون سوالون پر دو مستقل عنوانون کے نیچے بحث کی جائے گی،

دخل

دخل یعنی مال و دولت کے کمانے اور ان سے استفادہ کے ذرائع پر اسلام نے جو قیود عاید کئے ہین، اسکی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چاہئے کہ اجمالاً پہلے دنیا کی چیزون کی اس تقسیم کو سمجھ لیا جائے جو معاشی حیثیت سے اسلام مین اختیار کی گئی ہے،

اسلام مین اشیاء کی معاشی تقسیم | واقعہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابون مین اگرچہ مالی مسائل کو مختلف ابواب کے ذیل مین منتشر کر کے بیان کیا گیا ہے لیکن تمام ابواب کے مسائل کو پیش نظر رکھکر منطقی طریقہ سے چاہین تو ہم اُن کو یون تقسیم کر سکتے ہین یعنی ان چیزون کا بنی آدم مین کوئی مالک ہے یا نہین، اگر مالک نہیں ہے، تو قبضہ کرنے کے بعد بھی آدمی اون کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جن چیزون کا کوئی مالک ہے، ان کی بھی دو صورتین ہین، مالک کی مرضی کے بغیر اسلام ان پر دوسرون کو قبضہ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہین، اگر دیتا ہے تو اس کی کتنی صورتین ہین، اور نہین دیتا ہے، تو پھر ان چیزون کے مالک ہونے کے قانونی ذرائع کیا ہین، اور اسلام ان قانونی پابندیون کو ان چیزون کے مالک ہونے کے لئے کیون ضروری قرار دیتا ہے، چونکہ ان تمام منطقی شقون کے نیچے کچھ نہ کچھ چیزین داخل ہین، اس لئے مین ہر ایک پر الگ الگ بحث کرتا ہون،

ایسی چیزین جن کا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مالک نہین ہے، ہدایہ مین ہے :-

الانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس	سمندر و دریا کے پانی سے استفادہ کی نوعیت وہی ہے
والقمر والھواء،	جو آفتاب، ماہتاب اور ہوا سے استفادہ کا حکم ہے

(کتاب الشرب، ج ۴) (یعنی ہر شخص کو ان سے استفادہ کا عام حق حاصل ہے)

جس سے معلوم ہوا کہ سمندر دریا وغیرہ اور ان کا پانی اور آفتاب ماہتاب وغیرہ اور ان کی روشنی اسی طرح ہوا اور فضا کا کوئی مالک نہین ہے، اسی طرح ہوا کے پرندے جنگل کے جانور اور سمندر کے حیوانات ان سب کا بھی کوئی مالک نہین ہے، اور یہی حال جنگل، پہاڑ وغیرہ کے درختون اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی مالک ہے، اور نہ ان کے پھلون کا، بلکہ ہر شخص کے لئے وہ شرعاً مباح اور جائز ہین، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین اخروٹ، بادام وغیرہ کے خودرو جنگلی درختون اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اذا کان فی المفاوز والجبال علی الاشجار — جب یہ چیزین صحرا اور پہاڑون مین درختون
اوفی الکھوف فلا شیء فیہ وھو — مین یا پہاڑ کے غار مین ہون تو اُن پر کچھ نہیں،
بمنزلۃ الثمار تکون فی الجبال والاودیۃ — (یعنی حکومت کوئی محصول عائد نہین کر سکتی) اور
ان کا حال ان پھلوں کا ہے جو پہاڑوں اور وادیون مین ہون

باقی اراضی یعنی زمین کی بھی اسلام مین چند قسمیں ہین، صاحب بدائع نے ان اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے،

والارض فی الاصل نوعان مملوکۃ و — زمین کی دراصل دو قسمین ہین، زمین جو کسی کی ملک ہو
الارض مباحۃ غیر مملوکۃ والمملوکۃ — ایک قسم، دوسری قسم مباح یعنی کسی کی ملکیت مین نہ ہو
نوعان عامرۃ وخراب والمباحۃ — پھر جو زمین کسی کی ملک ہے، اس کی بھی دو قسمین ہین،
ایضاً نوعان نوع ھو من مرافق — آباد اور غیر آباد، اسی طرح غیر مملوکہ مباح زمین
البلدۃ محتطبا لھم ومرعی لمواشیھم — کی بھی دو قسمیں ہین، ایک وہ جس کا شمار بلد (آبادی)
ونوع لیس من مرافقھا وھو المسمی — کی سہولت آفرینیون سے ہو، مثلاً لکڑی حاصل
بالموات، — کرنے کی جگہ ہے، مویشیون کی چراگاہ ہو، اور دوسری
وہ جس کا شمار مرافق سہولت آفرین خطے سے نہ ہو (بدائع ج ۶ ص ۱۹۲)

جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمین غیر مملوک بھی ہوتی ہین، اور ظاہر ہے کہ جب ان پر کسی کا قبضہ نہین تو ان کے مملوک ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہین، سوال اس کے بعد ہوتا ہے کہ ان چیزون کی تملیک کی کیا شکل ہے؟ عام طور سے ان چیزون کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے، جو عموماً دنیا مین مروج ہے ابو داؤد مین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے،

من سبق الی مالم یسبق الیہ مسلم فھو احق بہ،	جس پر کسی مسلمان کا پہلے قبضہ نہ ہو جو پہلی دفعہ قبضہ کرے گا وہی اس کا زیادہ حقدار ہے،

فقہاء نے اس حدیث کی بنا پر یہ قانون پیدا کیا، جیسا کہ ہدایہ مین ہے،

مَنْ سَبَقَتْ یَدُہٗ اِلَیْہِ فِی مِلْکِہٖ،	یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہو گا وہی اس کا مالک ہو جاتا ہے؛

مثلاً کہتے ہین کہ

مَنْ اَحْتَطَبَ فی مفازۃ فھو لہ ومن اصطاد صیداً فھو لہ	جنگل مین جو لکڑی کاٹ لے اور شکار کو جو شکار کرے وہ اُسی کا ہو گا،

لیکن باوجود اس عام قانون کے چند چیزین ایسی ہین جن کو اسلام مین بعض خاص شرائط کے ساتھ اس قانون سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزین جن پر کسی کا قبضہ ہی نہین ہو سکتا، اور ان کو وہ اپنی حفاظت میں نہیں لے سکتا، مثلاً آفتاب و ماہتاب ہوا وغیرہ ان کا تو ظاہر ہی ہے کہ آدمی مالک نہین ہو سکتا، ہدایہ مین ہے کہ

الانتفاع بالشمس والقمر والھواء فلا یمنع من الانتفاع بہ علی ای وجہ شاء،	آفتاب ماہتاب ہوا سے فائدہ اٹھانے سے کوئی روکا نہیں جا سکتا جس طرح چاہے ان سے استفادہ کر سکتا ہے،

اسی بناپر فقہاء کا یہ مسئلہ ہے کہ دو منزلہ مکان کی نچلی منزل کا کوئی اگر مالک ہو اور اوپر والی منزل کا کوئی اور، پھر اوپر والی منزل گر جائے تو اس فضا یا ہوا کو جس مین یہ اوپر والی منزل تھی، اس کو کوئی بیع نہین سکتا، ابن ہمام نے اس کی وجہ فتح القدیر مین یہ لکھی ہو کہ مکان کو بلند کرنے کا جو حق اس کو حاصل تھا وہ

حق متعلق بالھواء ولیس الھواء	ایک ایسا حق ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہے، اور
مالاً یباع (۴۔۲۰۴ مطبوعہ مصر ج ۵)	ہوا کوئی مال نہین ہے، جسے بیچا جائے،

اشتراکی سرمایہ پانی، آگ گھاس

لیکن علاوہ ان چیزون کے اور بھی چند امور ہین جن پر خواہ کسی کا قبضہ ہی کیون نہ ہو جائے لیکن عام مفاد کے لئے اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ انفرادی طور پر قانوناً کوئی ان کا مالک نہین ہوسکتا، بلکہ انھین عام پبلک پراپرٹی قرار دینا چاہتا ہے، اس سلسلہ مین عموماً کتابون مین اگرچہ تین ہی چیزون کا تذکرہ کیا جاتا ہو یعنی مشہور حدیث ہی،

الناس شرکاء فی الماء والکلاء	لوگ تین چیزون میں ایک دوسرے کے ساتھ
والنار،	اور شریک ہین، یعنی الماء (پانی) الکلاء (گھاس)
(صحاح)	النار (آگ) ہین،

اسی حدیث کی بنا پر پانی، گھاس آگ "من الناس" یعنی عام پبلک شریک سمجھی جاتی ہے،

اشتراکی سرمایہ کے ملحقات

لیکن صرف انہی تین چیزون تک اشتراک کے قانون کو محدود سمجھنا صحیح نہین ہو بلکہ اس ذیل مین اور بھی ایسی چیزین ہین جن کو انفرادی ملک قرار دینے کی صورت مین اندیشہ ہے کہ

ان ملکہ احد بالاحتجاز ملک منعہ	اگر احاطہ بندی کرکے کوئی اس کا مالک ہوجائیگا
فضاق علی الناس فان اخذ العوض	تو لوگون کو اس سے روکے گا اور عوام ضیق تنگی
عنہ اغلاہ لا تخرج عن الموضع	مین مبتلا ہوجائین گے، اور اگر اس کا معاوضہ
الذی وضعہ اللہ من تعمیم ذوی الحوائج	لے گا تو اسے گران کر دیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

من غیر کلفة المغنی،	حق تعالیٰ نے جس غرض کے لئے اس چیز کو جو
(ص ۱۵۷ - ج ۶)	مقام عطا کیا تھا، وہاں سے وہ چیز ہٹ جائیگی
	یعنی عام حاجتمندون کی ضرورت بغیر کسی کلفت
	ومشقت کے پوری ہو یہ بات جاتی رہیگی،

اسی لئے علامہ ابن قدامہ نے اس سلسلہ مین حسب ذیل چیزون کا اضافہ کیا ہے،

المعادن الظاهرة وهی اللتی یوصل	ظاہری معادن ان کو کہتے ہین جن تک بغیر کسی
مافیها من غیر مونة ینتابها الناس	محنت ومشقت کے رسائی حاصل ہو سکے لوگون
وینتفعون بها کالملح والماء و	کی اس پر آمد ورفت جاری ہو، اور لوگ اس
الکبریت والقیر والمومیاء و نفط	سے نفع اٹھاتے ہون مثلاً نمک گندھک پچ
والکحل والیاقوت ومقاطع الطین	(ڈامر) مومیا، نفط (مٹی کا تیل) سرمہ یاقوت
واشباه ذلك،	یا مٹی نکالنے کی جگہ ہو،

علامہ لکھتے ہین کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ چیزین

لاتملك بالاحیاء ولایجوز اقطاعها	نہ آباد کرنے اور حکومت سے جاگیر ملنے کی وجہ سے
لاحد من الناس ولا احتجازها دون	ان امور کا کوئی مالک ہوتا ہے، اور نہ یہ جائز ہے
المسلمین لان فیه ضرراً بالمسلمین	کہ عام مسلمانون پر اس سے استفادہ کی راہ بند
وتضییقاً علیهم،	کی جائے، کیونکہ اس سے مسلمانون کو نقصان
	پہونچے گا، اور ان پر تنگی ہوگی،

فقہاء نے اس قانون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو ابو داؤد ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ابیض بن حمال نامی صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ وسلم نے ان کی درخواست مآرب

(یمن) کے ایک کھاری چشمہ کو بطور جاگیر کے عطا فرما دیا، لیکن سند لے کر جب وہ روانہ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضورؐ نے خیال نہین فرمایا کہ اس شخص کو جاگیر مین کیا چیز عطا فرمادی گئی، وہ تو ایک نہ ختم ہونے والا جاری چشمہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا "فلا اذن" یعنی جب وہ ایسا چشمہ ہے تو پھر وہ جاگیر مین نہیں دیا جا سکتا۔

اسی لئے فقہا نے یہ طے کر دیا ہو کہ حکومت اس قسم کی چیزین کسی کو جاگیر مین بھی دے، جب بھی وہ کسی کی جاگیر نہین بنے گی، اور وہ ہر حال مین پبلک جائداد ہی رہے گی،

علاوہ ان معادن کے فقہا نے انھین مصالح کی بنا پر لکھا ہے کہ

لیس للامام ان یقطع مالاغنی للمسلمین عنہ یعنی اذا کانت اجمۃ او غیضۃ او شجر یشربون منہ او مملحۃ لاھل بلد لا فلیس للامام ان یقطع ذلک لاحد،	ایسی چیزین جن سے عموماً مسلمان بے نیاز نہین ہو سکتا، یعنی ان کی عام ضرورت کی چیزین ہون تو حکومت کو حق نہین ہے کہ کسی خاص آدمی کی جاگیر مین ان کو دے دے مثلاً کوئی اجمہ (آبی نیستان) ہو یا جنگل ہو، یا دریا ہو جس سے پانی پیتے ہون یا نمک بنانے کی جگہ کسی خاص آبادی کی ہو، جائز نہ ہوگا کہ امام کسی کو یہ چیزین جاگیر

(عنایہ برحاشیہ ہدایہ ج ۴ ص ۳۸۲) مین دے۔

اسی طرح آبادی کی چراگاہین یا ارد گرد کی جھاڑیاں جن سے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہین یا آبادی کے اطراف کی ایسی زمینین جن پر کھلیان وغیرہ لگاتے ہین، اور ان کا کوئی مالک نہ ہو تو فقہا نے لکھا ہے،

ماکان خارج البلد لا من مرافقھا ومحتطباً لاھلھا او مرعی لھم لا یکون مواتاً حتی لا یملک الامام اقطاعھا،	آبادی سے باہر جو سہولت کی چیزین ہون اور باشندون کو لکڑی حاصل کرنے کی جگہ ہو تو یہ سب ایسی چیزین نہ ہوا ت (یعنی ایسی زمین نہین ہو سکتی ہین جنھین آباد کر کے کوئی ان کو ذاتی ملک بنا سکتا ہو) اور نہ امام (حکومت) ان

(کفایہ برحاشیہ فتح القدیر ج ۸ ص ۱۳۸) کو جاگیر مین دے سکتا ہے۔

زیلعی نے اس دفعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :-

فَنَاءِ العامر فینتفعونَ بہ لاَنھُوْ محتاجون الیہ لرعی مواشیھو و طرح حَصَائد ھم فلم یکن انتفاعھم منقطعا عنہ ظاھراً فلا یکون مَواتا

آبادی کے اطراف واکناف کی زمین کا بھی یہی حکم ہے، کہ عام لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہین لوگ اپنی مویشیون کے چرانے کے لئے اور کھلیان لگانے کے لئے اس کے محتاج ہین، اوراس وجہ سے استفادہ کا جو حق ہے، وہ اس قسم کی زمینون سے منقطع نہین ہوسکتا، اس لئے اس کا الموات (آباد کرکے آدمی جس کا مالک ہوسکتا ہو) اس مین شمار نہین ہوسکتا،

(زیلعی بر ہدایہ ج ۴ ص ۳۸۰)

اسلام نے جب ان چیزون مین انفرادی ملک کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ شاہراہ عام یا عام آبپاشی کے ذرائع جنھیں یون بھی پبلک کی ملک خیال کیا جاتا ہے، ان مین انفرادی ملک کو کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے، فقہ کی کتابون مین اس کی صراحت کردی گئی ہے کہ جس طرح مندرجہ بالا امور کو حکومت کسی کی انفرادی ملک نہین قرار دے سکتی، اسی طرح

لا اقطاعہ کمشارع الماء وطرقات المسلمین،

جائز نہ ہوگا کہ پانی کے خزانون اور مسلمانون کی عام شاہراہون کو حکومت کسی کی جاگیر مین دیدے،

(ابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۸)

نہ حکومت دے سکتی ہے، اور نہ آبادی کے باشندے ان پر قبضہ کرکے اپنی ملک بنا سکتے ہین، کفایہ شرح ہدایہ مین ہے :-

وکن لا یجوز احیاء ما تعلق بہ حق

یون ہی آباد کرکے قبضہ کرنے کی اجازت ان

العامة کما فی النھر والطریق،	چیزون کے متعلق بھی نہین دیجا سکتی جن کے ساتھ عوام کا حق متعلق ہو، مثلاً نہر اور راستہ کا جو حکم ہے،
(ج ۴ ص ۳۸۲)	

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، آگ، گھاس، اور ایسے معادن جن کی پیداوار کے حاصل کرنے مین کسی محنت و مشقت جد وجہد اور مصارف کی ضرورت نہین ہوتی، اور عام لوگون کی ضرورت کی چیزین ان سے برآمد ہوتی ہون، آبادی کی چراگاہین، جنگل جھاڑ، جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس مین آباد کار اپنی زرعی کاروبار کرتے ہون، مثلاً کھلیان وغیرہ لگاتے ہون، یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزین نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے، اور نہ قبضہ کرکے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا ہے، اگر کوئی قبضہ بھی کرے گا تو قانوناً غلط ہوگا، اور ہمیشہ یہ پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اشتراکی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے لیکن فقہاء نے اون کی مختلف قسمون پر غور کیا ہے، اور بعض چیزون کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی اونھون نے چار قسمین قرار دی ہین، صاحب بدائع لکھتے ہین،

پانی کی مختلف قسمین اور ان کے مختلف احکام | صاحب بدائع لکھتے ہین :-

المیاہ اربعة انواع الاول الماء الذی یکون فی الاوانی والظروف والثانی الذی یکون فی الآبار والحیاض والعیون الثالث ماء الانھار الصغار اللتی تکون لاقوام مخصوصین والرابع ماء الانھار	پانی کی چار قسمیں ہین، پہلی قسم پانی کی وہ ہے جو برتنون اور ظروف میں ہو، دوسری قسم وہ ہے جو کوؤن اور حوضون اور چشمون مین ہو، تیسری قسم وہ ہے جو اون چھوٹے دریاؤن اور ندیون مین ہو جن کا تعلق خاص خاص قومون سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑے بڑے دریا، جیسے

العظام کجیحون وسیحون ودجلہ والفرات | جیحون اور سیحون، دجلہ و فرات وغیرہ میں ہو،

بڑے بڑے دریا کا پانی | پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے، کہ جو پانی بڑے بڑے دریا مثلاً جیحون، سیحون یا ہندوستان میں گنگا جمنا، کرشنا گوداوری کا ہے، یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے، ہر شخص کو اس سے خود پینے کا، جانوروں کو پلانے کا اور کھیتوں باغوں کے سینچنے کا قانونی حق ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں

الانہار العظام کسیحون وجیحون	بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیحون دجلہ و فرات
ودجلۃ والفرات ونحوھا فلا	اور اسی قسم کے جو دریا ہیں، یہ کسی کی ذاتی ملک
ملک لاحد فیھا ولا فی رقبۃ	نہیں بن سکتے، نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک
النھر ولا لاحد حق خاص فیھا	ہو سکتا ہے، اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان
ولا فی الشرب بل ھو حق عامۃ	دریاؤں کا پانی بہتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص
المسلمین. فلکل احد ان ینتفع	کا ان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے،
بھذہ الانہار بالشفۃ والسقی،	نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی
	خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام
	مسلمانوں کا حق ہے، اسی لئے ہر شخص کو حق حاصل
	ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور سیرابی
	دونوں قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے،

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا | صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی ہو یا باشندگان ملک کو اور کسی قسم کا نقصان نہ پہونچتا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتی کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے :-

العامۃ کما فی النھر والطریق،	چیزون کے متعلق بھی نہین دیجا سکتی جن کے ساتھ عوام کا حق متعلق ہو، مثلاً نہر اور راستہ کا جو حکم ہے،
(ج ۴ ص ۳۸۲)	

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، آگ، گھاس، اور ایسے معادن جن کی پیداوار کے حاصل کرنے مین کسی محنت و مشقت جدوجہد اور مصارف کی ضرورت نہین ہوتی، اور عام لوگون کی ضرورت کی چیزین ان سے برآمد ہوتی ہون، آبادی کی چراگاہین جنگل جھاڑ جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس میں آباد کار اپنی زرعی کاروبار کرتے ہون، مثلاً کھلیان وغیرہ لگاتے ہون، یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزین نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے، اور نہ قبضہ کرکے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا ہے، اگر کوئی قبضہ بھی کرے گا تو قانوناً غلط ہوگا، اور ہمیشہ یہ پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اشتراکی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے لیکن فقہاء نے اون کی مختلف قسمون پر غور کیا ہے، اور بعض چیزون کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی اونھون نے چار قسمین قرار دی ہین، صاحب بدائع لکھتے ہین،

پانی کی مختلف قسمین اور ان کے مختلف احکام | صاحب بدائع لکھتے ہین :-

المیاہ اربعۃ انواع الاول	پانی کی چار قسمیں ہین، پہلی قسم پانی کی وہ ہے
الماء الذی یکون فی الاوانی	جو برتنون اور ظروف میں ہو، دوسری قسم وہ
والظروف والثانی الذی یکون	ہے جو کوؤن اور حوضون اور چشمون مین ہو،
فی الآبار والحیاض والعیون	تیسری قسم وہ ہے جو اون چھوٹے دریاؤن اور
الثالث ماء الانھار الصغار اللتی	ندیون مین ہو جن کا تعلق خاص خاص قومون
تکون لاقوام مخصوصین والرابع ماء الانھار	سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑے بڑے دریا، جیسے

العظام کجیحون وسیحون ودجلہ والفرات جیحون اور سیحون، دجلہ و فرات وغیرہ میں ہو،

بڑے بڑے دریا کا پانی | پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے، کہ جو پانی بڑے بڑے دریا مثلاً جیحون، سیحون یا ہندوستان میں گنگا جمنا، کرشنا گوداوری کا ہے، یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے، ہر شخص کو اس سے خود پینے کا، جانوروں کو پلانے کا اور کھیتوں باغوں کے سینچنے کا قانونی حق ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

الانهار العظام كسيحون وجيحون	بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیحون دجلہ و فرات
ودجلة والفرات ونحوها فلا	اور اسی قسم کے جو دریا ہیں، یہ کسی کی ذاتی ملک
ملك لاحد فيها ولا في رقبة	نہیں بن سکتے، نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک
النهر ولا لاحد حق خاص فيها	ہو سکتا ہے، اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان
ولا في الشرب بل هو حق عامة	دریاؤں کا پانی بہتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص
المسلمين. فلكل احد ان ينتفع	کا ان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے،
بهذه الانهار بالشفة والسقي،	نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی
	خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام
	مسلمانوں کا حق ہے، اسی لئے ہر شخص کو حق حاصل
	ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور سیرابی
	دونوں قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے،

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا | صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی ہو یا باشندگانِ ملک کو اور کسی قسم کا نقصان نہ پہونچتا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتی کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے :-

له ان یشق الیها نهراً من هذه الانهار ولیس للامام ولا لاحد منعه عنه یضر بهوا ولم یضر،	اس کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین تک ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر لیجائے، اور نہ امام (حکومت) ہی کو اس کا حق ہے، اور نہ کسی اور کو کہ اس فعل سے اس کو روکے بشرطیکہ اس نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہونچے،

ان دریاؤں کے پانی کی قوت سے چکّی وغیرہ چلانا یا موٹ چرس ان پر قائم کرنا

اسی طرح ہر باشندۂ ملک کو اس کا بھی حق ہے کہ اس قسم کے دریاؤں اور ندیوں پر،

ان ینصب علیه رحی ودالیة و سانیة (ہدایہ)	کہ ان پر پن چکّی اور رہٹ موٹ وغیرہ قائم کرے،

البتہ حکومت اور پبلک دونوں کو اس کا حق ہے کہ اس کے ان افعال سے خود نہر یا دریا کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اس کی نگرانی کریں، بدائع ہی میں ہے :-

فکان لکل واحد بسبیل من الانتفاع لاکن بشریطة عدم الضرر بالنهر کالانتفاع بطریق العامة وان اضر بالنهر فلکل واحد من المسلمین منعه،	اگرچہ ہر شخص کو نفع گیری کا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس کی نہر کی وجہ سے کسی کا کچھ نقصان نہ ہوتا ہو، وہی حکم اس کا بھی ہے جو عام شاہراہوں کا ہے، لیکن اگر اس کی نہر سے نقصان پہنچتا ہو تو ہر مسلمان کو حق ہے کہ اس فعل سے اس کو روک دے،

دریاؤں کے سوا پانی کے اقسام | اسی طرح پانی کی دوسری اور تیسری قسم یعنی مخصوص افراد کی زمین میں جو نہریں ہوتی ہیں، یا مملوکہ زمینوں کے تالاب اور کنوؤں کا پانی اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ

حق الشفعة ثابت،	نوشیدنی کا حق پبلک کے ہر فرد کو یہیں حاصل ہے

یعنی خود پینے یا اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا حق تو اب بھی عام پبلک کو حاصل ہے، البتہ چونکہ مملوکہ زمینوں سے اس پانی کو تعلق ہے، اس لئے زمین کے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسروں کو اس پانی سے باغوں یا کھیتوں کے سینچنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ہدایہ میں ہے،

فان اراد رجل ان یسقی بذالک	اگر کوئی اپنی آباد کردہ زمین کو اس قسم کے پانی
ارضا احیاھا کان لاھل النھران	سے سینچنا چاہے، تو نہر والوں کو حق ہے کہ اس
یمنعوہ عنہ اضربھم اولم یضر (ہدایہ جلد ۴ ص ۳۸۶)	کو روک دیں، خواہ نقصان ہو یا نہ ہو،

نہروں کنوؤں تالابوں اور پانی کے فروخت کا حکم

مگر با ایں ہمہ اس قسم کے پانی کے بیچنے یا اجارہ کی بھی اجازت نہیں ہے، فقہا اس باب میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کنووں
عن بیع نبع البیر،	کے سوت کے پانی کو کوئی فروخت کرے،

"نبع البئر" کا ترجمہ صاحب بدائع نے "فضل مائہا" یعنی کنوؤں کا زائد از ضرورت پانی کیا ہے، بہرحال اس حدیث کی وجہ سے پینے پلانے سے تو کسی کو کوئی روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہر شخص کو ایسی نہروں یا تالابوں یا باؤلیوں سے آبپاشی کی عام اجازت دے دی جائے گی، تو جیسا کہ صاحب بدائع لکھتے ہیں،

کل احد یتبادر الیہ فیسقی منہ	ہر شخص پیش قدمی کرکے اس پانی سے نفع اٹھانا
زرعہ واشجارہ فیبطل حقہ	چاہے گا، اور اس سے اپنے کھیت اور باغ کو
اصلا،	سیراب کرے گا، بس نہر والوں کا حق مارا جائیگا،

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی میں اشتراکیت کا نظریہ صرف "حق الشفۃ" یعنی نوشیدنی تک محدود ہے پھر فقہا نے اس کی مختلف شکلوں کے احکام بھی لکھے ہیں، مثلاً اگر کنواں یا تالاب کا مالک پبلک کو اپنی زمین سے آنے سے روکے، اور کہے کہ قانوناً پانی پر تمھارا حق ہے، لیکن میری مملوکہ زمین کے احاطہ میں داخل ہونے کی تو اجازت نہیں

تو ایسی صورت مین دیکھا جائے گا اگر تو شیدنی کی ضرورت پبلک کسی اور ذریعہ سے پوری کر سکتی ہے، تو جھگڑنے کی حاجت نہین لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کنوؤن کے مالک کو مجبور کیا جائے گا، کہ یا تو وہ لوگون کو اپنے کنوئین سے پانی لینے دے ورنہ کوئی نظم کرے کہ لوگون تک ان کا قانونی حق پہنچ جائے یعنی ادن کے اور ان کے جانورون تک پانی پہونچ جائے، اس حق پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ دونون باتون مین سے کسی پر راضی نہ ہو تو پبلک کو حق ہے کہ باضابطہ مسلح ہو کر اس سے جنگ کرے اور اپنا حق حاصل کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین اسی قسم کی ایک صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا،

هلا وضعتم فيهم السلاح (بدائع) تم نے لوگون کے درمیان ہتھیار کو کیون نہ ڈالا

پانی کی وہ قسم جو بک سکتی ہے | یعنی پانی کی چوتھی قسم یعنی جب برتنون یا مشکون مین پانی بھر لیا گیا ہو تو اس قسم کے پانی مین انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہین کہ اب اس پانی کی حیثیت ایسی ہو گئی کہ

كما استولى على الحطب والحشيش والصيد، کوئی (جنگل) کی لکڑیون اور گھانس اور شکار پر قابو پائے (تو وہ اس کی ملک بن جاتا ہے)

کہ ان چیزون سے استفادہ کا حق اگرچہ پبلک کے ہر فرد کو حاصل ہے، لیکن جب ان پر کسی کا قبضہ ہو گیا تو قبضہ کرنے والے کی وہ ملک ہو جاتی ہیں! اسی طرح برتن اور مشک کا پانی بھی مملوک ہو جاتا ہے،

فيجوز بيعه، اور ایسی صورت مین (مشک و برتن وغیرہ کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے)

اس قسم کے پانی کی بیع و فروخت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ

السقائين يبيعون المياء المحرزة في الظروف بهجرت العادة في الامصار في سائر الاعصار من غير نكير، (بدائع) برتنون میں جس پانی کو محفوظ کر لیا گیا ہو، اس کو بہشتیون کی جماعت ہمیشہ بیچتی رہی ہے، تمام شہرون اور ملکون میں اس کا عام رواج ہے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا،

اس لئے اس پانی کے متعلق حکم ہے کہ

فلم یحل لاحد ان یاخذ منه فیشرب — جائز نہ ہوگا کہ پانی کے مالک کی اجازت کے بغیر

من غیر اذنه، — کوئی اوس کو لے اور پیئے،

البتہ ایسی صورت مین کہ پیاس سے کسی کی جان پربن آئے، اور دوسرے کے برتن مین زائد از ضرورت پانی ہو تو غیر مسلح لڑائی کرکے پانی زبردستی چھین کر پی سکتا ہے،

شدید ضرورتون کی چیزون میں اشتراکیت کا نقطۂ نظر

اور یہ حکم کچھ پانی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ ہلاکت کے اندیشہ کی صورت مین زائد از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر استعمال کرسکتا ہے، خواہ کھانا ہو یا اسی قسم کی دوسری چیز، ہدایہ مین ہے کہ

وکذا الطعام عند اصابة المخمصة (جلد ۴ صفحہ ۳۸۴) — یعنی یہی حکم کھانے کا بھی ہے شدت بھوک مین،

مملوکہ پانی مین بھی اشتراکیت کا اثر

لیکن پانی برتن ہی والا کیون نہ ہو، حدیث میں چونکہ (الماء) مطلق پانی مین عام لوگون کو شریک قرار دیا گیا ہے، اس لئے فقہاے اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ بلا ضرورت اگر کسی کی مشک یا برتن سے آدمی پانی چرالے تو چوری کی شرعی سزا قطع ید کا حکم اس پر نہ لگایا جائے گا، خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیون نہ ہو، جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ہدایہ مین ہے،

لو سرقه انسان موضع یعز وجوده وهو یساوی نصاباً لم تقطع یده (کتاب الشرب جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)

اگر کسی ایسے مقام مین جہان پانی مشکل سے میسر آتا ہو، اور اگر کوئی (برتن کا) پانی چرائے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، خواہ پانی کی قیمت اسی قدر کیون نہ ہو جس پر ہاتھ کٹتا ہو،

کیونکہ بہرحال ایک گونہ شرکت کا شبہہ اس مین پیدا ہوگیا ہے، اور شبہہ سے اس قسم کی سزائین ٹل جاتی ہین،

مچھلیوں کا حکم پانی ہی کے ذیل میں مچھلیوں کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ جس طرح ہوا کے پرندوں کا کوئی مالک نہیں ہے، اور جو ان پر قبضہ کرے گا وہی مالک ہو جاتا ہے محض اس لئے کہ کسی کے تالاب یا باغ یا کھیت میں یہ پرندے چرتے چگتے ہیں، یا رہتے ہیں، یا آتے جاتے ہیں، کوئی اُن کو فروخت نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ حکومت کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے، کہ اس قسم کی خشکی یا تری کے جانوروں کو کسی کی انفرادی ملکیت قرار دے غایہ شرح ہدایہ میں ہے،

الامام لا یملک ان یخص واحداً	امام (حکومت) کو اس کا اختیار حاصل نہیں
دون واحد بذٰلک حتی لو امر واحداً	ہے، کہ کسی خاص شخص کو ان امور کی خصوصی ملکیت
ان یاخذ شیئاً	عطا کرے تا آنکہ اگر کسی کو امام حکم دے کہ فلاں
.... صید العینه	خاص شکار کو پکڑ لے خواہ خشکی کا ہو یا دریا کا،
من بر او بحر لا یملک المامور قبل	تو جسے حکم دیا گیا ہے وہ شکار پکڑنے سے پہلے
الاخذ الاصطیاد (ہدایہ ج جلد ۴ ص۳)	اس شکار کا مالک نہیں ہو سکتا،

سوال ہوتا ہے کہ جب ہوا کے جانوروں کا یہ حکم ہے تو مچھلیاں جن کی حیثیت پانی میں وہی ہے جو ان وحشی پرندوں کی ہوا میں ہے، ان کو بھی کوئی بیچ سکتا ہے یا نہیں، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک خاص باب اس مسئلہ میں باندھا ہے، خود ان کا اور امام ابو حنیفہ وغیرہ کا خیال یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے، کہ یہ غیر مملوک شے کی بیع ہے، بلکہ ممانعت کا سبب یہ بتایا گیا ہے، کہ خریدار کے متعلق دھوکہ کھا جانے کا اندیشہ ہے کہ پانی کے اندر کا حال اس کو کیا معلوم ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ

لا تبایعوا السمک فی الماء فانه	مچھلی کو پانی کے اندر نہ بیچا کرو کہ اس میں
غرر،	دھوکہ ہے،

اسی قسم کے الفاظ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں، لیکن اسی کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی کتاب الخراج میں یہ بھی مروی ہے کہ رس نامی مقام میں جو جمن میں واقع ہے،

انہ وضع علی اجمۃ برس اربعۃ	رس نامی مقام کے اجمہ (آبی نیستان) پر حضرت
آلاف درھم وکتب لھم کتابا فی	علی کرم اللہ وجہہ نے چار ہزار درہم مشخص فرمایا
قطعۃ ادم،	اور چمڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو اس کا پٹہ لکھ کر
(کتاب الخراج ص ۹۵)	دیا، (اجمہ کے لفظ کی تحقیق آگے آرہی ہے)

صرف یہی نہیں کہ حکومت نے اس خزانہ آب کو چار ہزار درہم میں بندوبست کیا، بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی اس کتاب میں یہ مروی ہے کہ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے جو ان کے صوبہ دار تھے انھوں نے

یسئلہ عن بیع صید الآجام	آجام (آبی نیستانون) کے شکار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کو فروخت کیا جائے،

جواب میں عمر بن عبد العزیز نے فرمان بھیجا،

ان لاباس بہ وسماہ الحبس	اس کے فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے
(کتاب الخراج ص ۱۱)	اور اس کا نام انھوں نے "الحبس" رکھا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں کے متعلق ابتدا سے کچھ اختلاف چلا آتا ہے، خود قاضی ابو یوسف نے بھی لکھا ہے، کہ اگر کسی ایسے گڑھے میں مچھلی ہو جو بغیر شکاری تدبیرون کے ہاتھ آجائے تو اس کے بیچنے میں حرج نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ان کے الفاظ یہ بھی ہیں،

ومثلہ اذا کان یوخذ بغیر صید	اور یہی حال ان مچھلیوں کا ہے، جو بغیر شکاری
کمثل سمک فی الجب،	تدبیرون کے پکڑی جاتی ہوں، جیسا کہ ان
(کتاب الخراج ص ۱۱)	مچھلیون کا بیچنا جائز ہے، جو کنوئیں میں ہوں

ان تمام اقوال کے دیکھنے سے فیصلہ کی صورت یہی معلوم ہوتی ہے، کہ سمندرون، دریاؤن، ندیون وغیرہ کی مچھلیان جو بند اور محدود پانی مین نہین رہتی ہین، ان کو نہ حکومت بیچ سکتی ہے، اور نہ شکار کرنے سے پہلے کوئی اور بیچ سکتا ہے، بلکہ وہ عام پبلک کی چیز ہے، ملک کے ہر باشندہ کو ان کے شکار اور ان سے استفادہ کا حق ہے، البتہ اگر محدود اور بند پانی مثلاً تالابون وغیرہ مین ہون تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے فتوی کے مطابق ان کے فروخت کرنے مین کوئی حرج نہین، خصوصاً ایسی مچھلیان جنھین اس زمانہ مین لوگ اپنے مخصوص تالابون مین خرید کر پالتے ہین، یعنی ان کے بچے جنھیں زیرہ کہتے ہین، خرید کر تالابون مین چھوڑ دیتے ہین، چونکہ قبضہ کرنے اور مملوک بنانے کے بعد ان کو تالابون مین چھوڑا جاتا ہے، بظاہر ان کے فروخت مین کوئی مضائقہ نہین، لیکن آبادیون کے اطراف وجوانب کے تالابون یا جوہڑون مین جو قدرتی خود زائیدہ مچھلیان پائی جاتی ہین، اگر زمیندار اور جاگیر داران گاؤن کے عام باشندون کو شکار کرلینے کے بغیر کسی معاوضہ کی اجازت دیدیا کرین تو کم از کم حنفی مذہب کے روسے اسلام نے عوام کا جو معاشی حق قائم کیا ہے، اس سے محروم کرنے کے وہ مجرم نہ ہونگے

مچھلیون کے سوا دوسری آبی پیداوارون کا حکم

مچھلیون کے ساتھ سمندر، دریا، ندی وغیرہ کی دوسری پیداوارون کا بھی سوال اسلامی فقہ مین اوٹھایا گیا ہے، ہمارے امام ابو حنیفہ کا تو کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ خواہ جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو مثلاً عنبر ہو یا موتی ہو، یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو، سب کا حکم وہی ہے جو مچھلیون کا ہے، یعنی ملک کے عام باشندون کا وہ مشترک سرمایہ ہے جس کا جی چاہے انھین نکال سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے حکومت تک کو اس سے کسی قسم کے محصول لینے کا حق نہین ہے، قاضی ابو یوسف نے اس کا بھی کتاب الخراج مین ایک مستقل باب باندھا ہے، اور لکھا ہے کہ

قد کان ابوحنیفة وابن ابی لیلیٰ	ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ دونون کا خیال تھا
یقولان لیس فی شیء من	کہ سمندری پیداوارون (مثلاً عنبر موتی وغیرہ)
ذالک شیءٌ لانہ بمنزلة	مین سے کسی پر کوئی محصول یا ان کی قیمت نہین

التمك، وصول کیجا سکتی اُن سب کا وہی حکم ہے جو مچھلی کا ہے،

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان کی بنا پر قاضی ابو یوسف نے خود یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ دریا کی وہ چیزیں جو بطور زیور یا خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں، (مثلاً موتی مرجان عنبر وغیرہ) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کا خیال ہے کہ

فی ذالك خمس واربعة اخماسه لمن اخرجه، حکومت ان پیداواروں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول کرے گی، اور باقی چار خمس (حصے) اس شخص کے ہوں گے جس نے اسے نکالا،

لیکن ان کے سوا اور تمام چیزوں کے متعلق ان کا بھی وہی خیال ہے جو امام کا ہے خود فرماتے ہیں:۔

امّا فی غیرھا فلا شیٔ فیه، جو چیزیں بطور زیور (حلیہ) اور خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں، ان کے سوا سمندر کی اور چیزوں پر کچھ نہیں ہے،

حضرت عمرؓ کے جس فرمان سے اونھوں نے حلیہ اور عنبر کو مستثنیٰ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یعلی بن امیہ کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحر (سمندر) کے علاقوں یا بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، یعلی نے بارگاہ خلافت میں یہ لکھ کر پوچھا،

عنبرة وجدها رجل یسئله عنها وعما فیها عنبر مچھلی جس سے عنبر نکلتا ہے) ایک شخص کو ملی ہے وہ اس مچھلی اور جو کچھ اس کے اندر سے برآمد ہوگا اس کے متعلق پوچھتا ہے،

جواب میں یہ فرمان گیا کہ

فیما اخرج الله جلّ شانه منّ سمندر سے اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو برآمد کرتے ہیں

البحر الخمس	(کتاب الخراج)	ان میں خمس (پانچواں حصہ) حکومت کا حق ہے،

اس فرمان کے راوی ابن عباسؓ ہیں، خود بھی فرماتے ہیں :-

وذالك رائی،	اور میری بھی یہی رائے ہے،

بہرحال یہ سارے مباحث توالما (یعنی پانی) کے تھے، جس میں آنحضرتؐ نے ملک کے عام باشندوں کو شریک قرار دیا ہے، گزشتہ بالا مسائل گویا اسی اشتراکی نظریہ کی تفصیل تھی،

سیال معدنیات کے احکام | پانی اور پانی کے خزانوں اور چشموں کے ذیل میں چونکہ بعض سیال "معادن" کو فقہائے اسلام نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے، حتی کہ قاضی ابو یوسف نے تو کتاب الخراج میں صاف طور پر لکھدیا ہے کہ

لیس فی النفط والقیر والزئبق و	جہاں تک میں جانتا ہوں مٹی کے تیل (نفط)
المومیا ان کان لشیئ من ذالك	اور قیر (تارکول) مومیائی میں کچھ نہیں ہے
عین فی الارض شیئ تعلمه کان	بشرطیکہ زمین سے ان کا کوئی چشمہ ابلتا ہو
فی ارض عشرٍ او فی ارض خراج	خواہ یہ چشمے عشری زمین میں ہوں یا
(کتاب الخراج ص ۹۲)	خراجی زمین میں،

لیکن یہ ایک اجمالی بیان ہے ورنہ جیسے پانی کے مختلف اقسام کے مختلف احکام تھے، ان معدنی چیزوں کا بھی یہی حال ہے گنجایش کی حد تک ضروری مسائل درج کئے جاتے ہیں، اس مسئلہ کا پہلے بھی کچھ ذکر آچکا ہے لیکن اس وقت ہم اس کو شرح الکبیر للمقنع الحنبلی سے نقل کرتے ہیں، اس میں ہے :-

لا تملك المعادن الظاهرة	ایسے معادن جنھیں معادن ظاہرہ کہتے ہیں،
كالملح والقار والكحل والجص	مثلاً نمک اور قار (تارکول) سرمہ گچ نفط (مٹی
والنفط بالاحیاء ولیس للامام	کا تیل) وغیرہ کے بعد معدنوں کا کوئی شخص
اقطاعه (ج ۶)	ذاتی طور پر مالک نہیں ہو سکتا، نہ احیاء اور آباد

کر کے ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے اور نہ حکومت
کو حق ہے، کہ کسی خاص شخص کی شخصی جاگیر بنائیں

یہ تو متن کی عبارت ہے، شرح اس کی یہ کی گئی ہے کہ

المعادن الظاهرة وهی التی	ایسے معادن جو ظاہری معادن کہلاتے ہیں
یوصل الی ما فیها من غیر	جن کی تعریف یہ ہے کہ ان تک بغیر کسی
مؤنة ینتابها الناس وینتفعون	محنت و مشقت کے رسائی ہوتی ہو، لوگوں
بها کالملح والکبریت والقیر	کی اس پر آمد و رفت جاری ہو اور اس سے
والمومیا والنفط والکحل والیاقوت	عام لوگ نفع اٹھاتے ہوں، مثلاً نمک گندھک
ومقاطع الطین واشباه ذالك	قیر، (تارکول) مومیائی، نفط (مٹی کا تیل)،
لا یملك بالاحیاء ولا یجوز	سرمہ، یاقوت، مٹی نکالنے کی جگہ (دسٹکور) اور
لاحد من الناس ولا احتجازه	اسی قسم کی چیزیں آباد کر کے بھی کوئی ان کا مالک
دون المسلمین لان فیه ضرر	نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی کے لئے ایسا کرنا جائز
المسلمین وتضییقا علیهم،	ہے، اور نہ یہ درست ہے کہ عام مسلمانوں
	کو ان سے استفادہ سے روکا جائے کیونکہ
	مسلمانوں کا نقصان ہے، اور ان پر تنگی و
(المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۷)	ضیق عائد کرنا ہے، (باقی)

تاریخ فقہ اسلامی

کلامِ اقبال کی دقیقتن

اور

ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار یونیورسٹی، اورنٹیل کالج، لاہور

(۲)

اقبال کے اہم علمی مسائل کی تشریح — مطالعۂ اقبال سے پہلے بطور تمہید، مقدمے یا دیباچے کی صورت میں ان اہم علمی مسائل کا مختصر اور سادہ تجزیہ ہونا چاہیے، جن سے پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ بلکہ سب کتابیں لبریز ہیں، حکماے مشرق کی طرح اقبال نے حکماے مغرب سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، اس لئے کلامِ اقبال میں جابجا مشرقی اور مغربی حکمت کے بعض مسائل کی طرف اشارات ہیں، بعض اشعار میں کسی اسلامی یا مغربی حکیم کی پوری حکمت کا خلاصہ بیان ہوا ہے، کہیں کہیں خاص خاص علمی اصطلاحات ہیں، عام مطالعہ کرنے والے عموماً صرف لطفِ زبان سے لذت گیر ہو کر آگے چل دیتے ہیں، اور شعر کے اصلی مفہوم سے ناواقف رہتے ہیں، اس لئے اس قسم کی علمی اصطلاحوں اور فلسفہ و حکمت کے مسائل و نکات کی آسان تشریح ابتدائی لوازم میں سے ہے، اس کی تشریح کے لئے دو مثالیں پیش کیجاتی ہیں، اقبال نے پیامِ مشرق کے باب "نقشِ فرنگ" میں صحبت رفتگان کے عنوان سے ایک مکالمہ لکھا ہے جس میں بعض حکماے جدید و قدیم نے اپنے اپنے مسائل کا تذکرہ ایک ایک "دو شعروں میں کیا ہے، ان میں سب سے پہلے ٹالسٹائے، پھر کارل مارکس، پھر ہیگل، پھر مزدک، اور اس کے بعد کوہکن لب کشا ہو کر اپنا

اپنا فلسفہ بیان کرتے ہین ہیگل کہتا ہے:۔

جلوہ دہد باغ و زاغ معنیٔ مستور را عین حقیقت نگر حنظل و انگور را

فطرتِ اضداد خیز لذتِ پیکار داد خواجۂ و مزدور را آمر و مامور را

ان اشعار کے ساتھ ہیگل کے مخصوص فلسفۂ جدل وپیکار کی شرح کس قدر ضروری ہو جاتی ہی، اسی طرح ذیل کے اشعار مین برگسان کی حکمت کا جو خلاصہ موجود ہے، اس کو نمایان اور متعین کرنے کی ضرورت ہے

پیغامِ برگسان کے عنوان سے یہ اشعار پیامِ مشرق مین ہین،

تا بر تو آشکار شود راز زندگی خود را جدا ز شعلہ مثالِ شرر مکن

بہر نظارہ جز نگہِ آشنا میار در مرز و بومِ خود چو غریبان گذر مکن

نقشے کہ بستۂ ہمہ اوہام باطل است

عقلے بہم رسان کہ ادب خوردۂ دل است

آخری مصرع مین برگسان کا فلسفۂ الہام وتجلّی بیان ہوا ہے، اس کے سمجھنے کے لئے برگسان کے خیالات کا ایک خلاصہ کتاب میں ہونا ضروری ہے، پیامِ مشرق مین ایک دوسرے مقام پر حکماے مغرب کی حکمت کا بیان ایک ایک شعر میں ہوا ہے:۔

لاک	ساغرش را سحر از بادۂ خورشید فروخت	ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آمد
کانٹ	فطرتش ذوق مئے آئینہ فامے آورد	از شبستانِ ازل کوکب جامے آورد
برگسان	نہ مئے از ازل آورد، نہ فامے آورد	لالہ از داغِ جگر سوز و دوامے آورد

اس کے بعد بعض شعراء کے پیغام کی خصوصیت ان اشعار مین بیان ہوئی ہے:۔

براؤننگ	بے پشت بود بادۂ سرجوش زندگی	آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم
بائرن	از منتِ خضر نتوان کرد سینہ داغ	آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

غالب	تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر	بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم
رومی	آمیزشے کجا گہر پاک او کجا	از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

ان اشعار میں ہر شاعر کی شاعری کا لبِ لباب موجود ہے، جس کو مبتدی رہنمائی کے بغیر سمجھنے سے قاصر رہینگے، اس کے علاوہ حکمت، فلسفہ، فقر، سیاسیات، اجتماعیات، مذہب اور روحانیت سے متعلق بیسیوں اشارے کلام اقبال میں اس انداز سے آجاتے ہیں کہ ان کی ماہیت معلوم کئے بغیر، مطالعہ کرنے والا آگے نہیں بڑھ سکتا، مثلاً خودی کا سرسری مفہوم، جہاد اور کش مکش کا ابتدائی تصور، فقر اور اس کی عارفانہ تشریح، عشق، جمال اور جلال کی تعبیر، تقدیر اور توحید کے معانی، جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت کی مجمل تعریف، فلاسفۂ یورپ کے خیالات کا خلاصہ، ان تمام امور و مسائل کے تمہیدی پہلوؤں سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ اصحابِ علم و نظر کے علاوہ، عام مطالعہ کرنے والوں کے بیشتر طبقات کلام اقبال کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ فکرِ اقبال درحقیقت خواص اور علماء کے غور و فکر کے لئے ہے، عوام تشریح و تعبیر کے بغیر اس سے متمتع نہیں ہو سکتے،

میں اس سلسلے میں ناظرین کرام کو خودی کے تصور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، تصوف نے آج تک "خود" کو مٹانے اور خودی کو فنا کرنے کی تلقین کی ہے، حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر فرماتے ہیں،

با ما بہ سیہ نشین و با خود منشین

لسان الغیب حافظ فرماتے ہیں :۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

ہمام تبریزی بھی اس قسم کا خیال ظاہر کرتے ہیں :۔

در میانِ من و محبوب حجاب است ہمام   باشد آن روز کہ آن ہم زمیان برخیزد

نفی خودی تصوف کا بنیادی عقیدہ ہے، کیونکہ خودی کا احساس صوفیہ کے نزدیک ایک گناہ ہے،

وَجُودُكَ ذَنبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنبٌ

اس عقیدے کی بنیاد اس خیال پر قائم ہے کہ انسان دراصل گلشن قدس کا ایک پھول تھا، اور ذات باری کا جزو، خداوند تعالیٰ کے شوق ظہور نے دنیا کو پیدا کیا، اور انسان کو اس نئی بستی کا حاکم اور مالک بنایا، گویا کل نے جزو کو عارضی طور پر اپنے آپ سے الگ کر دیا، اب یہ جزو کل سے ملنے کے لئے بیقرار ہے، جب تک حجاب جسمانی موجود ہے، یہ جزو کل سے ہم کنار نہیں ہو سکتا، لہذا صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خود کو مٹانا ہی تمام مسرتوں کا سرچشمہ اور راحتوں کا منتہا ہے، اس خیال کو تمام صوفی شعراء بڑی قوت اور بڑے جوش کے ساتھ ظاہر کرتے آئے ہیں،

خواجہ حافظ فرماتے ہیں :-

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود   آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

نظیری کی پہلی غزل بھی اسی مضمون کی حامل ہے،

درآں گلشن ہوا بودم کہ مستی زاد از نرگس   دراں مجلس صفا بودم کہ عشق از حسن شد پیدا
بزحمت انفصال افتند چو پیوندے برید از ہم   کہ بفرصت قطرہ دریا می شود چوں قطرہ شد دریا

رومی کی مثنوی کے ابتدائی اشعار کا مضمون بھی یہی ہے،

از نیستاں تا مرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ دارم شرحہ شرحہ از فراق   من چہ گویم شرح درد اشتیاق

تصوف کے اس عقیدے کا اثر اس قدر گہرا اور ہمہ گیر ہے کہ خود علامہ اقبال نے اپنی ابتدائی نظموں میں یہ رنگ قبول کیا، اور یہی صوفیانہ لے نکالی، چنانچہ ایک نظم میں فرماتے ہیں،

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجاب وجود کی   شام فراق صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے مین آشنا نہ تھا زیب درخت طور میرا آشیانہ تھا وغیرہ

اس سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ خود کو جو کل وجز مین تفریق کا سبب ہو مٹانا تصوف کے مسائل ہمہ یہن سے ہے، اس کے برعکس اقبال نے خودی اوربیخودی کا ایک نیا تصور ہمارے سامنے رکھا ہے، جس کا مفہوم معاشیاتی، نفسیاتی، سیاسی یا عمرانی ہے، اسرار خودی سے لیکر ارمغان حجاز تک سب کتابون مین یہ تصور روح روان کا درجہ رکھتا ہے، جس طرح گوشت کو ناخن سے جدا نہین کیا جاسکتا، اسی طرح تصور خودی کو اقبال کے نظام فکر سے الگ نہین کیا جاسکتا، خودی کا یہ تصور بظاہر تصوف کے عقیدۂ خودی کے بالکل ضد ہے، اگر صوفی خود کو مٹا کر کمال کی معراج پر پہنچنے اور پہنچانے کا مدعی ہے، تو اقبال خودی کی تربیت کے ذریعے شرف انسانیت کے اعلیٰ مدارج سے روشناس کرانے کا دعوے دار، ایک کے نزدیک خودی کی موت میں حیات ہے اور دوسرے کے نزدیک خودی کی تربیت مین زندگی اور اس کی موت مین ممات ہے، یہ ایک تضاد ہے، اور بہت بڑا تضاد ہے، جس کو رفع اور دونون مسائل کا ابتدائی تجزیہ کرنا مطالعۂ اقبال کی تسہیل کے لئے ضروری مبادی میں سے ہے،

مندرجہ بالا تصریحات سے ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اقبال تصوف کو کس نظر سے دیکھتے ہین، کلام اقبال کے ناقص مطالعہ کی وجہ سے ایک خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ اقبال تصوف کے مخالف تھے، لیکن کیا یہ خیال صحیح ہے ؟ مین سمجھتا ہون کہ مروجہ تصوف کے بعض بیمار اور ناقص پہلوؤن سے قطع نظر ہماری تہذیب اور ہمارے علوم بہت بڑی حد تک صوفیون کے اثرات حسنہ کے رہین منت ہین، یہان تک کہ علماے ظاہر نے مذہب اور دین کی جتنی خدمت کی ہو صوفیاے کرام نے کسی طرح اس سے کم خدمت انجام نہین دی، انھون نے لوگون کو ایمان وایقان کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے، یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ امام ابن تیمیہ جو تصوف کے بڑے مخالف خیال کئے جاتے ہین وہ بھی علامہ ابن قیم کے بقول تصوف کی روح کے منکر نہ تھے، (ملاحظہ ہو اغاثۃ اللھفان اور مدارج السالکین)

پھر کیا علامہ اقبال اس تصوف کے مخالف ہو سکتے ہیں ؟ میرے خیال میں اقبال کے متعلق یہ راے قائم کر لینا کسی طرح بھی درست نہیں، لیکن مسائلِ اقبال کی تنقیدی تشریح کے بغیر اس قسم کی بیسیوں غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے،

علامہ اقبال تمام برگزیدہ صوفیوں کے مداح تھے، اور ان میں بعضوں کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت بھی پیش کیا ہے جو ان کے کلام میں موجود ہے، لیکن آخری عمر میں منصور حلاج کی نسبت اُن کا جذبۂ تحسین بہت بڑھ گیا تھا، اس کی کتاب کتاب الطواسین اقبال کی محبوب کتابوں میں سے تھی، یہ امر بھی دوسرے بہت سے مسائل کی طرح قابلِ تشریح ہے، کہ اقبال اپنی شخصیتوں میں منصور کو اتنا اہم درجہ کیوں دیتے ہیں ؟

میں نے اقبال کے مسائل مہمہ کی تشریح کے سوال کو اس لئے زیادہ اہمیت دی ہے، کہ ان کے صحیح اور معیّن تصور کے بغیر فکر اقبال مبہم ہو کر رہ جاتا ہے، اور مطالعہ کرنے والے سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد بھی کہتے ہیں،

ع حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است

اقبال کے سرچشمہ ہاے فیض | علامہ اقبال نے جن مآخذ سے فائدہ اٹھایا ہے، ان کی فہرست طویل ہے، ان مآخذ میں کلام اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے علاوہ بہت سے قدیم و جدید اسلامی و مغربی مفکرین کی کتابیں بھی شامل ہیں، مگر اس وسیع استفادے کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا، کہ اقبال نے اپنی حکمت کی اساس اسلام کے عقائد اصولیہ اور حکماے اسلام کی حکمتِ عالیہ پر رکھی ہے، Humphry Trevelyan نے اپنی کتاب "Popular Background to Goethes Hellenism" میں گوئٹے کے متعلق لکھا ہے،:-

"For good or ill, Goethe could not get away from the Greeks" (Introduction, IX)

حقیقت یہ ہے کہ گوئٹے کو حکماے یونان سے جو وابستگی تھی، اس سے ہزاروں درجہ زیادہ وابستگی اقبال کو

فکرِ اسلامی سے تھی، اونھون نے ۱۹۲۶ء میں علومِ اسلامیہ کے نصاب کے متعلق صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم کے نام جو خط لکھا تھا، اوس سے ایک طرف ان کی اس محبت اور شیفتگی کا پتہ چلتا ہے، جو انہیں علوم اسلامیہ سے تھی، اور دوسری طرف اس ذہنی اور مذہبی نصب العین کی تعیین ہوتی ہے، جو علامہ کے پیشِ نظر تھا، وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کے تسلسل کو قائم رکھا جائے اور دماغی اور ذہنی کاوشوں کو ایک نئی وادی کی طرف ممیز کیا جائے، اور ایک نئے دینیات و کلام اور حکمت کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسرِ کار لایا جائے، اس غرض کے لئے اونھون نے جن جن شعبون کے قیام کی تجویز پیش کی ہو اور جن جن کتابون کے نام گنائے ہیں، ان سے علامہ کی پسند و ناپسند کا بخوبی پتہ چلتا ہے، علامہ کے خیال میں ان علوم کے بغیر نہ ملت کی روحانی ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں نہ نئی نسلون کا ذہنی اور روحانی مطمحِ نظر ہی معین ہوسکتا ہے، اور نہ کسی خالص اسلامی تہذیب اور نظامِ فکر کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، علامہ نے اپنی زندگی میں اس نصب العین کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی، ان کے افکار اور کلام میں علومِ اسلامیہ کا بہترین خلاصہ موجود ہے جو شاعرانہ زبان میں ہونے کی وجہ سے اگرچہ تلمیحی اور ایمائی حیثیت رکھتا ہے لیکن اربابِ فکر ان اشارات و کنایات کو کسی قدر کوشش کے ساتھ پوری طرح پھیلا سکتے ہیں، میری رائے میں ان علوم سے ابتدائی واقفیت کے علاوہ ہمارے لئے ان حکمائے اسلام اور صوفیائے کرام کے عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، جن کے سرچشمۂ فیض سے فکرِ اقبال سیراب ہوتا رہا،

رومی ان میں سب سے پہلا نام مولانائے روم کا ہے، فکرِ اقبال کے مآخذ میں رومی کو سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، اقبال رومی کو اپنا ہادی اور پیشوا خیال کرتے ہیں، اور بار بار اعلان کرتے ہیں، کہ میرے میکدے کی شراب دراصل پیرِ روم کے خمستان کی حاصل کردہ ہے، اقبال زندگی کے اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہیں، مگر اس انکشاف کا سہرا اپنے مرشدِ رومی کے سر باندھتے ہیں، یہی رومی جاوید نامہ کے زندہ رود کے لئے خضرِ راہ بنتے اور اُسے آسمانی دنیا کی طلسماتی فضا کی سیر کراتے ہیں، اور جب حکیمِ مشرق زندگی کے کام کی تکمیل کرچکنے کے بعد اقوامِ شرق کو آخری

پیغام دیتا ہے تو اس وقت اسی حکیم کی روح ندائے سروش بن کر مژدۂ انقلاب لاتی ہے، یہ مولانا جلال الدین الرومی ہی ہین، جو اقبال کی نظر مین کلیم بھی ہین، اور حکیم بھی، مجدد بھی ہیں اور مصلح بھی، شاعر بھی ہین اور ساحر بھی، ولی بھی ہین اور مجذوب بھی، طریقت کے دشوارگذار راستون کے راہ بر بھی ہین، اور حقیقت کے مرحلون کے ہادی بھی، شریعت کے غوامض کے عقدہ کشا بھی ہین، اور حکمت کے دقائق کے شارح بھی، غرض اقبال کے نزدیک ہماری موجودہ "کرم خوردہ" ملت کے تمام روحانی اور ذہنی امراض کو شفا بخشنے والا رومی ہے جس کی تعلیمات کو اقبال نے اپنے افکار مین دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ استغراق اس درجہ ہے کہ اقبال اپنے آپ کو "مثیل رومی" قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عہد قدیم مین رومی ملت کے لئے پیغام حیات لائے تھے، اور اس پرآشوب دور حاضر مین وہ خود اس کے مبلغ اور داعی ہین،

اقبال کے نزدیک رومی کی زندگی اور ان کی حکمت کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کے پیش نظر فکر رومی کی تدوین اور تشریح کرنا ہمارے لئے حد درجہ ضروری ہے تاکہ اقبال کا مطالعہ کرنے والون کو رومی کی صحیح عظمت کا احساس ہو سکے، رومی کے فلسفے کی تمام خصوصیات سے دنیا کو روشناس کرائین، اُن کے امتیازات اور دورِ جدید پر اس کے اثرات دکھانے کی کوشش کرین، اس سلسلہ مین سب سے پہلے رومی کے اُن اشعار کی تشریح کی ضرورت ہے جو علامہ کی تصنیفات مین بڑی کثرت کے ساتھ آئے ہین تاکہ علامہ کے خیال کا سیاق و سباق سمجھ میں آسکے، مبتدیون کے لئے اگرچہ اتنا ہی کافی ہے، لیکن اہل علم کا کام اس پر ختم نہیں ہو جاتا، اس سے رومی کے عمیق مطالعہ کی وسیع شاہراہین ہمارے سامنے کھلتی ہین، جو مطالعۂ اقبال کی نہایات میں سے ہے، خود علامہ نے بار بار ہمین فکر رومی کی گہرائیون میں ڈوب جانے کی ترغیب دی ہے :-

گستہ تار ہے تری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز اب تک

اب تک جس قدر مضامین لکھے جا چکے ہین، ان مین اقبال اور رومی کے مشترکہ خیالات پر بہت کم روشنی

ڈالی گئی ہے، جہان تک مجھے معلوم ہے، شاید ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ہی ایک ایسے شخص ہین، جنھون نے اپنے مضمون "رومی نطشے اور اقبال" مین واضح طور پر ان خاص تصورات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جو اقبال نے رومی سے اخذ کئے ہین اسی طرح چند اور بزرگون نے بھی اشارۃً اور ضمناً اس بنیادی مسئلے کی طرف توجہ کی ہے، لیکن اس اہم بالشان بحث کے متعلق یہ اختصار بالکل ناکافی ہے، کیونکہ فکرِ رومی کی تجدید و ترویج ہی علامہ اقبال کے مقاصد زندگی مین تھی، ایسی حالت مین کیا شارحین اقبال کا سب سے ضروری فریضہ نہیں کہ وہ فکر اقبال کے طالبین کو حکمتِ رومی کے امتیازات سے روشناس کرین، تاکہ وہ اس کی روشنی مین علامہ اقبال کے افکار سے پوری طرح آگاہ ہوسکیں، مشرق مین مولانائے روم کی مثنوی کو ابتدا سے اس قدر تقدس حاصل رہا ہے کہ عقیدت مندون نے اُسے قرآن در زبانِ پہلوی کا خطاب دے کر آنکھون اور دلون مین جگہ دی، ایران، ترکی، عرب، اور ہندوستان مین مثنوی کی بیسیون شرحین لکھی گئین، علی الخصوص ہندوستان مین مطالعۂ رومی کی طرف جتنی توجہ ہوئی، اس کے مقابلہ مین شاید ہی کسی اور کتاب کو پیش کیا جاسکے، عبداللطیف عباسی کی لطائف المعنوی، نواب شکراللہ خان خاکسار کی شرح، ملا ایوب پارسا لاہوری، ملا سعید، محمد عابد اور مولانا محمد افضل الہ آبادی کی شرحین اور بالآخر ملا بحرالعلوم کی تفسیر مثنوی اُن چند ممتاز شرحون مین سے ہین، جو مثنوی رومی کے مطالعہ کے سلسلہ مین تحریر مین آئین، مثنوی رومی کے مطالعہ کی طرف سب سے زیادہ توجہ ہندوستان مین اورنگزیب عالمگیر کے زمانے مین ہوئی، نواب عاقل خان رازی میر عسکری کو اسرارِ مثنوی کے حل کرنے مین خاص مہارت حاصل تھی، اس امیر کے زیر اثر مطالعہ رومی کے شوق و ذوق کو بڑی ترقی ہوئی، عہدِ عالمگیری جیسا کہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہین، شدید سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا جس مین ہندوستانیون کے طبائع شورش اور روحانی آشوب کی مخالفتون سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی نوشدارو کی جستجو مین تھے، ہیجان و اضطراب کے ان ایام مین شاید مطالعۂ رومی ہی وہ نوشدارو تھا، جس کے استعمال سے عہدِ عالمگیری کے لوگ اطمینان قلب حاصل کرتے تھے،

پس علامہ اقبال نے ارشاد و ہدایت کے لئے جس برگزیدہ ہستی کو منتخب کیا ہے، وہ اس امر کا بجا

استحقاق رکھتی ہے، کہ عالم انسانیت، آفات وفتن کے اس نئے دور مین بھی اس کے تجویز کردہ نسخۂ شفا سے اپنے روحانی عوارض کا علاج کرے، موجودہ دور اپنے نتائج کے اعتبار سے ملت اسلامی اور مسلمانون کے حق مین تاریخی دور سے کسی طرح کم نہین، جس کی دشواریوں اور پرپیچ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے علامہ اقبال نے مرشد رومی کے دامن سے تمسک کرنے کی ضرورت محسوس کی، رومی کی حکمت "عقلیت" کی دشمن ہے، اور دبستان دل کی طرف رہنمائی کرتی ہے، مانا کہ ہم کو رومی کے صفحات مین تجاذب اجسام اور تجدد امثال جیسے دقیق سائنٹفک مسائل بھی ملتے ہین، لیکن اہل کشف وشہود کی بارگاہ مین ان ادنیٰ حقیقتون کا علم کوئی خاص پایہ نہین رکھتا، رومی کا سب سے بڑا امتیاز "عشق" کا جذب وسرور پیدا کرنا ہے، اور دور حاضر کے لئے سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہی، رومی کے متعلق بہت کچھ کہہ چکا اس سے زیادہ اس بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، آخر مین پھر اسی کا اعادہ کرون گا کہ اقبال کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے رومی کو نہ صرف سمجھنا چاہئے، بلکہ اوس کو مقبول عام بنانا چاہئے، اور حکمت رومی کے ایسے دبستان قائم کرنے چاہئیں، جن مین اسلامی حکمت وتصوف کے ماہرین فکر رومی کے قلزم زخار کی غواصی کرین اور جو کچھ اس تلاش وجستجو سے حاصل ہو اُسے دنیا کے سامنے پیش کرین،

سنائی اور عطار اقبال نے عطار اور سنائی سے بھی استفادہ کیا ہے، سنائی سے زیادہ اور عطار سے کم، بال جبریل مین وہ قطعہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، جو حکیم سنائی غزنوی کے مزار پر لکھا گیا تھا، اور جو حکیم علیہ الرحمۃ کے ایک قصیدہ کے تتبع مین ہے، اس قطعے مین کتنا جوش، کتنا سرور اور کتنا سوز ہے، ہر ہر شعر سے جذبات کے طوفان امنڈ رہے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر مشرق جب حکیم سنائی کے مزار پر پہنچتا ہے تو سنائی کی عظمت اوس کے پہنائے قلب پر چھا جاتی ہو اور رومی کا یہ مصرع بیساختہ اسکی زبان پر جاری ہو جاتا ہے، کہ

ع ما از پئے سنائی وعطار آمدیم

مسافر مین بھی وہ نظم موجود ہے، جس مین حکیم موصوف سے استصواب کرتے ہین:-

حکیم سنائی سے علامہ اقبال کی عقیدت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حکیم علیہ الرحمۃ بھی سلسلۂ رومی

سے تعلق رکھتے ہیں، یہ وہ بزرگ ہیں جن سے کسب فیض کا رومی کو خود اعتراف ہے؛ بلکہ ان کے ہم سلسلہ ہونے پر فخر کا اظہار کیا ہے، حکیم سنائی کی زندگی کے واقعات نفحات الانس وغیرہ میں بہ تفصیل موجود ہیں، جن سے حکیم علیہ الرحمۃ کے صاحب عرفان ہونے کا پورا پورا پتہ چلتا ہے، ان کی کتابیں حدیقۃ الحقیقۃ اور طریقۃ الحقیقۃ فارسی کی صوفیانہ شاعری کے لئے Classics اور بنیادی کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں، خود شیخ عطار اور مولانا روم ان سے بے حد متاثر ہوئے، مجھے یونیورسٹی لائبریری کی سابق ملازمت کے سلسلہ میں اس کا پورا علم ہے کہ علامہ اقبال اکثر حدیقہ اور اس کی شرحوں سے استفادہ کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ارشاد تھا کہ حدیقہ کی تعلیم کو ہمارے نظام تربیت میں خاص جگہ ملنی چاہئے،

حدیقہ کیا ہے؟ اس میں کیا خاص اہم علمی و حکمی مسائل زیر بحث آئے ہیں؟ اور وہ کون سے نکات ہیں، جو جدید علوم کی توسیع کے بعد حدیقہ کے ذریعہ زیادہ روشن اور واضح ہو سکتے ہیں؟ علامہ اقبال کو سنائی سے کیوں اس قدر دلچسپی تھی؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا جاننا ہر محب اقبال کے لئے ضروری ہے،

سنائی کی طرح علامہ کو عطار سے بھی دلچسپی ہے لیکن بہت زیادہ نہیں، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عطار کی تصانیف بے شمار ہیں، اور کسی حد تک غیر دلچسپ، یونیورسٹی لائبریری میں مثنویات عطار کا جو قدیم نسخہ ہے، اس میں ان کی کم و بیش چوبیس تصانیف نظم موجود ہیں، اس نسخے کی ضخامت سات سو صفحات کے قریب ہے، مزید یہ کہ بہت سی مثنویاں عطار کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں، اس کے علاوہ یہ سبب بھی ہے کہ سنائی اور عطار دونوں رومی کے سلسلۂ اساتذہ میں ہیں، اور ان کے خیالات کا بیشتر حصہ رومی نے اپنی مثنوی میں لے لیا ہے،

تاہم عطار چونکہ اقبال کے اساتذۂ روحانی میں سے ہیں، اس لئے ان کی سوانح حیات، تصانیف اور افکار سے واقف ہونا خالی از فائدہ نہیں،

سعد الدین محمود شبستری	زبور عجم کا "گلشن راز جدید" شبستری کے گلشن راز کے جواب میں لکھا گیا ہے،

شیخ شبستری تاتاری انقلاب کے زمانہ کے بزرگ ہیں، اس دور میں خاکِ ایران نے جو بلند پایہ ہستیاں پیدا کیں، ان میں سے ایک صاحبِ گلشنِ راز بھی ہیں، گلشنِ راز تصوف کی دقیق کتابوں میں سے ہے، علامہ نے اس کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے، پھر اس کے پیغام کو نئے لباس میں ملبوس کرتے ہوئے گلشنِ رازِ جدید کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اقبال اور شبستری کے فکر کے مقاماتِ اتصال کیا ہیں؟ اور وجوہِ اختلاف کون سے ہیں؟ اقبال اور شبستری دونوں کا مطمحِ نظر کیا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کس نئے انقلاب کا مدعی ہے؟ ان سب سوالات کا جواب مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں ضروری ہے، میں نے اپنے ایک مضمون "اقبال اور شعرائے فارسی" میں ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں گلشنِ راز کے بہت سے مسائل سمجھنے سے قاصر رہا۔

میں نے اس مضمون میں اختصار کے ساتھ اقبال کے اسلامی مآخذ کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بحث اس درجہ دقیق اور پر از مسائل ہے کہ اس مختصر سے مضمون میں اس کے مبادی تک کا بھی تذکرہ نہیں ہو سکتا، تاہم اس سے اتنا واضح ہو گیا ہوگا کہ حکمتِ اقبال کے اجزائے ترکیبی میں مسلمان صوفیوں اور حکماء کی حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دور کے حکیم اور عارف اقبال کی حکمت کا صحیح تجزیہ کر سکیں تو ہمیں علومِ اسلامیہ اور خاص کر اُس چمنِ فکر کی سیر کرنی چاہیئے جس کے گلہائے رنگا رنگ سے گلشنِ اقبال کو یہ رونق حاصل ہوئی،

حکمائے مشرق کی طرح اقبال نے حکمائے مغرب سے بھی بے حد استفادہ کیا ہے، مطالعۂ اقبال کے اس پہلو کے متعلق کچھ کام ہو چکا ہے، لیکن ابھی وہ ناکافی ہے، اس کے لئے فلسفۂ جدید سے عمومی واقفیت اور بعض بڑے بڑے فلسفیوں کے خصوصی اور نمایاں پہلوؤں سے واقف ہونا ضروری ہے، مثلاً نطشے، برگساں، ولیم بلیک، کانٹ، الیگزینڈر، میک ٹیگرٹ وغیرہ،

امید ہے کہ اقبال کے شیدائی، مطالعۂ اقبال کی تسہیل و تشریح کے لئے کوئی موثر اقدام کریں گے،



اسلامی اور غزنوی علم

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

(۲)

اس تفصیل کے بعد غزنوی علم کے متعلق کچھ نئی چیزیں پیش کیجاتی ہین، اس سلسلہ مین اس عہد سے پہلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانون کے مختلف اعلام کا تذکرہ کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اور ہیسٹنگز کی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (جلد دوازدہم، صفحہ ۱۴۵) مین سے کچھ مفید معلومات کا خلاصہ یہان درج کیا جاتا ہے:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمان حکمرانون نے اپنے لیے مختلف نشان اور علم مقرر کئے، خلفاے بنی امیہ نے سفید علم اور بنی عباس نے سیاہ علم اختیار کیا، موخر الذکر نے شقہ علم پر سفید حرفون مین کلمۂ طیبہ بھی لکھوایا، علویون نے سبز عَلَم اختیار کیا، اور زنگی (۲۵۵ھ ۸۶۹ع) نے ریشمی پھریرے پر قرآن پاک کی کوئی آیت سُرخ اور سبز حرفون میں لکھوائی، مصر کے فاطمی خلفاء (۲۹۷ھ ۹۰۹ع تا ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ع) نے اپنے علم مین ہلال لگایا، اور سرخ و زرد حریر کا ایک شیر بھی اُس مین بنوایا، اندلس کے الموحدین (۱۱۵۹ع) نے بھی اپنے علم مین ہلال لگایا، لیکن ہلال مسلمانون نے سب سے پہلے اختیار نہین کیا، بلکہ ان سے پہلے روم کے عیسائی حکمرانون کے یہان ہلال موجود تھا، اور عموماً زیبایش کے لئے مستعمل تھا، اس کے ساتھ پانچ ستارے بھی زیب و زینت کے لئے بنائے جاتے تھے، مشہور یہ ہے کہ چاند دیوی کی ایک لڑکی (Keroessa) تھی جس نے ہلال اختیار کیا تھا، اور یہی نشان رومی سلطنت کی

بنیاد ڈالی تھی، لیکن اوہام پرستی کی ان خیالی داستانوں سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو آنا ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہلال زیبایش کے لئے بھی اختیار کیا جاتا تھا، صنعا (یمن) کی ایک مسجد کے مینار پر ۱۲۰۷ء میں ہلال نصب کیا ہوا دیکھا گیا ہے، ترکون نے جو اپنے علم کے لئے ہلال اختیار کیا ہے، اس کے متعلق انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (طبع یازدہم، جلد دہم ص ۴۶۲) مین یہ بیان ملتا ہے :-

"ترکی ہلال اور ستارہ (غالباً سُہا) محمد دوم نے ۱۴۵۳ء قسطنطنیہ کی فتح پر بطور یادگار کے اختیار کیا تھا[۱] کیونکہ یہ نشان وہان پہلے بھی تھا، بلکہ وہان کی رومی حکومت کے اثر سے تو روسی گرجاؤن مین اب تک صلیب کے ساتھ ہلال دیکھا جاتا ہے، اس کی ابتدا یون ہوئی، کہ سکندر اعظم کے والد فلپ (فلپ دوم) نے ایک شب قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوارین گرانی چاہین، تو چاند نمودار ہوگیا، اور محصورین کو پتہ چل گیا، چنانچہ اونھون نے اسے نیک فال سمجھ کر اپنی ملکہ ڈائنا (Diana) کے لئے شاہی نشان بنالیا، اور پورے چاند کے بجائے ہلال کو اختیار کیا جو غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ بڑھنے اوبھرنے پر دلالت کرتا ہے، بہرحال ترکون نے اُسے بطور یادگار کے قائم کرلیا اور اُن کا شاہی علم سُرخ رنگ کا ہے جس میں خلیفۂ وقت کی تصویر بھی ہوتی تھی"۔

ہیسٹنگز کی انسائیکلوپیڈیا (بحوالۂ مذکورۂ بالا) مین ترکون کے علم کے متعلق اس خیال کی تردید کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ سلطان مراد اوّل (م ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) کے زمانہ میں جان نثار جماعت نے سُرخ علم اختیار کیا تھا، اور اسمین ہلال (بغیر ستارہ کے) بھی بنا ہوا تھا، یہی علم سلجوقی ترکون نے بھی اختیار کرلیا، اور اُس زمانے سے ترکی سلطنت مین قائم ہے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانون سے پہلے ہلال ضرور شاہی نشان مین جگہ پائے ہوئے تھا، ایران میں اسلام سے پہلے یزدجرد اور خسرو پرویز وغیرہ کے سکون میں بھی ہلال اور ستارے منقوش تھے، اور وہان جب

---

[۱] عرصہ ہوا مین نے کسی تاریخ مین پڑھا تھا کہ قسطنطنیہ کی فتح کے وقت قلعہ مین ایک ٹوپی پڑی ہوئی ملی تھی جس کو بطور یادگار کے ترکون نے اختیار کیا، اور وہ ترکی ٹوپی کہلائی، روم کی اس شاندار فتح کی خوشی ترکون کو کیون نہ ہوتی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بشارت دی تھی، ملاحظہ ہو، مشکوٰۃ، باب آلات الجہاد فصل اول حدیث نمبر ۳۶۸،

عرب[۵۱] عمال (۳۱ھ تا ۶۵۰ء) سے اسلامی حکومت کے علمبردار ہوئے تو انھون نے بھی اپنے سکون مین دوسرے رائج نقوش کے ساتھ یہ نقوش قائم رکھے، اس تاریخ سے ہلال اور ستارے ہمارے یہان بھی رائج ہوگئے،

ایران کے نشان کے متعلق ایک مفید[۵۲] مضمون "تاریخچۂ شیر و خورشید" (کسروی) طہران کے رسالہ "ارمغان" (ستمبر اکتوبر ۱۹۳۰ء) میں ملتا ہے، جس کا ضروری خلاصہ یہان پیش کیا جاتا ہے،

فاضل مضمون نگار نے پہلے شیر اور خورشید کی اہمیت بتائی ہے، کہ یہ زمین اور آسمان کی بہت نمایان شکلین ہین اور شیر کا مترادف لوئی (Lion, Leo) فرانس، روم اور آرمینیہ کے متعدد حکمرانون کا نام تھا، اور اس نام کے بادشاہون نے اور بالخصوص آرمینیہ کے لوئی دوم نے اپنے سکون اور علم پر شیر کی تصویر بنوائی تھی، اسی لوئی دوم نے تیسری صلیبی جنگ مین عیسائیون کی مدد کی تھی، اُس کے صلے مین جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا نے اُسے تاج شاہی دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ ۱۱۹۰ء میں مرگیا تو اُس کے لڑکے نے روما کے پوپ سے سفارش کرکے اُسے ایک شاہی علم دلوادیا، جس مین شیر کی تصویر تھی، لوئی ششم نے خصوصیت کے ساتھ شیر کو اپنے خاندان کا شاہی نشان قرار دیا، اسی طرح خراسان کے مغلون نے اور ماژندران کے صفوی حکمرانون نے بھی اپنے سکون مین شیر کندہ کرایا،

بعض شعراء نے بھی علم کے شیر کے متعلق اشارہ کیا ہے، مولوی معنوی (م ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء) کا ایک شعر ہے :-

ما ہمہ شیریم و شیرانِ عَلَم   حملہ مان از باد باشد دمبدم

فخر الدین اسعد گرگانی نے پہلوی سے فارسی مین "ویس و رامین" کا ترجمہ پانچوین صدی ہجری کے آخر[۵۳]

---

[۵۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اورنٹیل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۰ بعد [۵۲] مکرمی پرنسپل محمد شفیع صاحب نے اس کی اطلاع مجھے دی تھی، اور میرے بزرگ استاذ پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی مدظلہ نے اس کی نقل مجھے بھجوائی تھی [۵۳] حافظ محمود خان صاحب شیرانی نے اس ترجمے کی تاریخ ۱۰۴۸ء دی ہے، ملاحظہ ہو رسالہ "اردو" دہلی، جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۴،

مین اور ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء) کے عہد مین کیا تھا، اُس کے چند اشعار یہ ہین، جو ساسانی عہد کے اعلام کی ضروری اطلاع دیتے ہین :-

چو سروستان شدہ دست از درفشان | چو دیبائے درفشان مہ درخشان
فراز ہر یکے زرین یکے مرغ | عقاب و باز یا طاؤس و سیمرغ
بزیر باہ در شیر آبگون رنگ | تو گفتی شیر دارد ماہ در چنگ

ہخامنشی عہد (۵۵۰-۳۳۰ ق۔م) مین "خروس و مرغ زرین" کی تصویر عَلَم پر تھی، لیکن ساسانی عہد (۲۲۶ء-۶۳۲ء) مین ضرور شیر اور ماہ رہے ہون گے، یہ نہیں ہو سکتا کہ شاعر نے ان اشعار مین اپنے عہد کے اعلام دیکھ کر اُس زمانے کے اعلام کا تخیل باندھا ہو، کیونکہ اُس کے ہم عصر سلجوقیون نے تو ہلال اختیار کر لیا تھا۔

اسی طرح نظامی گنجوی کی مثنوی لیلی و مجنون جو ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء مین لکھی گئی اور اخستان بن منوچہر کے نام معنون کی گئی، ان مفید اشعار کی حامل ہے جو نوفل اور قبیلۂ لیلیٰ کی جنگ کے متعلق ہین :-

خورشید درفش دہ زبانہ | چون صبح دمیدہ دم نشانہ
گشتہ زمی از درم چو دریا | سنگ ابلہ رو تر از ثریا (؟)
ہر شیر سیاہ کایستادہ | چون مار سیہ دہان کشادہ
شیران سیاہ و در دریدن | دیوان سپید در دویدن

ان اشعار مین شیر والے عَلَم کے متعلق اشارہ ضرور ملتا ہے، اور یہ یقین ہے کہ یہ اشارہ اُس خیالی جنگ کے متعلق نہین ہوگا بلکہ خود شاعر کے سامنے اپنے زمانہ کے علم کی تصویر ہو گی،

آگے چل کر مضمون نگار کہتا ہے کہ شیر کا تعلق آفتاب سے بھی ہے، کیون کہ وہ برجِ اسد مین ہے، اس لئے ان دونون کو ایک ساتھ جگہ دی گئی ہے، اور یہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ شاہ طہماسپ صفوی نے اپنے سکون مین شیر اور شمس کو محض اس لئے ساتھ کندہ کرایا تھا کہ اس کی پیدایش کے وقت (چہار شنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۹۱۹ھ)

(۲۸ جنوری ۱۵۱۴ء)[۱] آفتاب برجِ حمل میں تھا، پھر وہ "مختصر تاریخِ دول" کا تذکرہ کرتا ہے، جس کا مصنف ایشائے کوچک کے سلجوقی حکمران غیاث الدین کیخسرو (بن عزالدین کیکاؤس) کے بعد ہی ساتوین صدی ہجری (تیرہوین صدی عیسوی) میں گذرا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ حکمران گرجستان کی ایک عیسائی حسینہ پر عاشق ہوا، اور اس کے ساتھ شادی بھی کرلی لیکن اس کی شیفتگی بہت بڑھی ہوئی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ اس کی تصویر اپنے سکوں میں بنوائے لیکن امرا نے اس کی موافقت نہ کی، اس وقت اوس نے مجبور ہوکر اپنی محبوبہ کے آفتابی رخسار کی مناسبت سے برج شیر کے ساتھ آفتاب کا اضافہ کر دیا، چنانچہ اوس وقت سے یہ دونون شکلین ساتھ ساتھ سکون مین کندہ ہونے لگین، اور اس قسم کا کوئی سکہ ایسا نہین ملا، جو اس سے زیادہ قدیم زمانے کا ہو،

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب "ایران کی جدید شاعری اور طباعت" میں سب سے قدیم روزنامہ "خلاصۃ الحوادث" مرتبہ آقا محمد باقر خان کے پہلے صفحے کا عکس دیا ہے، جس مین ایک شیر کی تصویر ہے، جس کے داہنے ہاتھ مین تلوار ہے شیر کے اوپر سورج اور اس کے اوپر تاج ہے، یہ روزنامہ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء سے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء تک جاری رہا،

غزنوی علم

ہیننگر کی کتاب (بحوالۂ مذکور صفحہ ۱۴۶) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے ہندوستان مین غلبہ ظاہر کرنے کے لئے ہلال اختیار کیا تھا، جو یہان کے علم مین بھی ضرور قائم کیا ہوگا، چونکہ محمود اور اس کے جانشینون کو عباسی خلفاء سے خاص عقیدت تھی، اس لئے ظاہر ہے، کہ یہ علم بھی ان کے علم کی طرح سیاہ ہی ہوگا، اس کے متعلق ثبوت پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہون، کہ بغداد سے علم بھی ملتے تھے، چنانچہ سومنات کی فتح پر خلیفہ القادر باللہ (م ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء) نے محمود کو القاب کے ساتھ علم بھی روانہ کیا جس سے یہ مراد تھی، کہ اس علم کے متعلق جو ممالک ہین، ان مین محمود کی حکمرانی خلیفہ کو منظور ہے، فرشتہ لکھتا ہے:-

"..... درین سال کہ سلطان از سفرِ سومنات برگشت خلیفہ القادر باللہ عباسی القاب نامہ بسلطان محمود

---

[۱] خلاصۃ الاخبار (خواندمیر) ورق ۲۲۴ (الف) جیب گنج، شاہ طہماسپ صفوی کا انتقال ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں ہوا،

نوشتہ لوائے خراسان و ہندوستان و نیمروز و خوارزم فرستاد، وسلطان و فرزندان و برادران

اورا در نامہ لقبہا نہادہ، سلطان راکہف الدولہ والاسلام و امیر مسعود را شہاب الدولہ و جمال الملۃ

و امیر محمد را جلال الدولہ و جلال الملۃ و امیر یوسف را عضد الدولہ و مؤید الملۃ خواند، و دیگر نوشت کہ

ہر کرا و ولی عہد گردانی ما نیز آن کس را قبول داریم۔۔۔۔"[1]

ظاہر ہے کہ جب خلیفہ کا علم سیاہ ہوگا، تو اسکا بخشا ہوا عَلَم بھی اُسی رنگ کا ہوگا،[2]

محمود غزنوی کے درباری شاعر فرخی (م ۴۲۹ھ / ۱۰۳۸ء) نے اوس کے بھائی یوسف (سپہ سالارِ ہند) کی

مدح کے ایک قصیدہ مین کہا ہے :-

چترِ سیہ و رایتِ تو سایہ فگندہ ست   در ہند بہر جائے کہ حصنے وحصاریست[3]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمودی چتر سیاہ تھا،[4] اور سیاہ کی صفت اغلب ہے کہ "رایت" کے

ساتھ بھی ہو، کیونکہ محمود یقیناً عباسی خلیفہ کے زیرِ اثر تھا، جس کا علم سیاہ تھا،

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ محمود کے نبیرہ سلطان ابراہیم (م ۴۹۲ھ / ۱۰۹۹ء) کے علم مین شیر کی تصویر تھی،

اس سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے، عُنصری (م ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء) نے اسی شیر کے متعلق محمود کی مدح کے ان اشعار

---

[1] تاریخ فرشتہ، طبع لکھنؤ ص ۳۵ [2] عباسی خلفاء سیاہ خلعت روانہ کرتے تھے، جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب "خلافت اور ہندوستان" کے صفحہ ۲۱، ۲۲ وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، عباسی خلیفہ کا ہودج بھی سیاہ ہوتا تھا، جیسا کہ خاقانی کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے : وان ہودج خلیفہ متوج بماہِ زر ÷ چون شب کز آفتاب نہی تاج بر سرش [3] انتخابِ فرخی لاہور ۱۳۵۴ھ ص ۲۵ [4] سنجر سلجوقی کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ اس شعر مین ہے: چون چتر سنجری رُخِ بختم سیاہ باد - با فقر کی بود ہوس ملک سنجرم، مسٹر ولیم بیل نے مفتاح التواریخ آگرہ ۱۸۶۸ء ص ۶۹) میں لکھا ہے کہ یہ شعر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ / ۱۱۶۶ء) کا ہے اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہو کیونکہ سنجر (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء) اُن کا ہم عصر تھا لیکن حمیدیہ لائبریری بھوپال کے انتخاب شعرائے متقدمین (نمبر ۳۔ ورق ۳۴۳ ب) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر عراقی (م ۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ء) کا تھا،

اور جس طرح کہ محمود کا علم سیاہ تھا، بہرام شاہ کا علم بھی سیاہ تھا، چنانچہ وہی شاعر کہتا ہے:-

اے رفتہ زمین رایت او دیدہ بجایت سیاہی

بہرام شاہ ای شاہ کہ از رایت شبرنگ درکوکبہ چون لف تبان ماہ گرفتی[۱]

فرخی کے کلام سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محمود کا چتر سیاہ تھا، سید حسن غزنوی کے ذیل کے اشعار بتاتے ہیں

کہ بہرام شاہ کا چتر بھی سیاہ تھا، اور اس کا تاج سفید تھا:-

گر ز چتر تو شام سیاہ گردون خواست چو فر تاج تو صبح سپید کار گرفت

رتبت چتر سیاہت چیست مرغ روز کور لاجرم تا شد ہمہ چشمش سپید از انتظار

روزے کہ بر نہی تو تاج سپید ہ دم گیرد کنار سایۂ چتر سیاہ را

ملک دگر وا را امید زان کہ بداد تو نید صبح ز تاج سپید، شام ز چتر سیاہ

از تاج تست عکس صبح سفید پوش در چتر تست خال شام سیاہ وار[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۷) گائے کی تصویر اور اس کے اوپر ہندی خط میں "شری سمنت دیو" کندہ تھا، میں نے تانبے کے یہ سکے حافظ محمود شیرانی صاحب کے یہاں لاہور میں دیکھے ہیں، یہ مسلمانوں کی رواداری کی شاندار مثال ہے [۱] انڈیا آفس مخطوطہ ۹۳۱، ورق ۱۱ (ب) تقریباً سبھی غزنوی سلاطین کے سکوں میں (خصوصاً وہ جو غزنین وغیرہ میں رائج تھے) خلیفۂ وقت کا نام بھی کندہ ہوتا تھا [۲] مخطوطہ مذکورہ - ورق ۲۰ (ب) ۲۲ (الف) ۱۱۳ (ب) -۱۱۴ (الف) اور پیرس کا مخطوطہ سپلیمنٹ نمبر ۷۹، ورق ۱۰ (ب) - مترتباً، بہرام شاہ کے بھائی ملک ارسلان کی تاریخ معارف (نومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء) میں پیش کر چکا ہوں، اس کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ مسعود سعد سلمان (دیوان صفحہ ۴۶۴-۹۰۰) نے کہا ہے،

گوید سپہر باشد دولت سپید روئے تا ہست چتر ملک ملک ارسلان سیاہ

روے دولت سپید و قصر سپید روز دشمن سیاہ و چتر سیاہ

سفید تاج کے متعلق بھی اشارہ ملتا ہے،

آداب الحرب (لاہور مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۹) سے معلوم ہوتا ہے، کہ بہرام شاہ کے والد مسعود سوم کے چتر پر باز تھا،

مسعود سعد سلمان نے بھی بہرام شاہ کے سیاہ چتر کا تذکرہ کیا ہے :-

آن خنجر زدودش دولت فزای گشت روے عدوے او شد ہ چون چتر او سیاہ[۱]

یہ ہے غزنوی چتر اور علم وغیرہ کی تفصیل، اگر دوسرے مسلمان حکمرانون کے شاہی لوازمات کی تفصیل دیکھنی ہو تو ذیل کے حاشیے[۲] کی کتابین بھی بہت کچھ معلومات بہم پہنچائین گی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۸) ہم پچھلے حاشیہ پر دیکھ چکے ہین، کہ سنجر کا چتر سیاہ تھا، انوری (کلیات، لکھنؤ ۱۸۸۰ء صفحہ ۱۰۳) نے سنجر کے چتر کے باز کا تذکرہ کیا ہے.

سلطان سلاطین کہ باز چتر ش در معرکہ سلطان شکار باشد

لیکن حمیدیہ لائبریری کے انتخاب شعرائے متقدمین نمبر ۳ ورق ۲۵۵ (ب) میں اس شعر میں "باز چتر ش" کے بجائے "شیر چتر ش" ہو

[۱] بدایونی کلکتہ ۱۸۶۸ء جلد اول صفحہ ۴۳ [۲] مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی کے کرم سے اور معارف کی علم نوازی کی بدولت مختلف مسلمان حکمرانون کے تخت، چتر، تاج و علم وغیرہ کے متعلق معلومات صبح الاعشیٰ ج ۳ (ص ۴۴۲، ۴۹۰، ۵۲۲) ج ۴ (ص ۶-۸) ج ۵ (ص ۲۰۶، ۳۲۳) میں سے اور مقدمہ ابن خلدون (ص ۲۸۴-۲۸۵) اور خطط مصر مقریزی جلد ۳ (ص ۳۴۰-۳۴۲) وغیرہ سے معلوم ہون گی، صبح الاعشیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن تغلق کے سر پر سیاہ علم ہوتے تھے جن کے درمیان ایک سنہری اژدہا بنا ہوتا تھا، اور اس کے میسرہ میں سُرخ علم ہوتے تھے، جن میں دو سنہری اژدہے بنے ہوتے تھے، جنگ مین سلطان پر سات چتر ہوتے تھے، امیر خسرو کی مثنوی مفتاح الفتوح (اورنٹیل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۶ء ص ۲۶،۱۲ وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے، کہ جلال الدین فیروز شاہ کا چتر سیاہ تھا، اور علم مین ہلال تھا،

القضا فی الاسلام

اس مین طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابون سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے، ضخامت ۹۲ صفحے قیمت: ۱۲

"منیجر"

تصحیحِ فکر[1]

از

جناب میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

"اس مختصر مقالہ سے میرا مقصود فکر کی اہمیت کو واضح کرنا ہے، جو فلسفہ کا آلہ ہے، بتایا گیا ہے کہ افکار ہی سے اعمال و افکار کا تعین ہوتا ہے، اور افکار ہی اعمال کے ذریعہ ہماری قسمتوں کا تعین کرتے ہیں، فلسفہ جو تصحیح فکر کا دوسرا نام ہے قسمتوں کے ڈھالنے کا ایک زبردست آلہ ہے، ایسے اہم اور مفید مضمون کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو اپنی فکر کو پختہ کرکے اپنی قسمت کا آپ معمار بننا چاہتا ہے، اور اپنی فکر کو خام رکھکر انسان سے حیوان بننا نہیں چاہتا، جیسا کہ اقبال نے کہا تھا ؎

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی　　رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار　　انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ"

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ　　مابقی استخوان و ریشۂ

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی　　ور بود خارے تو ہمہ گلخنی

(رومیؒ)

افکار و خیالات ہی سے مقاصد و غایات کا تعین ہوتا ہے، مقاصد کردار، افعال و اعمال میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، افعال ہی کی تکرار سے عادت قائم ہوتی ہے، عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت تشکیل پاتی ہے، اور سیرت ہی ہماری قسمت کا تعین کرتی ہے جیسی سیرت ویسی قسمت۔ لہذا جیسے خیالات ویسی کائنات انا عند ظنّ عبدی بی

---

[1] یہ مقالہ "بزم فلسفہ" کی کرسی نشینی کے موقع پر سنایا گیا جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے شعبۂ فلسفہ کی بزم مباحثہ ہے،

یہ قانون ذہن کے دائرہ مین وہی صداقت واہمیت رکھتا ہے جو قانونِ تجاذب دائرۂ فطرت مین قطعی و یقینی؛
جب سیرت اور قسمت کی تشکیل وتعیین مین افکار وخیالات ہی کی کار فرمائی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے اپنے افکار
وخیالات کی اصلاح اس کا اپنا نہایت اہم فریضہ ہے، قوم سازی اور فرد کی روح کی تکمیل اصلاحِ خیال پر منحصر ہے،

ع یک تنقیہ دماغ می باید کرد

مقاصد وغایات کا دائرہ ذہنِ انسانی ہے، انسان کا کوئی فعل مصلحت وغایت سے خالی نہین ہوتا، اب
مقاصد کا تعین غور وفکر سوچ اور بچار پر منحصر ہے فکر ہی کائنات کی سب سے زیادہ عظیم الشان قوت ہے، اور یہی ان دونون
انسان مین سب سے زیادہ غیر تربیت یافتہ قوت ہے، اس کی تربیت ہی کے متعلق مجھے یہان کچھ کہنا ہے،

فرض کیجئے کہ آپ کو ایک باغ لگانا ہے، اس کے لئے آپ کو چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا، جن کو باغبانی کے
قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ دریافت کرنی ہے کہ باغ لگایا کہان جائے، پھر اس جگہ کو مسطح
اور خس وخاشاک سے پاک کرنا ہوگا، یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے، پھر ہمیں پھولون یا ترکاریوں کے بیج کا انتخاب
کرنا چاہئے، اور اس عمدگی سے تیار کی ہوئی زمین مین انھین بونا چاہئے، ہمین اس امر کا بھی خیال رہے کہ بیج عمدہ ہین
ناقص نہیں، پھر موسم گرما میں ان بیجون کو پانی دینا پڑتا ہے تاکہ شدت تمازت انھیں جلا نہ ڈالے، اب ہمین انتظار
کرنا پڑتا ہے، کہ وقتِ مقررہ گذر جائے اور بالآخر نگل تر ونمائی کرے، اگر بے صبری سے ہم بیجون کو کھود کر دیکھنا
چاہین، کہ یہ جل تو نہیں گئے، تو پھر ان بیجون کو نشو ونما کا موقع نہین ملے گا، بعض دفعہ ہمین کچھ زیادہ دن انتظار
کرنا پڑتا ہے لیکن اگر ہم نے زمین کو خس وخاشاک سے اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجون کے انتخاب مین غلطی نہیں کی،
آبیاری کی ہے، تو ہمین یقین ہے کہ ایک دن زندگی دامن زمین چیر کر پودوں کی شکل مین جلوہ افروز ہوگی، اسی زمانہ
مین ہمین یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بادوباران، آفتاب وحرارت بیجون کے نشو ونما کے لئے ضروری ہے، طوفان
تک انھین نقصان نہین پہنچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں، ساری کائنات اور کائنات کی ساری قوتین ان کے
ساتھ اشتراک عمل کر رہی ہین،!

فرض کرو کہ انتظار کی مدت بحمد اللہ گزر گئی، باریک بیجون نے خوش رنگ و دلفریب لالہ و یاسمن کی شکل اختیار کی، فطرت کا زبردست لیکن مانوس معجزہ ہماری آنکھون کے سامنے پیش ہوا، شروع ہی سے ہم جانتے ہین، اور یہ علم مرتبہ یقین تک پہنچا ہے کہ جس پھول کا بیج ہم نے بویا ہے، وہی پھول والا پودا رونما ہوتا ہے، اور ہزارون باریکیون کے ساتھ اپنے اندر ان تمام چیزون کا اعادہ کرتا ہے، جو اس پودے میں پائی جاتی ہین جس کا یہ بیج ہے، کیا اس بیج کو اصلی پھول کی نہ بھولنے والی صورت "یاد" رہتی ہے؟!

پھول کی غایت تخلیق سے تو ہم واقف نہین لیکن اتنا ضرور جانتے ہین کہ یہ ہمارے دل کا سرور آنکھون کا نور ہے، کسی کے پاکیزہ الفاظ مین ہم اس کو "ربیع قلبی، نور بصری، جلاء حزنی، ذہاب ہمی" کہہ سکتے ہین، !

باغبانی کے یہ قواعد تو آپ سب جانتے ہی ہین، کوئی بات نئی نہین، لیکن میری دانست مین نئی بات جو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہون، وہ یہ ہے کہ بالکل انہی قواعد و قوانین کے استعمال و پابندی سے آپ دنیا کی تمام حسین و خوشگوار چیزون کو حاصل کر سکتے ہین، جو زندگی کے بیج مین مستور ہے وہی ہم میں سے ہر ایک مین موجود ہے، ان چیزون کے حصول کے لئے ہمین زندگی کی ویسی ہی خدمت کرنی پڑتی ہے جیسی کہ ان پھولون کے بیجون کی ہم نے کی تھی،

دلفریب پھولون کے لئے آپ نے خارج (عالم اکبر) میں باغ لگایا تھا، شادمانی و مسرت کے حصول کے لئے آپ کو باطن (عالم اصغر) میں باغ کے لئے زمین تیار کرنی ہے، شاید آپ کو علم نہیں کہ اس کا محل و قوع ٹھیک کہان ہے؟ یہ باغ آپ کو اپنے "میدان فکر" میں لگانا ہے، کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم مین سے ہر ایک کے ہان ایک عظیم الشان میدان فکر، موجود ہے، جس کی وسعت کو ارض و سما نہیں پا سکتے، صرف ہمارا دل ہی اسکو سما سکتا ہے!! مگر افسوس ہو کہ یہ میدان خس و خاشاک سے پٹا پڑا ہے! جانتے ہو کہ یہ خس و خاشاک ہے کیا؟ وہی سلبی افکار و خیالات جن کو مختصر طور پر شر انگیز، بد، غلط خیالات کہنا کافی ہوگا، واقفان راز کا اصرار ہے کہ یہی ہمارے تمام مصائب و آفات کا سرچشمہ ہین، ان سے ذہن و قلب کو پاک و صاف کرنا چاہئے! اس راز کو سمجھنے کے لئے اس نفسیاتی قانون

پر غور کرو جس کا ہم نے ابتدا ہی مین ذکر کیا ہے، افکار و خیالات ہی سے ہم زندگی کے مقاصد کا تعین کرتے ہین، اپنے مقاصد ہی محرک بن کر ہمین عمل پر آمادہ کرتے ہین، اعمال کی تکرار عادات راسخہ کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اور سیرت سوائے ان عاداتِ راسخہ کے منظم مجموعہ کے کوئی اور چیز نہین اور ہماری سیرت ہی ہماری قسمت کا دوسرا نام ہے! سلبی خیالات فاسد مقاصد کا تعین کرتے ہین، ان ہی سے تو شر کا صدور ہوتا ہے، شر کا ارتکاب عادت بنکر سیرت بد کی تشکیل کرتا ہے، اب میکانکی طور پر بغیر غور و فکر کے شر ہی کا صدور ہونے لگتا ہے، اور شر کے نتائج و ثمرات سے ہم سب واقف ہین: درد و رنج، غم و الم، حزن و یاس!

میدانِ فکر کا سلبی خیالات کے خس و خاشاک سے پاک ہونا ضروری ہے، اور نیک خیالات کی تخم ریزی لازمی، سلبی خیالات کو دور کرنے کا طریقہ ان سے جنگ کرنا نہین، ان کا زور مرد افگن ہوتا ہے، جب ہم اُن سے مقابلہ کرتے ہین، تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے، اب حیات (یا "جثۂ حیات") کا بہاؤ توجہ کی طرف ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر، اگر ہم کسی گناہ یا شر کی جانب توجہ کرین، اس کے استیصال کی خاطر سہی، تو زندگی کی تمام قوتین اس کی جانب رُخ کرتی ہین، اس طرح اس کی طاقت مین اور اضافہ ہوتا ہے، مثلاً اگر ہمین بے خوابی کا مرض ہے تو ہم جس قدر اس کے متعلق فکر کرین گے، اور اوس کو دور کرنا چاہین گے، بالفاظ دیگر اس کا مقابلہ کرین گے اسی قدر یہ تکلیف زیادہ ہوتی جائے گی، اس کے برخلاف اگر ہم اس کو بالکل بھول جائین تو ہم ٹھنڈی نیند سو جائین گے اسی طرح شر کے مقابلہ سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور توجہ سے اس کی قوت مین اضافہ ہوتا ہے،

شر کا مقابلہ خیر سے کرنا چاہئے، ظلمت کا مقابلہ نور سے، ظلمت کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہئے، ظلمت کا مقابلہ ظلمت سے کرنا "ظلمات فوق ظلمات" کا مصداق بنتا ہے، اگر تمھین[1] نفرت کو دور کرنا ہو تو محبت کا تصور کرو

---

[1] احادیث مین خطرات و وساوس کو دور کرنے کے لئے بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے، اور یہ جو علاج پیش کر رہے ہین، اس کا استنباط ان ہی احادیث سے کیا گیا ہے، جو عجیب الاثر نفسیاتی طریقہ ہے،

خوف کو دور کرنا ہو تو شجاعت و ہمت پر نظر جماؤ، خود غرضی کے بجائے ایثار نفس کا خیال رکھو، اسی طرح تمھین غصہ کے بجائے حلم، بیماری کی بجائے صحت، کج خلقی کی بجائے خوش خلقی، شکایت کی بجائے صبر و شکر، خلق کی جبہ سائی کے بجائے رازق مطلق کا خیال اپنے ذہن مین جمانا چاہیئے، تمھارا معروض فکر جو ہوگا، رفتہ رفتہ وہی تم بھی بن جاؤگے یہی معنی ہین جامی سائی کے اس قول بلیغ کے ؎

گر در دل تو گل گزرد گل باشی ۔۔۔ ور بلبل بے قرار بلبل باشی!

تو جزوی و حق کل است گر روزی چند ۔۔۔ اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی!

اسی فکر کے ایک دوسرے اعتبار پر غور کرو، دنیا مین وہی چیز بری ہے جس کو ہم برا سمجھتے ہین، اگر ہم اس کو برا نہ سمجھین تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے جسم کو آزار پہنچائے، لیکن وہ ہمارے قلب کو چھو نہین سکتی، یاد رکھو دنیا مین ہر چیز کی قیمت رائے پر منحصر ہے، اور رائے تمھارے اختیار مین ہے، جب چاہو رائے کو ترک کردو، پھر اس ملاح کی طرح جس نے اپنے جہاز کو سمندری پہاڑیون سے بچا نکالا ہو تمھیں ہر طرف سکون نظر آئے گا، اگر تم اپنی رائے کو ترک کردو تو پھر یہ شکایت باقی نہ رہے گی، کہ ہائے مجھے نقصان پہنچا، اس شکایت کو ترک کردو کہ ہائے مجھے نقصان پہنچا تو نقصان خود باقی نہ رہے گا، اسی لئے کہا گیا ہے کہ "عقلمند آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کسی خوش قسمتی کا محتاج نہین"۔

خیالات کا ماحول پر اثر ناقابل انکار ہے، خیالات کی پختگی اور قوت انسان کی روح کو سخت جسمانی تکلیف مین بھی مطمئن اور قوی رکھ سکتی ہے، ارادہ نتیجہ ہے توجہ کا یعنی خیال و فکر کا، جن خیالات کا اظہار انسان عمل میں کرنا چاہتا ہے، ان ہی پر توجہ کو مرکوز کرتا ہے، انھی کو ذہن میں دہراتا ہے، اٹھتا ہے بیٹھتا ہے، ان ہی سے اس کے ذہن کی فضا مملو ہوتی ہے، اور یہی خیالات عالم آثار مین عمل کی صورت اختیار کرتے ہین، خیال حقیقت ہے، عمل اس کا ظہور ہے، ولیم جیمس نے سچ کہا ہے "زندگی کا سارا ڈرامہ ایک ذہنی ڈرامہ ہے ساری شکل ذہنی شکل ہے"۔

میدان فکر کو خس و خاشاک سے پاک کرکے نیک خیالات کی تخم ریزی کرو، باغبانی کے بیجون کی طرح خیالات کے انتخاب مین بھی حزم و احتیاط ضروری ہے، اور جس طرح بیج کو پودے کی شکل مین نمایان ہوتے کچھ عرصہ لگتا ہے،

اور تمھین انتظار کرنا پڑا تھا اسی طرح خیالات کو قلب مین تغیر پیدا کرنے اور ہر نیک عمل مین ظاہر ہوتے دیر لگتی ہے، تمھین پست ہمت نہ ہونا چاہئے اور نہ رنجیدہ، اگر تم نے اپنا کام قاعدے کے موافق کیا ہے خس وخاشاک کو صاف کیا ہے، نیک خیالات کے بونے مین احتیاط برتی ہے، تو شادمانی ومسرت، طمانیت وبردقلبی سرور وکیف وہ گلہائے شاداب ہین جو نتیجہ کے طور پر تمھین حاصل ہون گے،

ان حقائق سے واقف ہونے کی وجہ سے عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں اوس کا کوئی دشمن نہیں، اگر اوس کا کوئی دشمن ہے تو خود اس کا نفس ہے، اَعْدَیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ (البیہقی مین حدیث ابن عباس رضی) اس لئے نہ وہ کسی پر ملامت کرتا ہے، اور نہ کسی کی مذمت، بردقلبی کے ساتھ محاسبۂ نفس کرتا ہے، صبر وسکون کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتا ہے، صرف یہی نہین کرتا بلکہ کسی مزید قرض میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرتا ہے، وہ اپنے خیالات پر نظر رکھتا ہے، قلب کا دربان بن جاتا ہے، بد یا سلبی خیال کو داخل ہونے نہین دیتا، داخل ہو جائے تو فوراً نیک یا ایجابی خیال کو اس کی جگہ لے آتا ہے، اپنے افعال کو بے عیب بناتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حال نتیجہ ہے ماضی کا قسمت نتیجہ ہے خیالات کا !

کامل گوید جہان تمام واہل است ناقص گوید کہ کوتہ است وسہل است

شطرنج ہمان عرصہ ہمان رخت ہمان این بردن وباختن زعلم وجہل است

(سحابی استرآبادی)

اسلامی قانون فوجداری

مولانا سلامت خان المعروف بہ خداقت خان کی کتاب الاختیار کا ترجمہ جس میں تمام تعزیرات وجرائم کے متعلق پندرہ ابواب ہین اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے جمع کی گئی ہین، قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے، ضخامت ۵۲ صفحے قیمت ہے،

منیجر

عہدِ مغلیہ کے دو پروانے

از

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدر آباد

رسالۂ معارف ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء مین عنوان مندرجۂ بالا کے تحت جو جواب معارف کی جانب سے شائع ہوا ہے، سطور ذیل مین اس کے متعلق بعض امور واضح کئے جاتے ہین،

واضح ہو کہ سلطنتِ آصفیہ مین گذشتہ ڈیڑھ صدی تک جو آئین ریاست اور نظم و نسق رائج تھا، وہ مغلیہ اصول کے مطابق تھا، معاشون کی عطا اون کی بحالی اور ضبطی اور طریقہ کارروائی سب کے سب بالکلیہ مغلیہ اصول کے پابند تھے، اس لئے انہی امور کی روشنی مین زیر بحث پروانون پر مزید غور کیا جائے تو نامناسب نہین ہو گا،

اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ دورِ مغلیہ مین معاشون کی عطا بذریعۂ "فرمان" یا پروانہ ہوتی تھی، سند یا تصدیق نامہ کے ذریعہ معاش عطا نہیں کی جاتی تھی "پروانچہ" کے نام سے بھی مغلیہ عہد کے کاغذات موجود ہین، پروانچہ، پروانہ کی تصغیر ہے، اور بلحاظ وجاہت شخصی پروانہ اور پروانچہ کا اجرا ہوتا تھا[1]

جو عطایا بادشاہ یا دیوان کے حکم سے ہوتی تھی، وہ عطیۂ سلطانی سے موسوم ہوتی، اور زیادہ موثق اور دیرپا تصور کیجاتی، جاگیردار یا بعض صوبہ دار جو معاش اپنی جاگیر یا اپنے علاقہ مین عطا کرتے تھے، تو وہ اس کی سند خود دیتے تھے، لیکن بعد مین اکثر اس کی توثیق شاہی بھی ہو جاتی تھی، اور اب یہ عطیۂ سلطانی

---

[1] دفتر دیوان حیدر آباد مین مغلیہ عہد کے کاغذات بھی موجود ہین،

ہو جاتی، جو وثیقہ اس عطا کا جاری ہوتا، اس کی عبارت میں اس امر کا بھی اظہار کر دیا جاتا کہ معاش اولاً کن کی عطا کردہ تھی،

اگر عطا کے وثیقہ (فرمان، پروانہ، سند) میں نسلاً بعد نسلٍ یا دوام کے الفاظ درج نہ ہوتے تو عموماً معطی لہ کے مرنے کے بعد معاش ضبط ہو جاتی تھی، اور اس کے بعد دوبارہ اس کے فرزند اکبر یا وارث کے نام تجدید ہوتی، اور یہ تجدید پھر ذریعہ فرمان، پروانہ یا سند ہوتی تھی، گویا معاش کی تحقیقات ہو کر دوبارہ بحالی ہوتی،

اراضی معاش کے لئے ایک مرتبہ عطا ہو جانا کافی ہوتا تھا، لیکن نقدی معاش یعنی یومیہ، سالیانہ اور معمول کے لئے ہر سال دفتر دیوان سے جدید احکام کی ضرورت ہوا کرتی تھی، ہر سال اس قسم کی معاش کے لئے سرکاری حکم نافذ ہوتا تھا،

اس وضاحت کے بعد اب اگر فرمان نصرت جنگ کے متعلق غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ قاضی ثنا بدرالدین کو کارٹ خان اور محمد شفیع خان نے جو معاش عطا کی تھی، اس کی توثیق عطیۂ سلطانی کی حیثیت سے ہوتی کہ اس فرمان کے باعث ان کی عطا شاہی عطا ہو جاتی ہے، یہ تصدیق نامہ نہیں، بلکہ دراصل فرمان یا پروانہ ہی ہے،

اسی طرح دوسرا پروانہ ایک احکام یا سرکاری مراسلہ کی حیثیت رکھتا ہے، چار فلوس یومیہ مسجد کے تیل کے اخراجات کے لئے جاری ہوا ہے،

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے پروانے یا احکام ایک اصولی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے معارف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ

"ان تصدیق ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلقہ کے عمال حکومت قاضی صاحب موصوف کو بار بار پریشان کرتے رہتے تھے، اس لئے قدیم عطایا کی تصدیق دوبارہ کرائی گئی، چنانچہ اسی تصدیق کے لئے عہد عالمگیری میں وہ پروانہ صادر ہوا، پھر امتداد زمانہ سے جب عمال نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی تو عہد محمد شاہی میں جدید تصدیق نامہ جاری ہوا"۔

چنانچہ خود اس امر سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہر سال سند مجدد نہ طلب کرنے کا تذکرہ آخری پروانہ مین کر دیا گیا ہے یعنی اس پروانہ کے بعد دوبارہ اوس کی تجدید کی ضرورت نہین رہی،

معارف: لفظ تصدیق نامہ بطور اصطلاح استعمال نہین کیا گیا تھا، بلکہ بطور مفہوم تھا کہ اس فرمان یا پروانۂ شاہی سے سابق عطا کردہ پروانہ کی توثیق و تصدیق ہی مقصود تھی، انہین "فرمان" کے بجائے تصدیق نامہ سے خاص طور پر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مستفسر کی خدمت مین یہ اشارہ کیا جا سکے، کہ ان کے ان مراسلہ فرامین کے ذریعہ قاضی بدرالدین کو اراضی معاش پہلی مرتبہ عطا نہیں کی گئی تھی، بلکہ وہ فرامین جو ان سے پہلے کے ہین، اُ جنھین مستفسر نے ارسال نہین کیا تھا، دراصل ابتداءً انہی کے ذریعہ اراضی عطا ہوئی تھی، اس لئے آخر مین کہا گیا تھا کہ

"اب اگر اصل پروانہ آپ ارسال کرین تو اس کی صحیح تاریخ متعین کی جا سکتی ہے"۔

ورنہ ظاہر ہے کہ عطیات کے لئے فرامین ہی جاری ہوتے تھے، اور وہ اصطلاحاً فرمان ہی کہے جائین گے،

"س"

عرب کی موجودہ حکومتین

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانون کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصون اور حکومتون کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب مین عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابلِ ذکر حکومتون نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی تسعہ، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہین،

ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت: ۸؍

منیجر دارالمصنفین

استفسار و جواب

فنِ تصوّف

اور محدثین و صوفیہ مین تطبیق کی راہ!

جناب عبدالرحمٰن صاحب متعلم
پرنس آف ویلز کالج جموّن (کشمیر)

محترمی جناب سید صاحب مدفیوضہٗ

السّلام علیکم

جب سے آپ کی ذاتِ گرامی سے غائبانہ تعارف ہوا ہے اُسی وقت سے یہ شوق دامنگیر رہا ہے کہ خط وکتابت ہی کے ذریعہ آپ سے کچھ استفادہ کیا جائے،

اپنے دینی شعور کی ابتدا ہی سے مین نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ مین کتاب وسنت ہی کو معیارِ حق اور دلیلِ راہ بنایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ فقہی مسائل مین مسلمانون مین جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہون، اور ان مسائل مین "اہلِ ظاہر" اور "اصحاب رائے" کے بین بین کی راہ یعنی "فقہار محدثین" یا "اصحابِ حدیث" کے مسلک کی ترجیح کا قائل ہون، لیکن جو اختلاف محدثین اور صوفیاے کرام مین پایا جاتا ہے، اس کی حقیقت کے سمجھنے مین ابھی تک پریشان ہون، اور اس الجھن سے نکلنے کے لئے سیرت نگار رسول ہی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے، اور وہ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کے حالات وکیفیات کے بیان کرنے مین محدثین عظام اور

صوفیائے کرام میں کس کی ترجمانی زیادہ صحیح ہے، اور آپؐ کی پاک زندگی کے اس شعبہ کے علم وعمل کے جاننے میں کون سا گروہ حقیقت کے زیادہ قریب پہنچ سکا ہے، اور ان میں سے کس جماعت کا راستہ حق کا راستہ ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ ہی افراط و تفریط سے نہیں بچ سکے، تو اہلِ حق کون ہیں، اور اصحابِ اقتصاد کا طریق کیا ہے، اور اس مسلک کے ائمہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسی سوال سے متعلق چند ایک سوالات ہیں جنھیں نمبروار درج کرتا ہوں!

۱- الاحسان (الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ الخ الحدیث) کی غایت کیا ہے؟

۲- کتاب اللہ کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ رسول اللہ میں الاحسان کے حصول کا طریق کیا ہے؟

۳- کیا "الاحسان" کے حصول کے لئے بیعت کرنا لازم ہے، اور اس کے بغیر الاحسان کا حصول ممکن نہیں؟

۴- زمانہ نزولِ قرآن کی عربی زبان قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ میں بیعت کا مفہوم کیا ہے، عہدِ جاہلیت میں اس کی غرض وغایت کیا تھی، اور پھر اسلام میں کیا ہوئی؟

۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ صحابہ سے الگ الگ مختلف اوقات میں جو بیعت لی، اُس کا اقرار اور غرض وغایت کیا تھی؟ اور جو پوری جماعتِ صحابہ سے مختلف اوقات میں لی اُسکے اقرار کے الفاظ اور غرض وغایت کیا تھی؟ کتبِ حدیث میں انکے نام اور اقرار کے جو الفاظ ہیں وہ کیا ہیں؟ عہدِ خلفائے راشدین میں اس انفرادی اور جماعتی بیعت کا کیا حال رہا،

۶- صوفیائے کرام جو بیعت لیتے ہیں، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ کیا اس کی نظیر سُنت میں ملتی ہے، اور کیا یہ عہدِ رسالت میں عہدِ خلافتِ راشدہ سے ہی رائج چلی آتی ہے؟ رسالت کے بعد کے دوروں میں اس کی کیا حالت رہی؟

میں اگرچہ "اصحاب الحدیث" کے مسلک کو راجح سمجھتا ہوں لیکن "اہلِ حدیث" کے نام سے ملک میں جو جماعت پائی جاتی ہے، وہ ایک طرف تو اسلام کی بنیادی اور مرکزی دعوت کی علم بردار نظر نہیں آتی، اور صرف فقہ کے چند اختلافی مسائل ہی اس کی دعوت کا مرکز ہیں، جن کی طرف وہ سب کو

بلاتی ہے، اور دوسری طرف یہ کہ جن بزرگون کی طرف اپنی نسبت کرتی ہے، جہان ان کی زندگی کا حقیقی مقصد اور ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اوس کی نظر سے اوجھل ہو گیا ہے، وہان ان بزرگون کی زندگی کا ایک خاص پہلو تو خاص طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہ ان کی زندگی کا روحانی حصہ اور نبوت کی وراثت کا باطنی پہلو ہے،

اور یہ شاید اس لئے لکھ گیا ہون کہ میرے سامنے ہمیشہ اسی کی نقاب کشائی کی جاتی رہی ہے، کیونکہ میں نے جس ماحول مین آنکھین کھولین، اس مین فقہ کے اختلافی مسائل کا آنا چرچا تو نہ تھا، البتہ سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ سے لیکر مولانا غلام رسول رح (ساکن قلعہ میہان سنگھ ضلع گوجرانوالا پنجاب) اور العارف باللہ مولانا عبد اللہ غزنویؒ اور ان کے صالحین فرزندون تک کی کرامات، تزکیۂ نفس، روحانی بلندی، اور انابت الی اللہ کی حکایات، ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ضرور تھین،

اگرچہ مین نے اپنے بچپن مین اپنے ہی خاندان کے وہ بزرگ جوان بزرگون سے مستفیض تھے دیکھے، مگر میرے ہوش سنبھالنے تک وہ ایک ایک کرکے رخصت ہو گئے، اور اب صرف ان کی زبانی حکایتین سنانے والے ہی باقی رہ گئے تھے، جو مزے لے لے کر بزرگون کی کہانیان سناتے تھے، تاہم اوس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن ہی مین مجھے حضرت امیر المومنین سید احمد شہید اور مولانا شہید سے عقیدت ہو گئی، اور پھر انہی کی عقیدت نے میرے دل مین مولانا عبد اللہ غزنوی اور ان کے خاندان سے محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا،

مین نے عربی اس لئے پڑھنی شروع کی تھی کہ مجھے قرآن مجید کا فہم نصیب ہو، لیکن افسوس کہ جب انٹرمیڈیٹ تک پڑھکر بھی قرآن کی زبان نہ آئی، تو قرآن مجید کیونکر سمجھ مین آئے، قرآن مجید سے مجھے جو دلچسپی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن فہمی اور مطالبِ قرآن کو حاصل کرنے کے لئے بھی آپ سے ہدایت اور مشورہ حاصل کرون،

قرآن فہمی کے لئے سامان پیدا کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے "دار المصنفین" پر عائد ہوتی ہے بلکہ جہان تک جلد ممکن ہو عملی طور پر ندوۃ العلماء مین اس طریق پر قرآن مجید پڑھانے کا انتظام کیا جائے کہ قرآن فہمی کی راہ آسان ہو جائے

معارف:

مکرم زادکم اللہ علماً وعملاً

السلام علیکم، آپ کا خط پا کر مجھے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ایک مدت کے بعد مجھے ایسے کسی خوش خیال نوجوان سے مکاتبت کا اتفاق ہوا آپ جس راہ پر ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس راہ اور راے کے مطابق آپ کو عقیدہ اور عمل کی سعادت بھی حاصل ہو، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، بحمد اللہ کہ آپنے فقہاء اور محدثین کے درمیان تطبیق کی راہ پائی ہے، تو اب محدثین اور صوفیہ کے درمیان راہ پانا بھی مشکل نہ ہوگا،

محدثین میں بھی صوفیہ گذرے ہیں، امام ابن حنبل، عبد اللہ بن مبارک، امام بخاری و مسلم ترمذی سب ہی صوفی حقیقی تھے، اور اصطلاحاً محدثین میں امام قشیری صاحب رسالۂ قشیریہ، ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی طریق قادریہ کے بانی حنبلی المشرب اور بحیثیت محدث تھے، اون کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے، اور آپ پڑھ سکتے ہیں، حافظ ابن قیم کی صوفیت پر ان کی کتاب منازل السائرین و مدارج السالکین گواہ ہے، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں، ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کر سکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ، اور ان کے اخلاف صدق محدثین دہلی بھی صوفی تھے اور ان کی تصانیف موجود ہیں، مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سلوک کو صراط مستقیم نام کتاب میں مرتب کیا ہے جو طبع ہو کر بار بار شائع ہوئی ہے، اُس کو بھی آپ پڑھ سکتے ہیں،

لیکن بات یہ ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ پر بحیثیت محدث ہونے کے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات و کمالات کے جاننے، اور دوسروں کو سُنانے کا فرض عائد ہے یعنی ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ بیتائیں کہ ان حالات و کمالات کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں، کیونکہ یہ بھی ایک فن ہو گیا ہے، جس طرح فقہ اور کلام اور فرائض و تفسیر و حدیث ایک ایک مستقل فن ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحیں ہیں، اوسکی عملی و نظری مشکلات ہیں، جن کے سمجھانے کے لیے فقہاء مفسرین، محدثین، اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح

فن سلوک کے لئے سالکین کاملین کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس فن کی علمی و عملی دقتوں کو رفع کریں،

یہ فن نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لئے ایسے کاملین کی ضرورت ہو جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوۂ نبوی ہوں، جو اپنے اعمال، آداب، اخلاق، عادات اور اتباع اوامر و نواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوں جن کی صحبت میں پرتو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلۂ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت تک منتہی ہو جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے، جس طرح فن روایت میں اس کا نام سلسلہ ہے،

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے، یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا فیض صحبت نبوی کی تاثیر کا نتیجہ تھا، اون کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اوٹھے، اور تابعین کے فیض صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہوا، یہ تین دور ایسے ہیں، جن میں پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہوئی مگر ہر دور میں جماعت، کم اور کیف یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فتنوں کا ظہور ہوا، تو تعداد اور بھی کم ہو گئی، اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اب اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاص با استعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری و مریدی رکھدیا ہے، ورنہ قدما اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے، جیسے امام محمد اور قاضی ابو یوسف کو صاحب امام ابو حنیفہ کہتے ہیں، اسی طرح حضرت شبلی و جنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے، جیسے یوں کہتے تھے کہ فلاں شخص نے شبلی کی صحبت اوٹھائی ہے، یا جنید کی صحبت اوٹھائی ہے، یہ رسمی بیعت جو ایک مدت سے رواج پذیر ہے، یہ محض رسم و عرف ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ پیر و مرید کا باہمی معاہدہ ہے، کہ پیر اپنے علم کے مطابق تعلیم و تربیت اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا، اور مرید اسکی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے گا، اور اسکی اصل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہے، کہ آپ کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر بیعت لیتے تھے تاکہ جن سے بیعت لیجائے، ان میں اس معاہدہ کی اہمیت ہو اور وہ اس کی تعمیل میں پوری ہمت صرف کریں،

اور ان کو یہ خیال رہے کہ مین نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے، اس کے خلاف کرنے مین ہچکچاہٹ محسوس ہو، اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، اوس سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اور یہی عقیدت و محبت اس کے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے امور کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے، یہی اس بیعت کا حاصل ہے کہ شیخ اپنے سلسلہ کے ارادتمندوں کو امور خیر کی تعلیم دیتا ہے، ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے، اُن کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے، اور سالک کے ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے، مثلاً غرور بری چیز ہے، اب یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے، اور غرور کہتے کس کو ہین، اور اوس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے، اور ایا ہمارا فلان کام غرور کی حد مین داخل ہے کہ نہین، اس کا جواب نہ خالص محدث دے سکتا ہے، اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کرسکتا ہے، نہ مفسر بتا سکتا ہے، اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کرسکتا ہے، اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے، وہ شیخِ طریقت ہے، جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو، مفسر بھی ہو یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے، نہ ہو تو حرج نہین، مگر متبع ضرور ہو، جس نے اپنے بزرگون سے ان کو سیکھا اور جانا ہے، یا اوس نے خود کتاب وسنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے، اور عمل کرکے اس رتبہ پر پہنچا ہو کہ غرور وتکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک وصاف ہوگیا ہے، اور دوسرون کو بھی اپنی تعلیم وصحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے،

اسی تقریر کو ایک اور نہج سے ذہن نشین کرتا ہون، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک مین دو صفتین تھین، یُعلّمھم الکتاب والحکمۃ (یعنی آپ لوگون کو کتاب الٰہی اور سُنتِ نبوی کی تعلیم دیتے ہین) ویُزکّیھم (یعنی آپ لوگون کو عملاً بھی پاک صاف بنا دیتے ہین، انکے رذائل کو دور کرکے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہین) ذاتِ پاکؐ مین یہ دونون صفتین یکجا تھین، صحابہ مین بھی عموماً یہ دونون صفتین یکجا رہین، تابعین مین کچھ کمی رہی تاہم ان مین بھی خاصی یکجائی رہی، تبع تابعین مین آکر یہ یکجائی ایک محدود حلقہ مین رہ گئی، اس کے بعد سے یہ یکجائی صرف اشخاص مین ہونے لگی، ورنہ عام طور پر حال یہ ہوگیا، کہ یُعلّمھم یعنی زبانی تعلیم کی صفت تو علماء اور فقہاء نے اختیار کرلی، اور یزکیھم یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنا لیا، پہلی چیز مدرسہ مین چلی گئی، اور دوسری خانقاہون مین، مگر ہر دور مین بحمد اللہ تعالیٰ ایسے کاملین ضرور

ہوتے گئے، جو ان دونون صفتون کے جامع اور حامل تھے، اور وہی درحقیقت وارثِ نبوت تھے، مثلاً ہندوستان مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ان دونون کا جامع تھا، ان کے جانشینون مین بھی یہی جامعیت تھی

آج کل یہ ہوگیا ہے کہ یُعَلِّمُھُمْ یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علماء کا شغل ہے، اور یُزَکِّیْھِمْ یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونون صفتین یکجا ہون،

ہمارے اس بیان مین صوفیہ سے مقصود رسمی صوفی نہین جو درحقیقت دکاندار ہین، بلکہ وہ متبعینِ سنت مراد ہین، جنھون نے علماً وعملاً اس راہ کا کمال حاصل کیا ہے، اور منزلِ مقصود تک پہونچتے ہین، صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی بعض لوگون کو بھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے، جو لفظی بدعت ہے، جس طرح تفسیر اور مفسر، حدیث اور محدث، فقہ و فقیہ کی اصطلاحین ان کے خاص جدید معنون مین صحابہ کے عہد مین مروج نہ تھین، یہ لفظ اوس زمانہ مین اگرچہ بولے گئے ہین، اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہین، مگر ان کے اصطلاحی معنی اون سے مختلف ہین، یہی حال تصوف اور صوفی کا ہے، خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو، یعنی پشمینہ پوشی سے جو زہد کی علامت تھی، یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیا سوفی سے آیا ہو، لفظ کی بحث نہین، تاہم یہ لفظ بے شبہہ بدعت ہے، یعنی بنا ہے، اور باہر سے آیا ہے، مگر اوس کی حقیقت بدعت نہین ہے، قرآن پاک کی اصطلاح مین اوس کو اخلاص کہئے، حدیث کی رو سے اوس کو احسان کا نام دیجئے، اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہئے، ولا مشاحۃ فی الاصطلاح،

یہ امر بے شبہہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون میں غیر جگہوں سے چیزین آکر شامل ہوئی ہین، مثلاً فقہ کے لئے اصول فقہ تیار ہوگیا، اور قیاس نے ایک فنی صورت اختیار کر لی، علم کلام و عقائد مین فلسفہ داخل ہوگیا اور منطقی و فلسفی دلائل و حجج و براہین کا شیوع ہوا، اسی طرح اس علم احسان و اخلاص مین بھی بعض باتین باہر سے آگئی ہین، جن کو خواہ تدابیر کے درجہ مین لاکر مان لیا جائے، یا اُن سے بھی احتیاطاً پرہیز برتا جائے، دونون پہلو ہوسکتے ہین، مگر اس سے اصل فن پر کچھ اثر نہین پڑ سکتا، اس فن کی جو اصطلاحین نئی ہین وہ افہام و تفہیم کی سہولت کی

خاطر اختیار کی گئی ہین، اون سے بھڑکنا حماقت ہے، جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے، تو اصطلاحات سے چارہ نہین ہو سکتا

اب اس فن کے مسائل پر آئے، مسائل اولین یہ ہین :-

رذائل کیا کیا ہین، ان رذائل کی حقیقت از روے قرآن وحدیث کیا ہے، اور ان رذائل کی بیخکنی کیونکر ہو،

ان کے بالمقابل فضائل کیا ہین، ان کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہین، ہم غیبت سے کیونکر بچین، ریا سے کیونکر محفوظ رہین، جھوٹ بولنا کیونکر ہم سے چھوٹ جائے، اور اوس کے بالمقابل صدق مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو، توکل، صبر وشکر، استقامت کیسے حاصل ہو، ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت اوس مین کیسے بیٹھے،

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (خدا کی طرف سب سے کٹ جا) اور رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (ایسے لوگ جن کو بیع وفروخت وغیرہ دنیا کے اشغال خدا کی یاد سے غافل نہین کرتے) یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہو اور ان فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے، نماز مین قنوت یعنی خوف وخشوع کیونکر پیدا ہو، اکلِ حلال کیا ہے، تقویٰ کیسے ہو، ایمان باللہ تعالیٰ کیونکر قوی ہو، دوام ذکر کیسے حاصل ہو وغیرہ،

یہان تک تو مین نے نفسِ فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے، اور ان غلطیون کو دور کرنا چاہا ہے، جو اس کے متعلق عام لوگون مین شائع ہین، اب آپ کا سوال یہ ہے کہ اب یہ کہان ہے، سو اوس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر علم وعمل کے ماہر عہد بعہد کم ہوتے جاتے ہین، اسی طرح اس کے بھی بہت کم ہین، علماے غزنویہ امرتسر کی تعریف مین نے بھی سُنی ہے، جو محدث اور صوفی ایک ساتھ تھے، پہلے علماے اہلِ حدیث مین بھی ایسے لوگ تھے، اور اب بھی ہونگے، میرے علم مین سیالکوٹ کے مولانا ابراہیم صاحب کو ضرور ان امور سے مناسبت ہے، گو مدت سے اُن سے ملاقات نہین ہوئی، علماے احناف مین بھی بحمد اللہ لوگ ہین،

قرآن پاک کے متعلق جو کچھ آپنے کہا ہے وہ صحیح ہے، دار العلوم ندوہ اور دار المصنفین دونون مین اسکو سلسلے ہین

" س "

عہد اسلامی مین تعلیم نسوان کی درسگاہین

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی۔
ممتاز مینشن، خیرت آباد، حیدرآباد دکن

۱۔ تاریخون سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری مین دنیاے اسلام کے مساجد مین مدرسے قائم ہو گئے تھے، اور ان مین ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی، پانچوین صدی ہجری سے علٰحدہ درسگاہین اور جامعات تعمیر ہونے لگے، چنانچہ علامہ شبلیؒ اور مولوی ابو الحسنات صاحب ندوی کے مقالہ سے اسلامی ممالک اور ہندوستان کے مدرسون کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے، لیکن ان مین کسی نسوانی مدرسے کا نام شریک نہین ہے، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ نسوانی مدارس موجود ہون، اور ان کا تذکرہ تاریخ اسلام کی کتابون مین نہ ہو، لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا، کہ دنیاے اسلام مین علٰحدہ مدارس نسوان نہین تھے،

۲۔ جب مدارس نسوان قائم نہین تھے، تو دنیاے اسلام مین تعلیم نسوان کا کیا طریقہ تھا، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کس طرح ہوتی تھی، یہ تو نہین کہا جاسکتا کہ اسلام مین عورتون نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہین کی کیونکہ تاریخ اسلام مین بیسیون خواتین کے نام ملتے ہین، جنھون نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم پائی، اور حتی کہ بعض شیوخ وقت کے اساتذہ مین خواتین کے نام شامل ہین،

۳۔ شیخ سعدی کی گلستان کے ساتوین باب کی چوتھی حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مدرسون مین لڑکے اور لڑکیان (جن مین بالغ بھی شامل تھے) ایک ساتھ درس لیا کرتے تھے، نیز الف لیلہ کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ

اس وقت لڑکے اور لڑکیان ایک ساتھ تعلیم لیا کرتی تھین تو کیا یہ صحیح ہوسکتا ہے، کہ ابتدائی تعلیم جو موجودہ ثانوی تعلیم قرار دیجا سکتی ہے، اسلامی مدارس مین مخلوط ہوتی تھی،

۴- غالباً ہندوستان میں شروع سے اس طرح کی مخلوط تعلیم نہیں تھی، بلکہ اکثر محلوں میں شرفا کے مکانون میں مدرسۂ نسوان قائم ہوتے تھے،

غالباً ان کا نہج تقریباً وہی تھا، جس کو مولانا نذیر احمد نے اپنی کتاب میں اصغری خانم کے مدرسے کا حال لکھا ہے، فقط،

معارف: جواباً عرض ہے:-

جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیون کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی، اور نہ مساجد میں اور نہ کتّاب یعنی مکاتب میں لڑکون کے ساتھ وہ نظر آئیں، صرف سواحل ہند میں ایک ساحلی شہر تھا، جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیون کے مکاتب نظر آئے، اس کا بیان ہے کہ سواحل ہند میں ہنور کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیون کے تھے (جلد ۴ ص ۱۳۲، مصر)

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے، وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسے کا ہے، یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیون کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلّم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے، جیسا کہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے،

بے شبہہ اعلیٰ تعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے، کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املا میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں، اور روایت کرتی تھیں، بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھکر املائے حدیث کرتی تھیں، اور مرد تلامذہ و سامعین ان کو سنتے تھے، لیکن پہلی صورت میں عورتون کا انتظام نشست الگ تھا، اختلاط نہ ہوتا تھا، جیسا کہ احادیث میں ہے، کہ عورتون کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا، اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے احوال میں ہے، یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف وجہ بھی کرتی ہوں گی، مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے،

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیون اور بہنون کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے، اور اس کی مثالیں

بکثرت ہندوستان مین پہلے بھی تھین، اور اب بھی ہین، اور بعض فقیہات اسلام کے تذکرون مین بھی ہے، بعض اپنے شوہرون سے حاصل کرتی تھین،

"س"

رجب علی سرور اور اس کی ایک عرضداشت

جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی ایم اے
قائم مقام پرنسپل اسلامیہ کالج بریلی

۱۔ رجب علی سرور کے مفصل حالات کہان ملین گے؟

۲۔ "انشائے سرور" مین ایک عرضداشت ہے جس کی نقل درج ذیل ہے :۔

"عرضداشت حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ، عرصہ ہوا خانہ زاد نے نسخۂ فسانۂ عجائب پیشکش کیا تھا، گو ہدیۂ مور نا توان پیش سلیمان زمان اور نظر گذرانے کے سلطان جہان کو حقیقت نہیں رکھتی مگر نگاہ پرورش شاہنشاہ زمان مثل خورشید درخشان گل و خار پر یکسان ہوتی ہے، اس امید پر ہمہ تن چشم و گوش عتبۂ بوسی کا رہا، لیکن ناسازی بخت نے محروم رکھا، اب جمعیت پریشانی اور سامان بے سامانی سے گھبرا کر عرض ساہون کہ اگر سلک کفش بر داروں اور زمرہ جان نثاروں میں آبرو پاؤن تو سر خاک افتادہ سے کر خمیدہ فلک پیر چھو آؤن، بقدر لیاقت خانہ زاد کو جو کچھ فرمان بندگان والا در بیان بجا آوری اس کو فخر و سعادت جان کر جان تک دریغ نہین، الہٰی کوس جود و سخا و غلغلہ کشورستانی و شہرہ جہانبانی بلند آوازہ و گلشن سلطنت شاداب و تر و تازہ باد،

الہٰی در جہان باشی باقبال جوان بخت و جوان دولت جوان سال (ص ۳)

خیال ہے کہ یہ عرضداشت ۱۸۲۶ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان لکھی گئی، اس مین کسی شبہہ کی گنجایش نہیں ۱۸۲۶ء میں فسانۂ عجائب ختم ہوئی،

اس عرضداشت کے مخاطب غالباً واجد علی شاہ ہیں، اس لئے کہ وہ ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے، اور ۱۸۴۷ء ہی میں سرور کا تقرر ہوگیا، "عرصہ ہوا خانہ زاد نے نسخہ فسانۂ عجائب پیش کش کیا تھا" اس جملہ سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے، اگر اس عرضداشت کو واجد علی شاہ کی طرف منسوب کیا جائے، تو مذکورہ بالا فقرہ مہمل ہو جاتا ہے، اس لئے قیاس ہے کہ یہ عرضداشت نصیرالدین حیدر کو لکھی گئی، لیکن پھر محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کو کیوں چھوڑا جائے ؟ ان دونوں کو ادب سے خاص لگاؤ تھا ؟ کیا یہ قیاسات صحیح ہیں؟

۳۔ تذکرۂ خندۂ گل میں رقعات جعفر علی کا ذکر ہے، یہ رقعات تمثیلی اور فرضی ہیں یا اصلی اور حقیقی؟

معارف : محترمی زاد لطفکم

السلام علیکم :۔ آپکے دونوں گرامی نامے موصول ہوئے، جواباً گذارش ہے :۔

۱۔ رجب علی سرور کے حالات مختصر جستہ جستہ حسب ذیل ماخذ میں ملتے ہیں: تذکرہ ذکا (اسپرنگر)، گلشن بیخار شیفتہ (ص ۱۴۵)، سخن شعرا نساخ (ص ۲۱۳) گلستان سخن قادر بخش (ص ۲۶۵) موجودہ دور کی تصنیفات میں سیر المصنفین تنہا حصہ اول (ص ۱۴۹) مقدمہ انتخاب فسانۂ عجائب مخمور اکبر آبادی، جواہر سخن (ہندستانی اکاڈمی) تاریخ ادب اردو سکسینہ، وغیرہ میں ذکر آیا ہے،

۲۔ فسانۂ عجائب کی تاریخ اختتام تصنیف آپنے ۱۸۲۸ء کہاں سے متعین کی ہے ؟ اس کی تاریخ تو خود مصنف نے خاتمۂ تصنیف میں لکھی ہے،

جس نے کہ سنا اوس کو جی میں یہ لگا کہنے	یارب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا
تاریخ سرور اس کی منظوم ہوئی جس دم	بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگ دل کا
۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء	۱۲۴۰ھ

رجب علی سرور کے سوانح میں آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، کہ غازی الدین حیدر کی شان میں اوس نے ایک قصیدہ اس امید میں لکھا کہ شاید وطن کی واپسی کی اجازت مل جائے، پھر نصیرالدین حیدر کے زمانہ میں

وہ فسانہ عجائب کا مسودہ اور قصیدہ لیکر لکھنو واپس آیا،

اس واقعہ سے آپ کی اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے، کہ انشاءِ سرور سے جو عرضداشت آپنے نقل کی ہے، وہ واجد علی شاہ کے بجائے نصیرالدین حیدر ہی کے نام ہو، غالباً جو قصیدہ وہ لکھکر لایا تھا، اوس کو اور فسانۂ عجائب کو اوس نے اس کے سامنے پیش کیا ہو، اور کوئی پذیرائی نہ ہونے پر یہ عریضہ بطور یاددہانی پیش کیا ہو، اور "عرصہ ہوا" سے اشارہ اسی پہلی درخواست کی طرف ہو،

نصیرالدین کے نام اس عرضداشت کے ہونے مین یہ قیاس بھی کام آسکتا ہے، کہ تصنیف کے خاتمہ کے بعد ہی مصنف نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو اپنی زندگی خوشگوار بنانے کا ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہو، محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے، اور وہ کتاب کے عہدِ تصنیف سے دور پڑ جاتا ہے،

۲- تذکرہ خندۂ گل ہمارے یہان موجود نہین، کہ آپ کے اس سوال کا مقصود سمجھ سکون، اگر مدعا جعفر زٹلی کے رسالہ "اخبار دربار معلّیٰ" سے ہے، تو اس مین فرضی و تمثیلی وقائع بیان کئے گئے ہین، شیرانی کی کتاب "پنجاب مین اردو" مین اس کا مفصل ذکر آیا ہے، نیز اردو شہ پارے میں بھی تذکرہ ہے، مراجعہ فرمائین،

"س"

دولتِ عثمانیہ جلد اول

(مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین)

یہ مسلمانون کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ مین عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک پانچ صدیون کے مفصل حالات ہین، اردو مین اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہین لکھی گئی، حجم ۴۰۹ صفحے، قیمت سے ر

منیجر

وفیات

وَفاتِ عیسیٰؒ

حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادی نے جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اوّلین خلفا مین تھے، ۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء کی سہ پہر کو جونپور مین جہان وہ بغرض علاج آئے تھے، ۶۳ برس کی عمر مین داعی اجل کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. خیال تھا کہ مرشدؒ کے بعد ان کی ذات مرجع انام ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ اپنی مصلحتون کو آپ جانتا ہے، اون کا وطن محی الدین پور ضلع الٰہ آباد تھا، نسبًا سادات کرام مین سے اور گھر کے خوشحال زمیندار تھے، غالبًا ۱۳۰۱ھ کی پیدایش ہوگی، بچپن ہی سے وہ زاہد و متقی تھے، باپ کے حکم سے انگریزی شروع کی، اور بی اے تک پڑھ کر چھوڑ دیا، اور ایک اسکول میں انگریزی کے ماسٹر، اور آخر مین گورنمنٹ کالج الٰہ آباد مین عربی کے پروفیسر ہوگئے،

نوجوان ہی تھے کہ الٰہ آباد و کانپور مین حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا، جو بات سُنی وہ دل مین گھر کرتی چلی گئی، اور روز بروز یہ نشہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا، یہانتک کہ بیعت و ارادت سے مشرف ہوکر مجاہدہ و ریاضت مین مصروف ہوئے، آخر تکمیل طریق کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے،

اللہ تعالیٰ کی شان بندہ نوازی نظر آتی ہے کہ ایک انڈر گریجوایٹ مین جس نے صرف انگریزی ہی کی تعلیم پائی تھی چند روز مین یہ انقلاب پیدا ہوا کہ اوس نے اس عمر مین آکر سرکاری ملازمت کے ساتھ عربی تعلیم پوری کی، اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا، اور ساتھ ہی قرآن پاک حفظ کیا، اور سیرت و صورت مین یہ رنگ پیدا کیا، کہ کوئی دیکھ کر یہ بھی نہین کہہ سکتا تھا کہ

وہ انگریزی کا ایک حرف بھی جانتا ہے،

سلوک وطریقت، مسلک و مشرب، صورت و سیرت حتی کہ نشست و برخاست اور خط و کتابت اور گفتگو مین اپنے مرشد کامل سے اس درجہ مشابہت حاصل کر لی تھی، کہ ان کو دیکھکر یہ کہنا پڑتا تھا ع

تا کس نہ گوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

وہ نہایت ہی زاہد، عابد، متبعِ سنت، اور مرشد کے اصولون کے سختی سے پابند تھے، اطراف مین حلقۂ ارشاد بھی قائم تھا، اپنے مرشدؒ کی متعدد کتابون کے خلاصے اور شروح شائع کئے، جن مین سب سے اہم **انفاسِ عیسیٰ** ہے جو سلوکِ اشرفی کی معتبر ترین کتابون مین ہے، مردون کے لئے بہشتی زیور کا خلاصہ بہشتی ثمر کے نام سے کیا، جو مکاتب مین رائج ہوئی تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ مترجم قرآن کے حواشی کے طور پر کیا، جو الٰہ آباد مین زیرِ طبع تھا، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کمالات امدادیہ کے طرز پر انھون نے کمالاتِ اشرفیہ لکھی جو فنِ سلوک و معرفت کے متعلق ان کی استعداد و صلاحیت کی آئینہ دار ہے،

صاحبِ مقامات مستجاب الدعوات، اور وارداتِ صحیحہ سے سرفراز تھے، کالج سے پنشن لینے کے بعد اپنے گاؤن مین مقیم ہوگئے تھے، اور طالبین کو اپنے رشد و ہدایت سے سیراب کرتے تھے، اسی عالم مین دو برس ہوئے کہ ایک شب تہجد کیلئے اٹھے، تو فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد امسال دوسرا حملہ ہوا جس کے بعد علاج کے لئے جونپور لائے، جہان ۱۱ر مارچ کو تیسرا حملہ زبان پر ہوا، اور زبان بند ہوگئی، وفات کے آخری لمحہ مین آخری بار زبان کھلی، اور تین دفعہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کردی،

عجیب بات یہ ہے کہ جونپور مین وہ بالکل مسافرانہ وارد تھے لیکن حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ کے متعدد خلفاء، مجازین اور صحبت یافتہ بغیر کسی ظاہری داعیہ کے عین وقت پر پہنچ گئے، انہی مین سے ایک نے یٰسین پڑھی، ایک نے غسل دیا، ایک نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب نے پڑھی، اور دو نے قبر مین اتارا، جونپور ہی مین محلہ رضوی خان کی ایک اکبری مسجد کے عقب مین ۲ بجے رات کو تدفین عمل مین آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ،

"س"

ادبیات

ساحل و طوفان

از جناب روشؔ صدیقی

بوئے گل وفا کو پریشاں نہ کر سکے — معذور تھے کہ چاک گریباں نہ کر سکے
دشوار اس قدر تو نہ تھی منزل حیات — یہ اور بات ہے کہ ہم آساں نہ کر سکے
وہ راز اوس نے میرے جنون کو عطا کیا — تمکین ناز بھی جسے پنہاں نہ کر سکے
ہر انقلاب مین غم ہستی کی تھی نمود — ہم اعتبار گردش دوراں نہ کر سکے
اس درجہ ہم کو غم کی نزاکت کا پاس تھا — درماں تو کیا تصور درماں نہ کر سکے
ایسی ہی ایک لہر کو کہتے ہین زندگی — جو امتیاز ساحل و طوفاں نہ کر سکے
شبنم ہے لالۂ چمن عشق کے لئے — وہ آرزو جو تجھ کو پشیماں نہ کر سکے

ممنون یک خیال رہی زندگی روشؔ!
کیا خواب تھا کہ جس کو پریشاں نہ کر سکے

حشر جذبات

از جناب مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقبؔ کانپوری

بیتاب سی اک زندگئ عشق بسر کی — اللہ ری اشارت تری دزدیدہ نظر کی
ہر جلوۂ رنگین مین تجھے دیکھا ہے مین نے — کھاتا ہون قسم دلکشی شام و سحر کی

میں اپنی تمنّا ؤں کا حاصل اُسی سمجھوں | وہ شرم اگر رکھ لے مرے دیدۂ تر کی
جس سجدے سے روشن تھا کبھی خانۂ ہستی | پھر مجھ کو تمنّا ہے اُسی سجدۂ در کی
بوسے لیے اُس حُسنِ مکمل کے نظر سے | کرنی نہ تھی جرأت مجھے محفل میں مگر کی
سینے پہ مرے رکھدیا کیا ہاتھ کسی نے | اب دل کی خبر ہے نہ مجھے دردِ جگر کی
میں اپنی ہی تخئیل میں کر لیتا ہوں سجدے | تصویر ہے آنکھوں میں تری راہ گذر کی
اُٹھی نہ مری سمت کبھی بزمِ طرب میں | ہاں مجھ کو شکایت ہے ترے حُسنِ نظر کی
اب کیا کہوں وہ قصّۂ فرسودۂ بےکیف | جس طرح قفس میں ترے اک عمر بسر کی
بے بہرہ ہے تو آگہیٔ کیفِ اجل سے | تقلید تو کر زندگیٔ برق و شرر کی
تھی عشق میں ثاقب غمِ کونین کا حاصل | وہ رات جو فرقت میں کبھی میں نے بسر کی

غزل

از جناب شیدا کاشمیری

چمن میں جب بھی نظر منظرِ بہار آیا | نہ جانے کون تصوّر میں بار بار آیا
نہ وہ زمانہ، نہ وہ موسمِ بہار آیا | جو ابتدائے محبت میں ایک بار آیا
فضائے وادیٔ غربت میں اے بہارِ وطن | "تیرے بغیر تجھے کس طرح قرار آیا"
بیان کروں تو بیاں ہو سکے نہ محشر تک | وہ لطف جو مجھے ہنگامِ انتظار آیا
ہم اس کی یاد کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں | وہ جس کو بھولے سے ہم پہ نہ اعتبار آیا
ادائے سجدہ کو جھک جھک گئی جبینِ نیاز | جو چلتے چلتے کہیں نقشِ پائے یار آیا
وہ گل ہوں میں جو خزاں آشنا ہوا نہ کبھی | چمن چمن سے مجھے مژدۂ بہار آیا
کبھی جو تیرے تصوّر میں کھو گیا شیدا | تو اُس کے لب پہ ترا نام بار بار آیا

مطبوعاتِ جدید

ادبیاتِ فارسی مین ہندوؤن کا حصہ | از جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ رغیر مجلد سے، پتہ انجمن ترقی اردو نمبرا، دریا گنج دہلی،

مسلمانون کی بے تعصبی اور علم دوستی کا یہ ناقابلِ تردید کارنامہ ہو کہ اپنے دورِ حکومت مین انھون نے بلا تفریق قوم و مذہب، ہندوستان مین تعلیم کی عام اشاعت کی، اور اپنی کل محکوم قومون کو ترقی کے یکسان مواقع عطا کئے، یہ انہی کی علم دوستی کا نتیجہ تھا، کہ یہان علم ایک خاص محدود طبقہ کی میراث سے نکل کر کل باشندون کی مشترک ملک بنا، اور مختلف طبقون مین اربابِ کمال پیدا ہوئے، جو علم کی مسند سے لیکر ایوانِ حکومت تک مسلمانون کے شریک و سہیم رہے اس موضوع پر سب سے اول حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف مین "ہندوؤن کی علمی و تعلیمی ترقی مین مسلمانون کی کوشش" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا، جو آج تک اس موضوع پر لکھنے والون کے لئے رہنمائی کا کام دیتا ہے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ایک مفید اور قابلِ قدر اضافہ ہے، لائق مؤلف نے ڈی لٹ کی ڈگری کیلئے انگریزی مین یہ مقالہ لکھا تھا، اسی کا انھون نے ملخص ترجمہ کر دیا ہے، مسلمانون کے دورِ حکومت میں حکومت کی زبان فارسی تھی، اور اہلِ علم و اصحابِ قلم اسی زبان مین اپنے کمالات کا اظہار کرتے تھے' لائق مؤلف نے فارسی زبان مین ہندوؤن کی علمی و ادبی خدمات کو دکھایا ہے، کتاب پانچ ابواب مین تقسیم ہے، پہلا باب مغلوں سے قبل کے حالات میں ہے لیکن یہ محض فارسی سے ہندوؤن کے تعلق کے آغاز پر مشتمل ہی ان کی اصلی علمی تعلیمی تاریخ مغلون کے عہد سے شروع ہوتی ہے، چنانچہ دوسرے باب مین عہد اکبری، تیسرے مین جہانگیر سے

فرخ سیر تک چوتھے میں شاہ عالم اول سے شاہ عالم ثانی تک مغلوں کے دورِ انحطاط کے پانچویں میں ان کے آخری دور سے لیکر موجودہ زمانہ تک ہندوؤن کی فارسی تعلیم، ہندو ادبا و شعرا، مصنفین و مترجمین اور ان کی تصانیف و تراجم کا تذکرہ اور بعض اہم مصنفات پر تبصرہ ہے، ان کی خطاطی کے بھی چند نمونے دیئے ہین، چھٹے باب مین گذشتہ پانچون ابواب پر جامع تبصرہ ہے، کتاب کے آخر مین مولوی محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے تین مضامین "گورو نانک کی فارسی تعلیم"، "مثنوی ہیم ہیرا گی" اور بدائع وقائع انندرام مخلص جو اورنٹیل کالج میگزین مین نکل چکے ہین، بطور ضمیمہ کے شامل کر دیئے گئے ہین، ماخذون کی فہرست اور اشخاص و کتب کا انڈکس بھی دیدیا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا کامل استیعاب بہت مشکل ہے تاہم مصنف نے جہانتک ممکن تھا محنت و تلاش سے کافی مواد کو جمع کر دیا ہے، اور ان کی کامیابی مبارکباد کے لائق ہے،

مُردون کی مسیحائی از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر، قیمت مجلد درجہ اول للعہ درجہ دوم ۱۲؍ ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن،

مذکورۂ بالا کتاب سیرۃ نبوی اور اس کے متعلقات پر مولانا عبد الماجد صاحب کے سترہ مضامین کا مجموعہ ہے، مُردون کی مسیحائی، یتیم کا راج، یتیم کی جیت، دو راستے، ذکرِ رسول کی بلندی، سیرتِ نبوی اور علماے فرنگ، محبوب سے خطاب، فقر محمدی، صابر رسول، خطبۂ نکاح، مسئلۂ طلاق، عتابِ محبوب، میلادی روایات، ناک کا داغ، اعدآے رسول کی ہجو، اُسوۂ حسنہ، تقدیس رسول، ان مین سے بیشتر مضامین مستقل اور بعض کسی شبہہ یا استفسا کا جواب ہین، خطبۂ نکاح اور مسئلۂ طلاق کا تعلق گو براہ راست سیرت نبوی سے نہین ہے، لیکن ان دونون امور پر اُسوۂ رسُول اور سُنتِ رسول کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے بے تعلق بھی نہین ہین، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کثرت سے مضامین بلکہ مستقل کتابین لکھی جا چکی ہین، کہ اگر کسی دوسرے موضوع پر اس کا عشرِ عشیر بھی لکھا جاتا، تو اس مین کوئی نیا پہلو پیش کرنا مشکل تھا، لیکن ع

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان

اس لئے آج بھی اس موضوع کی تازگی کا وہی عالم ہے، اور عقیدت مندون کو سیرت پاک مین ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے گوشے ملتے جاتے ہین، چنانچہ مذکورۂ بالا کتاب مین مصنف کی شان امتیاز قائم ہے، اس مین عرب جاہلی کی ظلمت و ضلالت، عربون کی بداخلاقیون اور بدکرداریون، ان کے تمرد و سرکشی کے واقعات ظہور اسلام، اور تبلیغی تند کے حالات اور اسلامی تعلیمات کے انقلاب انگیز اثرات اور اس کے نتائج اور خلق نبوی و اسوۂ نبوی کے مختلف سبق آموز پہلوؤن کو اس موثر اور دلنشین انداز مین پیش کیا گیا ہے، کہ سیرت نبوی کی روح نبوت کی عظمت و جلالت اسلام کی حقانیت و صداقت حق و باطل کی کشمکش، اور حق کی فتحمندی و سربلندی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، یون تو پورا مجموعہ پڑھنے کے لائق ہے، لیکن ذکر رسول کی سربلندی، سیرت نبوی اور علماے فرنگ، اور صابر رسول خاص طور سے مفید مضامین ہین، یہ مضامین نہ صرف مسلمانون کے بلکہ درس اخلاق، اور تشکیل سیرت کی حیثیت سے غیر مسلمون کے بھی پڑھنے کے لائق ہین، مولانا کی انشار کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، ان کی انشا پردازی سادے خطوط مین رنگ بھر دیتی ہے، اور یہ تو موضوع ایسا دلآویز ہے کہ قلم مین خود کیف و تواجد پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اس کتاب کا نام کچھ موزون نہین معلوم ہوتا ہی،

نقش حق از جناب پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱ر پتہ :- مدرستہ البنات جالندھر،

اسلام کی بنیاد تمام تر خدا اور اس کے رسول کی محبت پر ہے، اور اس کی آخری منزل تصوف تو سراسر عشق و محبت ہے، اور اکثر صوفیاے کرام نے اس محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے، لیکن بعض محتاط بزرگ باری تعالی کے ساتھ عشق کی اصطلاح کا انتساب اسکی عظمت و تقدیس کے منافی تصور کرتے ہین، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اسی عشق و محبت کی تشریح کی ہے، اور کلام مجید احادیث نبوی ائمۂ اسلام اور اکابر صوفیہ کے اقوال و صاحب دل شعراء کے کلام کی روشنی مین عشق و ایمان کی حقیقت، اس کے عناصر اور لوازم و شرائط، اسلام و ایمان اور نفاق کی تعریف مومنون اور منافقون کے اوصاف و خصوصیات پر بحث کرکے دکھایا ہے کہ ایمان نام ہے یقین و اذعان اور محبت خدا

و رسول کا اسی کو صوفیاے کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے، اور عشق یا محبت کا یہ درجہ صرف احکامِ الٰہی کی پابندی اور سنتِ رسول کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے، ہر بحث نہایت لطیف و دلنشین ہے، اور موضوع کی نزاکت کے باوجود قلم جادۂ مستقیم سے نہین ہٹنے پایا ہے، اس مقالہ مین اسلام کی اصلی روح بیان کر دی گئی ہے جو اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

چند جواہر ریزے از جناب خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت طباعت بہتر، پتہ اقبال اکیڈمی تاجورہ ظفر منزل لاہور،

خواجہ عبد الحمید صاحب سر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینون مین ہین، ان کو اکثر ان کی خدمت مین حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، اونھون نے مختلف صحبتون مین علامۂ مرحوم کی زبان سے جو علمی نکات و لطائف، ان کے سفر اور قیام یورپ کے متفرق حالات اور مختلف قسم کے جو مفید و دلچسپ واقعات سُنے تھے، ان کو کئی سال ہوئے معارف میں "چند جواہر ریزے" کے نام سے مضمون کی شکل مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی صورت مین شائع کر دیا ہے، یہ مختصر جواہر ریزے اقبال مرحوم کے عقیدتمندون کے لئے تبرک کی حیثیت رکھتے ہین،

میلاد شمسی، از شمسی عباد الرحمٰن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۴ر پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی،

عام طور سے جو پرانے طرز کے میلاد نامے رائج ہین ان مین عموماً غیر معتبر روایتین زیادہ ہوتی ہین جس سے ذکرِ رسول کا صحیح فائدہ حاصل نہین ہوتا، اس لئے زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے مصنف نے یہ میلاد نامہ لکھا ہے، گو یہ میلاد نامہ بہت مختصر ہے، لیکن اس میں روایات کی صحت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، زبان صاف اور شُستہ ہے زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے،

پودون کی کہانی از جناب سعید الدین صاحب صدر شعبۂ نباتیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۴ صفحے کاغذ کتابت، طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ سب رس کتاب گھر رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن،

اس لئے آج بھی اس موضوع کی تازگی کا وہی عالم ہے، اور عقیدت مندوں کو سیرت پاک میں ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے گوشے ملتے جاتے ہیں، چنانچہ مذکورہ بالا کتاب میں مصنف کی شان امتیاز قائم ہے، اس میں عرب جاہلی کی ظلمت و ضلالت، عربوں کی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں، ان کے تمرد و سرکشی کے واقعات ظہور اسلام، او تبلیغی تشدد کے حالات اور اسلامی تعلیمات کے انقلاب انگیز اثرات اور اس کے نتائج اور خلق نبوی و اسوۂ نبوی کے مختلف سبق آموز پہلوؤں کو اس موثر اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے، کہ سیرت نبوی کی روح نبوت کی عظمت و جلالت اسلام کی حقانیت وصداقت حق و باطل کی کشمکش، اور حق کی فتحمندی و سربلندی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے یوں تو پورا مجموعہ پڑھنے کے لائق ہے لیکن ذکر رسول کی سربلندی، سیرت نبوی اور علماے فرنگ، اور صابر رسول خاص طور سے مفید مضامین ہیں، یہ مضامین نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ درس اخلاق، اور تشکیل سیرت کی حیثیت سے غیر مسلموں کے بھی پڑھنے کے لائق ہیں، مولانا کی انشاء کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، ان کی انشا پردازی سادے خطوط میں رنگ بھر دیتی ہے، اور یہ تو موضوع ایسا دلآویز ہے کہ قلم میں خود کیف و تواجد پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اس کتاب کا نام کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا ہے،

نقشِ حق از جناب پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱ر، پتہ :- مدرسۃ البنات جالندھر،

اسلام کی بنیاد تمامتر خدا اور اس کے رسول کی محبت پر ہے، اور اس کی آخری منزل تصوف تو سراسر عشق و محبت ہے، اور اکثر صوفیاے کرام نے اس محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے، لیکن بعض محتاط بزرگ باری تعالیٰ کے ساتھ عشق کی اصطلاح کا انتساب اسکی عظمت و تقدیس کے خلاف تصور کرتے ہیں، لائق مؤلف نے اس کتاب میں اسی عشق و محبت کی تشریح کی ہے، اور کلام مجید احادیث نبوی ائمۂ اسلام اور اکابر صوفیہ کے اقوال و صاحب دل شعراء کے کلام کی روشنی میں عشق و ایمان کی حقیقت، اس کے عناصر اور لوازم و شرائط، اسلام و ایمان اور نفاق کی تعریف مومنوں اور منافقوں کے اوصاف و خصوصیات پر بحث کرکے دکھایا ہے کہ ایمان نام ہے یقین و اذعان اور محبت خدا

ورسول کا اسی کو صوفیاے کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے، اور عشق یا محبت کا یہ درجہ صرف احکام الہٰی کی پابندی اور سنتِ رسول کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے، یہ بحث نہایت لطیف و دلنشین ہے، اور موضوع کی نزاکت کے باوجود قلم جادۂ مستقیم سے نہین ہٹنے پایا ہے، اس مقالہ مین اسلام کی اصلی روح بیان کر دی گئی ہے جو اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

چند جواہر ریزے از جناب خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت طباعت بہتر، پتہ اقبال اکیڈمی تاجپورہ ظفر منزل لاہور،

خواجہ عبد الحمید صاحب سر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینون مین ہین، ان کو اکثر ان کی خدمت مین حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، اونھون نے مختلف صحبتون مین علامۂ مرحوم کی زبان سے جو علمی نکات و لطائف، ان کے سفر اور قیام یورپ کے متفرق حالات اور مختلف قسم کے جو مفید و دلچسپ واقعات سُنے تھے، ان کو کئی سال ہوئے معارف مین "چند جواہر ریزے" کے نام سے مضمون کی شکل مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی صورت مین شائع کر دیا ہے، یہ مختصر جواہر ریزے اقبال مرحوم کے عقیدتمندون کے لئے تبرک کی حیثیت رکھتے ہین،

میلادِ شمسی، از شمسی عباد الرحمٰن صاحبہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۴ر پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی،

عام طور سے جو پرانے طرز کے میلاد نامے رائج ہین ان مین عموماً غیر معتبر روایتین زیادہ ہوتی ہین جس سے ذکرِ رسول کا صحیح فائدہ حاصل نہین ہوتا، اس لئے زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے مصنفہ نے یہ میلاد نامہ لکھا ہے، گو یہ میلاد نامہ بہت مختصر ہے، لیکن اس مین روایات کی صحت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، زبان صاف اور شُستہ ہے، زنانہ مجلسون مین پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے،

پودون کی کہانی از جناب سید الدین صاحب صدر شعبۂ نباتیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۶۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱ر پتہ سب رس کتاب گھر نعمت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن،

یہ مختصر رسالہ فن نباتات پر ہے، اس میں نباتات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر علمی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور نباتات کی عام خصوصیات غذا اور توانائی حاصل کرنے کے طریقوں نامٹروجن کے قدرتی مخزنوں اور اس کے حصول اور نباتات کی افزایش نسل کے قدرتی نظام کو عام فہم اور سادہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے،

اخلاص مشرق از جناب شفیق جونپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۸؍ پتہ :۔ مصنف دفتر نظام ادب جونپور،

جناب شفیق جونپوری نواح مشرق کے مشہور شاعر ہیں، ان کے کلام کے بعض مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اخلاص مشرق ان کے قصائد حمد و نعت و منقبت اور دوسری مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے، مصنف گو نئے دور کے شاعر ہیں، لیکن فن سے باخبر اور شعر و ادب کے صحیح ذوق شناس ہیں، اس لئے ان کی شاعری قدیم و جدید کے امتزاج کا لطیف نمونہ ہے، زبان کی صحت وصفائی اور حلاوت وشیرینی ان کے کلام کا نمایاں وصف ہے، یہ تمام نظمیں خیالات کی بلندی و پاکیزگی، اور لطف زبان کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہیں، کاغذ اور کتابت وطباعت اتنی خراب ہے کہ اس لطیف شراب کے جام سفالین سے نگاہ کو تکلیف پہنچتی ہے، تعجب ہے کہ مصنف کی شعریت نے اس کو کیونکر گوارا کیا،

کلام حرمان از جناب حرمان خیرآبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ :۔ دفتر مجلس اردو نمبر ۴، جی بلاک ماڈل ٹاون لاہور،

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، اس کا بیشتر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے، چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، شاعر کو اس سرزمین سے نسبت ہے جس نے ریاض اور مضطر کو پیدا کیا، اس نسبت کا اثر ان کے کلام میں ظاہر ہے، مصنف میں شاعری کی پوری صلاحیت ہے، اور جذبات وخیالات اور زبان وطرز ادا کے لحاظ سے کلام خاصہ ہے، لیکن ابھی نومشقی کی وجہ سے جا بجا خامیاں نظر آتی ہیں جن کا ہونا تعجب انگیز نہیں، جو امید ہے کہ مشق ومہارت سے دور ہو جائینگی،

جلد ۵۳ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۴ء عدد ۵

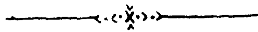
مضامین

شذرات

مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے ڈاکٹر حامد علی صاحب حیدرآبادی کے گرانقدر عطیہ کی خبر جس کی مقدار تیرہ لاکھ ہے، اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی اولو العزمی اور ایسی عظیم الشان فیاضی کی یہ پہلی مثال ہے جس کی شکرگذاری ساری قوم پر فرض ہے، مخیر معطی کے حالات اور اس عطیہ کی تاریخ معلوم ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، وہ کوئی موروثی دولتمند اور بڑے سرمایہ دار نہیں بلکہ اپنی قوت بازو سے ترقی کرکے انھوں نے یہ دولت پیدا کی، موصوف ڈاکٹر ہیں اور حیدرآباد میں معمولی تنخواہ سے پندرہ سو ماہانہ تک ترقی کی، لیکن اتنے بڑے عطیہ کے لئے پندرہ سو ماہانہ کی کوئی بساط نہیں، موصوف کے دل میں شروع سے ہونہار اور حاجتمند مسلمان طلبہ کی امداد کے انتظام کی لگن تھی، اس مقصد کے لئے وہ طالب علمی کے زمانہ سے انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی بسر کرکے روپیہ بچاتے، اور اس کو بڑھانے کے لئے مختلف کاروبار میں لگاتے رہے، انکی نیت کی برکت سے اسکی تعداد تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی اور عمر بھر کی یہ ساری کمائی انھوں نے اک مشت قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کردی،

کسی موروثی امیر کبیر کا قومی کام کے لئے اپنے معمور خزانہ کا کوئی حقیر حصہ دیدینا کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا، لیکن اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہوا ساری عمر کا سرمایہ جو تکلیف اٹھا کر جمع کیا گیا ہو اس طرح قوم کی نذر کردینا ایثار و قربانی کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی،

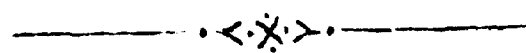
قومی فیاضی کا یہ نمونہ ہماری پوری قوم خصوصاً صاحب ثروت طبقہ کے لئے سبق آموز ہی، اللہ تعالیٰ اسکو اس کی تقلید کی توفیق اور مخیر محسن قوم کو اس کار خیر کا صلہ عطا فرمائے،



ترقی پسند ادب کی عریاں نویسی اور فحش نگاری کے متعلق معارف میں بھی لکھا جا چکا ہی اور ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ اصحاب علم اور اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن یہ وبا برابر پھیلتی جاتی ہے، اس پست اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت مین پنجاب کے بعض ادبی رسالوں کا قدم سب سے آگے ہی، اور انھوں نے ادب لطیف کے پردہ میں ادب کثیف کی اشاعت کو مستقل مقصد بنا لیا ہے، جس کو کوئی سنجیدہ انسان پڑھ نہیں سکتا،



پنجاب خصوصاً لاہور ہندوستان میں اردو ادب کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے لیکن افسوس وہاں کے برعکس نام نہند ترقی پسند ادیب، اپنی نافہمی سے اُسکے اس امتیاز کو داغدار بنا رہے ہیں، ناصاف آبادی کے اژدحام میں جہاں وبا کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، حفظان صحت کے اہتمام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے پنجاب کی ادبی پیداوار کی نگرانی کی بڑی ضرورت ہی، اور یہ فرض سب سے زیادہ وہاں کے سنجیدہ اصحاب قلم پر عائد ہوتا ہی جن کی لاہور میں کمی نہیں وہاں زمین شعر و ادب کے زمیندار بھی ہیں، آسمانِ صحافت کے مہر بھی ہیں، راہِ ادب کے سالک بھی ہیں، کتنا فنون کی تطہیر کے لئے زمزم و کوثر بھی موجود ہیں، ان کی موجودگی میں یہ ادبی گمراہی حیرت انگیز ہے، ان کی نوک قلم میں تو بڑے بڑے فاسد مادوں کو خارج کر دینے کی قوت ہے، یہ ادبی فساد تو ان کی ادنیٰ توجہ سے دور ہو سکتا ہے،



گذشتہ مہینہ اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہوا، اس کے

قائم مقام سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اس کی روداد ہمارے پاس اشاعت کے لئے بھیجی ہے، جو اسی پرچہ میں شائع کیجارہی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر عربی، انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھے گئے اور اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون اور عربی فارسی اور ترکی زبانوں کی اشاعت و ترقی، نادر قلمی کتابوں کی فہرست سازی اور اسلامی آثار قدیمہ کے تحفظ کے متعلق بہت سی مفید تجویزیں منظور ہوئیں، ابھی کانفرنس کی عمر دو تین سال سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے پابندی کے ساتھ اس کے اجلاس ہوتے رہنا بھی غنیمت ہے لیکن آیندہ ہم کو اس کے فاضل کارکنوں سے اس سے زیادہ ٹھوس کام کی توقع ہے، اگر کانفرنس کی جانب سے اس کا مجوزہ رسالہ نکل جائے تو یہ ایک مستقل اور مفید کام ہوگا، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے سنجیدہ علمی رسالوں کی تعداد انگریزی اور اردو ملا کر دو چار سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے ایسے رسائل کی بڑی ضرورت ہے۔



حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی صحت کچھ عرصہ سے برابر خراب رہتی ہے، گذشتہ مہینہ مزاج زیادہ ناساز ہوگیا تھا، اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے لیکن ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کچھ دنوں تک مکمل آرام کی ضرورت ہے، اور زیادہ خط و کتابت کی بھی اجازت نہیں ہے، گرمی کی شدت کی وجہ سے مئی، جون دو مہینے دارالمصنفین میں قیام بھی نہ رہے گا، اس لئے ناظرین معارف اور دوسرے تعلق رکھنے والے اصحاب سے گذارش ہے کہ وہ موصوف کی صحت کے خیال سے کچھ دنوں تک غیر ضروری خط و کتابت خصوصاً ایسے خطوط سے احتراز فرمائیں جن کے جواب میں دماغی بار پڑنے کا احتمال ہو، باقی ضروری خطوط کا جواب ملتا رہے گا۔



مقالات

خطبۂ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال

"اواخر ۱۹۳۹ء یا شروع ۱۹۴۰ء میں بنگال میں اردو کانفرنس بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والی تھی اوس کی صدارت کی خدمت حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے سپرد ہوئی تھی، مگر کسی وقتی مجبوری سے یہ مجوزہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی، اس کانفرنس کے لئے جو خطبۂ صدارت لکھا گیا تھا اس میں اردو ہندی کے مسئلہ کے بعض پہلوؤں اور بعض ایسے نظریوں اور دلیلوں پر غور کیا گیا تھا جو آج کل بھی ہندی کے بعض ممتاز حامیوں کے قلم و زبان پر ہیں، اتفاق سے اس وقت کاغذات میں اس خطبہ کا مسودہ مل گیا جس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے کہ ان مسائل پر صحیح نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے، اسی طرح خطبہ کے آخر میں بنگال کے مسلمانوں سے جو کچھ خطاب کیا گیا تھا، وہ آج بھی اُن توجہ کا طالب ہے"۔ "م"

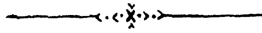
ہمزبانو! ممنون ہوں کہ آپنے اپنی محفل کی صدارت کی عزت دیکر اپنی زبان کی خدمت کا ایک اہم موقع عنایت فرمایا، آج کل نہ صرف دنیا ایک نازک دور سے گذر رہی ہے، بلکہ خود ہمارا ملک بھی ایک ایسے پرخطر دور سے گذر رہا ہے کہ اگر مسلمانوں نے تھوڑی سی غفلت برتی تو پھر اس نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی نہیں ہو سکتی، ہم آپس میں سیاسیات میں کتنے ہی مختلف ہوں، مگر اس بارہ میں ہم میں سے ایک کو بھی اختلاف نہیں کہ ہم کو اس ہندوستان میں مسلمان ہی ہو کر جینا اور مسلمان ہی ہو کر مرنا ہے، البتہ یہ خیال ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان ہیں، اس لئے ہم پر

شذرات

مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے ڈاکٹر حامد علی صاحب حیدرآبادی کے گرانقدر عطیہ کی خبر جس کی مقدار تیرہ لاکھ ہے، اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی اولوالعزمی اور ایسی عظیم الشان فیاضی کی یہ پہلی مثال ہے جس کی شکر گذاری ساری قوم پر فرض ہے، مخیر معطی کے حالات اور اس عطیہ کی تاریخ معلوم ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، وہ کوئی موروثی دولتمند اور بڑے سرمایہ دار نہیں، بلکہ اپنی قوت بازو سے ترقی کر کے انھوں نے یہ دولت پیدا کی، موصوف ڈاکٹر ہیں اور حیدرآباد میں معمولی تنخواہ سے پندرہ سو ماہانہ تک ترقی کی، لیکن اتنے بڑے عطیہ کے لئے پندرہ سو ماہانہ کی کوئی بساط نہیں، موصوف کے دل میں شروع سے ہونہار اور حاجتمند مسلمان طلبہ کی امداد کے انتظام کی لگن تھی، اس مقصد کے لئے وہ طالب علمی کے زمانہ سے انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی بسر کر کے روپیہ بچاتے، اور اس کو بڑھانے کے لئے مختلف کاروبار میں لگاتے رہے، انکی نیت کی برکت سے اسکی تعداد تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی اور عمر بھر کی یہ ساری کمائی انھوں نے اک مشت قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دی،

کسی موروثی امیر کبیر کا قومی کام کے لئے اپنے معمور خزانہ کا کوئی حقیر حصہ دیدینا کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا، لیکن اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہوا ساری عمر کا سرمایہ جو تکلیف اٹھا کر جمع کیا گیا ہو اس طرح قوم کی نذر کر دینا ایثار و قربانی کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی،

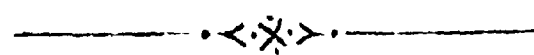
قومی فیاضی کا یہ نمونہ ہماری پوری قوم خصوصاً صاحب ثروت طبقہ کے لئے سبق آموز ہے، اللہ تعالیٰ اسکو اس کی تقلید کی توفیق اور مخیر محسن قوم کو اس کار خیر کا صلہ عطا فرمائے،



ترقی پسند ادب کی عریاں نویسی اور فحش نگاری کے متعلق معارف میں بھی لکھا جا چکا ہے اور ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ اصحاب علم اور اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن یہ وبا برابر پھیلتی جاتی ہے، اس پست اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت میں پنجاب کے بعض ادبی رسالوں کا قدم سب سے آگے ہے، اور انھوں نے ادب لطیف کے پردہ میں ادب کثیف کی اشاعت کو مستقل مقصد بنا لیا ہے، جس کو کوئی سنجیدہ انسان پڑھ نہیں سکتا،



پنجاب خصوصاً لاہور ہندوستان میں اردو ادب کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے لیکن افسوس وہاں کے بر عکس نام نہند "ترقی پسند" ادیب، اپنی نافہمی سے اسکے اس امتیاز کو داغدار بنا رہے ہیں، ناصاف آبادی کے اژدحام میں جہاں وبا کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، حفظان صحت کے اہتمام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے پنجاب کی ادبی پیداوار کی نگرانی کی بڑی ضرورت ہے، اور یہ فرض سب سے زیادہ وہاں کے سنجیدہ اصحاب قلم پر عائد ہوتا ہے، جن کی لاہور میں کمی نہیں وہاں زمین شعر و ادب کے زمیندار بھی ہیں، آسمان صحافت کے مہر بھی ہیں، راہ ادب کے سالک بھی ہیں، کثافتوں کی تطہیر کے لئے زمزم و کوثر بھی موجود ہیں، ان کی موجودگی میں یہ ادبی گمراہی حیرت انگیز ہے، ان کی نوک قلم میں تو بڑے بڑے فاسد مادوں کو خارج کر دینے کی قوت ہے، یہ ادبی فساد تو ان کی ادنیٰ توجہ سے دور ہو سکتا ہے،



گذشتہ مہینہ اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہوا، اس کے

قائم مقام سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اس کی روداد ہمارے پاس اشاعت کے لئے بھیجی ہے، جو اسی پرچہ میں شائع کیجارہی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر عربی، انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھے گئے اور اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون اور عربی فارسی اور ترکی زبانوں کی اشاعت و ترقی، نادر قلمی کتابوں کی فہرست سازی اور اسلامی آثار قدیمہ کے تحفظ کے متعلق بہت سی مفید تجویزیں منظور ہوئیں، ابھی کانفرنس کی عمر دو تین سال سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے پابندی کے ساتھ اس کے اجلاس ہوتے رہنا بھی غنیمت ہے لیکن آیندہ ہم کو اس کے فاضل کارکنوں سے اس سے زیادہ ٹھوس کام کی توقع ہے، اگر کانفرنس کی جانب سے اس کا مجوزہ رسالہ نکل جائے تو یہ ایک مستقل اور مفید کام ہوگا، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے سنجیدہ علمی رسائل کی تعداد انگریزی اور اردو ملاکر دو چار سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے ایسے رسائل کی بڑی ضرورت ہے۔



حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی صحت کچھ عرصہ سے برابر خراب رہتی ہے، گذشتہ مہینہ مزاج زیادہ ناساز ہوگیا تھا، اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے، لیکن ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کچھ دنوں تک مکمل آرام کی ضرورت ہے، اور زیادہ خط و کتابت کی بھی اجازت نہیں، گرمی کی شدت کی وجہ سے مئی، جون دو مہینے دارالمصنفین میں قیام بھی نہ رہے گا، اس لئے ناظرین معارف اور دوسرے تعلق رکھنے والے اصحاب سے گذارش ہے کہ وہ موصوف کی صحت کے خیال سے کچھ دنوں تک غیر ضروری خط و کتابت خصوصاً ایسے خطوط سے احتراز فرمائیں جن کے جواب میں دماغی بار پڑنے کا احتمال ہو، باقی ضروری خطوط کا جواب ملتا رہے گا۔

مقالات

خطبۂ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال

"اواخر ۱۹۳۹ء یا شروع ۱۹۴۰ء مین بنگال مین اردو کانفرنس بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والی تھی، اوس کی صدارت کی خدمت حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے سپرد ہوئی تھی، مگر کسی وقتی مجبوری سے یہ مجوزہ کانفرنس منعقد نہ ہوسکی، اس کانفرنس کے لئے جو خطبۂ صدارت لکھا گیا تھا اس مین اردو ہندی کے مسئلہ کے بعض پہلوؤن اور بعض ایسے نظریون اور دلیلون پر غور کیا گیا تھا جو آج کل بھی ہندی کے بعض ممتاز حامیون کے قلم وزبان پر ہیں، اتفاق سے اس وقت کاغذات میں اس خطبہ کا مسودہ مل گیا، جس کو ذیل مین شائع کیا جاتا ہو کہ ان مسائل پر صحیح نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے، اسی طرح خطبہ کے آخر میں بنگال کے مسلمانون سے جو کچھ خطاب کیا گیا تھا، وہ آج بھی اُن توجہ کا طالب ہے۔"

"س م"

ہمزبانو! ممنون ہون کہ آپنے اپنی محفل کی صدارت کی عزت دیکر اپنی زبان کی خدمت کا ایک اہم موقع عنایت فرمایا، آج کل نہ صرف دنیا ایک نازک دور سے گذر رہی ہے، بلکہ خود ہمارا ملک بھی ایک ایسے پرخطر دور سے گذر رہا ہے کہ اگر مسلمانون نے تھوڑی سی غفلت برتی تو پھر اس نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی نہیں ہوسکتی، ہم آپس میں سیاسیات میں کتنے ہی مختلف ہون، مگر اس بارہ مین ہم مین سے ایک کو بھی اختلاف نہین کہ ہم کو اس ہندوستان مین مسلمان ہی ہوکر جینا اور مسلمان ہی ہوکر مرنا ہے، البتہ یہ خیال ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان ہین، اس لئے ہم پر

جس طرح بحیثیت مسلمان ہونے کے فرائض ہین، بحیثیت ہندوستانی ہونے کے بھی ہم پر کچھ حقوق ہین، اور جہانتک ہو سکے ان فرائض اور حقوق کے دوہرے بوجھ کو اٹھا کر ہی آگے کو چلنا ہے، اور ایسی کوشش کرنا ہو کہ ان دونون مین تصادم اور ایسی ٹکر نہ ہو جو دونون کو پاش پاش کر دے،

ہم نے اس مشکل کو اسی دن سمجھ لیا تھا جس دن اس سرزمین پر پہلی مرتبہ پاؤن رکھا تھا، یہ اسی رواداری اور صلح جوئی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اس ملک مین خواہ عرب سے آئے، ترکستان اور خراسان سے آئے، ایران سے آئے، افغانستان سے آئے، مگر یہان آکر نہ وہ عرب رہے، نہ ترک رہے، نہ ایرانی رہے، اور نہ افغانی، خالص ہندوستانی ہو گئے، عربون نے عربی، ترکون نے ترکی، ایرانیون نے فارسی اور افغانون نے پشتو چھوڑ کر اسی دیس کی بولی، اپنی بولی بنائی، اور ایسی بنائی کہ وہ اس زبان میں شاعری اور انشاپردازی کرنے لگے، اردو تذکرہ کی کتابون مین سیکڑون ایسے شاعر ملین گے، جن کے حال مین لکھا ہوگا کہ ان کے باپ دادا، عرب، ایران اور ترکستان سے آئے، مگر وہ خود اسی ملک کی زبان بولنے اور اس مین دادِ سخن دینے لگے،

آج ہمارے دیس کی جو بولی ہے، اور جس کو آج سب ہندو مسلمان بول رہے ہین، وہ اسی دیس کی پیداوار ہے، وہ عرب، ایران، ترکستان سے نہیں آئی، فرق اتنا ہے کہ مسلمانون نے اپنی زبانون کے کچھ لفظ بھی اس مین ملا دیئے، اور ایسا ہونا ضروری تھا، زبان بولنے والون کی ضرورتون کا آئینہ ہوتی ہے، اس لئے مختلف قومون کے درمیان ان قومون کی مختلف ضرورتون کی بنا پر اختلاف ہونا ضروری ہے، ایسے اختلاف سے ایک زبان دو نہین بنجاتی، مسلمانون کا ایمان ایمان ہی ہے، اور ہندوؤں کا دھرم، دھرم ہی رہے گا، ہمارا مذہبی فاقہ روزہ کہلائے گا، اور ان کا برت، ہم حج اور زیارت کرتے ہین، اور وہ تیرتھ، ہمارا مردہ جنازہ ہوتا ہے، اور ان کا ارتھی، ہم مرکر جنت جاتے ہیں، اور وہ بیکنٹھ، لیکن اس اختلاف کو اتنا بڑھانا کہ ہم پانی پئین، اور وہ جل، ہم اور کہین، اور وہ تھا، اور ایسے ہی اختلافون کو اور بڑھا بڑھا کر ایک بولی کو دو بنانے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک مسلمانون کا جرم عظیم اور ہندوؤن کا مہاپاپ ہے،

یہ زبان جس کو ہم ہندو مسلمان آج بول رہے ہیں، یہ آج نہیں ایک ہزار برس میں بنی ہے، اس کے بنانے مین ہندو مسلمان بزرگون کی ایک ہزار برس کی عمر بیتی ہے، یہ ہندوستان مین ہندو مسلمان سمجھوتہ کی سب سے بڑی یادگار ہے جو لوگ اس زبان کو مٹانا چاہتے ہین، وہ ہندو مسلمانون کے تعلقات کو نئے سرے سے پھر الجھانا چاہتے ہین، اور ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی صوبہ، بلکہ ایک ہی شہر، بلکہ ایک ہی گاؤن مین ایسی برابر کی قومین پیدا کرنا ہے جو ایک دوسرے کی نہ سمجھ سکین، اور جب ایک دوسرے کی زبان نہ ملے گی، تو دل کیا ملے گا،

ہندو بھائیون کے ایک طبقہ مین اس زبان کے خلاف جو جذبہ کام کر رہا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بدیسی ہے اور قومیت پروری کا اقتضایہ ہے کہ ہم اپنے دیس کی بولی بولین، اور بدیسی بولی کو چھوڑ دین، حالانکہ ہندوستان کی کوئی زبان چند بدیسی عربی اور فارسی لفظون کے مل جانے سے عربی اور فارسی نہین بن جائیگی، جیسے چند انگریزی لفظون کے ملنے سے انگریزی نہین بن جاتی، اگر ہم کو بدیسی سے ایسی ہی چڑ ہے تو پہلے یہان سے مسلمانون، عیسائیون اور پارسیون کو نکالنا چاہئیے انگریزی علوم اور تمام یورپین ایجادات اور وہان کی مصنوعات سے ملک کو خالی کر دینا چاہئیے، بلکہ خود سنسکرت کو یہان سے خارج کیجئے، کہ وہ بھی سنٹرل ایشیا سے آئی ہے، اور برہمنون کو بھی نکالئے کہ وہ بھی باہر سے آئے ہین،

صاحبو! راہین دو ہین، ایک یہ کہ ہم یہ سمجھین کہ ہندوستان خالص ہندوؤن کا ملک ہے، اس مین جو کچھ ہو وہ خالص ہندوانی ہو، زبان وہی ہو، لباس وہی ہو، تعمیر وہی ہو، مذاق وہی ہو، علم و فن وہی ہون، اور جو بھی اس ملک کی چہار دیواری کے اندر رہے، وہ اسی کا محکوم ہو کر رہے، یہ راہ بیحد خطرناک اور مشکلون سے بھری ہوئی ہے اور اس راہ کی کامیابی مین بہت کچھ شک کیا جا سکتا ہے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہندوستان ایک گلدستہ ہے جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہین، ع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

لیکن رنگ و بو کے اس اختلاف کے باوجود وطن خواہی کے دھاگہ نے ان سب کو ایک جگہ باندھ کر ایک

بنا دیا ہے، یہ وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی قوم زندہ رہ سکتی ہے، اور کل کا جز بنکر کل کی طاقت کا باعث ہو سکتی ہے،

میرے نزدیک کسی ہندو طبقہ کا قومیت و وطنیت کے مفہوم کو اتنا تنگ سمجھنا کہ خود اس ملک کے مختلف رہنے والے بھی وہاں کے اصلی رہنے والے ثابت نہو سکیں، ان کی وہی موروثی اور پرانی تنگ خیالی ہے جس نے تاریخ میں ان کو ہمالیہ اور سمندر کی چہار دیواریوں میں بند اور چھوت اور اچھوت کی پرانی لڑائی ہزاروں برس سے کھڑی کر رکھی ہے، اور جس نے تاریخ کے ہر دور میں ان کے اندر نفاق پیدا کیا ہے، اور انہی کے اندر کے مظلوم فرقوں کو مجبور کیا ہے، کہ وہ باہر کا سہارا ڈھونڈیں، اور باہر والوں کو اپنی مدد کے لئے اپنے گھر بلائیں، اور نتیجہ میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی غلامی کی زنجیروں میں اسیر کرائیں، یہ ایک تاریخی نکتہ ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن جسکو کسی موقع پر کبھی بھولنا نہیں چاہئے،

اس زبان کو جو اس وقت ملک کے بڑے حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، خالص اسلامی بولی سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے، یہ ہندو مسلمانوں دونوں کی محنتوں اور کوششوں سے بنی اور پروان چڑھی ہے، یہ حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش برابر جاری ہے، لیکن حقیقت کی سچائی چھپائے نہیں چھپ سکتی، ہم خود بھی اس غلطی میں تھے کہ شاید تیس چالیس برس کی لگاتار کوششیں اس حقیقت پر پردہ ڈال چکی ہیں، مگر پچھلے سال اردو دن منانے کی جو تحریک ہوئی، اور اس میں پنجاب سے لیکر بہار تک کے مسلمانوں کے ساتھ ہندو دوستوں نے بھی جو دلچسپی لی، اور جو تقریریں کیں، اُن سے یہ پتہ چلا کہ یہ زبان ملک کی زبان ہی پر نہیں بلکہ دل میں بھی اتر چکی ہے، اور حقیقت کے پہچاننے والے ہندو دوست بھی اس کی سچائی کو دل سے مانتے ہیں، اور اسی کو اپنی مادری زبان مانتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ سر تیج بہادر کی وہ فاضلانہ تقریریں جو الہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ، حیدرآباد اور ابھی کشمیر میں ہوئیں، ان سے ہم کو پوری طرح یقین ہوتا ہے، ملک میں بہت سے ایسے سمجھدار ہندو ہیں جو سچائی کے ساتھ اس حقیقت کو مانتے ہیں، اور ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ سنسکرتی

ہندی کے خواہشمند در اصل ملک کے باشندون کے درمیان تفریق اور عناد کا بیج بو رہے ہین،

الہ آباد یونیورسٹی کے لائق وائس چانسلر پروفیسر جہا نے بھی جنیو پہنے ہوئے گوالیار مین ایک تقریر فرمائی ہے جس مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سنسکرتی ہی ہندی ہندوستان کی عالمگیر زبان بن سکتی ہے، یہ خیال واقعات اور ملکی سیاسیات سے قطع نظر کرکے ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ سمجھ کر ظاہر کیا گیا ہے، کہ گویا ہندوستان مین آریہ برہمنون کے سوا کوئی اور قوم نہیں بس رہی ہے، یہ خیال مدراس اور دکن مین ظاہر کیا جاتا، تو پروفیسر صاحب کو معلوم ہو جاتا، کہ یہ واقعات کی منطق سے کس قدر دور ہے، وہان کی ڈراویڈی قومین جو تامل تلگو اور کنڑی بولتی ہین، وہ ہندی پرچار کی اس لئے مخالف ہیں کہ وہ سمجھتی ہین کہ ہمارے دشمن آریہ برہمن اس بہانہ سے ہماری زبانون کو اور کلچر کو مٹانا چاہتے ہین جب یہ خیال ایک ایسے طبقہ کا ہے جو مذہب کے روسے گویا ہندو ہی ہے، تو ملک کے اس طبقہ کا یہ خیال کیون نہ ہو جو اتحاد وطن کے علاوہ ہر حیثیت سے ان سے الگ ہے،

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ زبان اسلامی زبان ہے، تب بھی یہ کوئی کہہ نہیں سکتا، کہ اقلیت والی زبان کے چل جانے سے اکثریت والی قوم کے رواج و تمدن و تہذیب مٹ جائیگی، وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ہمیشہ قائم رہے گی، جیسا کہ اب تک قائم رہی ہے، لیکن اقلیت کی اوس زبان کے مٹ جانے سے جسکے مٹانے کی کوشش کی جارہی ہو، تو اقلیت کے خاتمہ مین کوئی شک ہی نہیں رہتا، کیونکہ اوس کی عمارت تو اسی قسم کے ستونون پر کھڑی رہ سکتی ہے،

پنجاب کے ایک ہندو پروفیسر نے یہ بات خوب کہی ہے کہ اردو مادری زبان کی حیثیت سے تو اُسی ملک میں بولی جاتی ہے، جہان ہندو آبادی کی اکثریت ہے، یعنی انبالہ سے لیکر بھاگلپور تک، اور جہان مسلمانون کی اکثریت ہے، جیسے کشمیر، صوبہ سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال، وہان کے ہر ایک صوبہ مین اوسی صوبہ کی زبان ان کی مادری زبان ہے، کشمیر کے مسلمان کشمیری، سندھ کے سندھی، سرحد کے پشتو، پنجاب کے پنجابی، اور بنگال کے بنگالی بولتے ہین، اس لئے اس زبان کو اسلامی کہنے کے بجائے ہم ہندوہی کہہ سکتے ہین لیکن باوجود اس کے مسلمانون نے اس زبان

قومی اور ملکی یکرنگی کی خاطر اپنی قومی اور ملکی زبان بنایا ہے، اور چونکہ صدیون سے اس کو اپنی عمومی زبان بنا چکے ہین اس لئے کوئی وجہ نہین ہے کہ اب اوس کی جگہ کسی دوسری زبان کو دی جائے،

یہان پر اس غلطی کو بھی دور کر دینا چاہئے، جو اکثر لوگون کی زبانون سے نکل جاتی ہے، کہ ان صوبون مین جہان ان کی الگ الگ بولیان ہین مسلمان اور ہندو ایک ہی بولی بولتے ہین جیسے بنگال مین بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو ایک ہی زبان رکھتے ہین، ایسے ہی گجرات میں گجراتی، اور مرہٹہ مین مرہٹی، اور مدراس میں کنڑی، اور تلگو وغیرہ، مگر یہ سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی، سچ تو یہ ہے کہ بے شبہہ ان زبانون کے فعل اور حرف تو وہان کے ہندو اور مسلمان ایک ہی بولتے ہیں، مگر اسما مین ان دونون قومون مین اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے تمدنون اور ضرورتون یا پچھلی روایتون میں، ایک مسلمان بنگالی پروفیسر نے مجھے بتایا کہ مسلمان بنگالی پانی بولے گا، اور ہندو بنگالی جل، مسلمان بنگالی خالہ کو کھالا کہے گا، اور ہندو بنگالی موسی وغیرہ اور گجراتی اور مرہٹی کا تو مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ مسلمان گجراتی، پارسی گجراتی، اور ہندو گجراتی مین اتنا ہی فرق ہے، جتنا ان کی قوموں میں، یہی حال مرہٹی کا ہے، کہ مسلمانی مرہٹی، ہندو مرہٹی، سے امتیاز رکھتی ہے، یہی بات مدراس کی ہندو مسلمان بولیون کا ہے، اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے، ہمارے نزدیک اردو اور ہندی مین بھی اتنا ہی فرق ہونا چاہئے اس سے زیادہ نہین لیکن اس سے آگے بڑھکر یہ کہنا اور سمجھنا کہ سنسکرتی ہی ہندی ہماری اصلی بولی ہونی چاہئے، دیس کے اتحاد اور یکتا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے،

ابھی پہلی اکتوبر ۱۹۳۹ء کے پائنیر میں الہ آباد یونیورسٹی کے سنسکرت ریڈر پروفیسر سکسینہ کا جو مضمون ہندوستانی زبان پر نکلا ہے، وہ ان کے طبقہ کے خیال کا پورا آئینہ ہے، صوبہ یوپی کے ایک وزیر تعلیم نے اسمبلی کی ایک تقریر مین بہت خوب کہا کہ نہ ہندو تمدن، نہ مسلمان تمدن، بلکہ ہندوستانی تمدن، میری عرض ہے کہ اس فلسفہ کو اور آگے بڑھائیے اور کہئے کہ نہ ہندو بولی نہ مسلمان بولی، بلکہ ہندوستانی بولی، لیکن کیا وفاداری کے ساتھ ہم سب اس کے ساتھ ہین،

ہمارے وزیر تعلیم نے ابھی بنارس مین ہندی کے ایک جلسہ مین فرمایا ہے کہ اردو ہندی جھگڑے کا فیصلہ قدرت نے خود کر دیا، یعنی یہ کہ اب نوے فیصدی لڑکے ہندی لے رہے ہین، جہان تک کا غذ اور امتحان کے پرچون کا

تعلق ہے، ہمارے وزیر صاحب کا سرکاری بیان بالکل صحیح ہے لیکن جہانتک واقعیت کا تعلق ہے یہ بیان ابھی صداقت سے بہت دور ہے، گو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے ہم وطنون مین جھوٹی قومیت پرستی کا یہی جذبہ ہا تو یہ بیان آگے چل کر واقعی صداقت نہ بن جائے گا،

صوبہ بہار مین جو ہندوستانی کمیٹی دو سال سے بنی ہے، اس مین اسی کی کوشش کی جارہی ہے، کہ اونچی اردو اور کڑی ہندی سے الگ کر بیچ کی ہندوستانی کو ادب اور تعلیم کی زبان بنا کر پھیلایا جائے، چنانچہ اسی اصول پر ڈاکٹر تاراچند اور مولوی عبدالحق صاحب ہندوستانی لغت اور ہندوستانی اصطلاحون کا کام کر رہے ہین، اور ہم لوگ ہندوستانی ریڈرون کی زبان درست کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رہے ہین لیکن ہم کو معلوم ہے کہ اس تحریک کے دبانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جارہا ہے، اور اس کی کھلی مثال پروفیسر سکسینہ کی وہ تحریر ہے جس کو اونھوں نے بہار کی ہندوستانی کمیٹی سے استعفا دیتے ہوے لکھا ہے،

یوپی کی کانگریسی حکومت کے صیغۂ تعلیم کا غالبًا یہ منشا تھا کہ اردو اور ہندی کو ابھی ایک ساتھ چلنے دیا جائے لیکن قومی کوششون کے علاوہ سرکاری امدادی ذریعون سے بھی ایسی کوشش کی جائے، کہ سنسکرتی ہندی کا پلہ دن پر دن بھاری ہوتا چلا جائے، یہان تک کہ اردو کس مپرسی سے اپنی موت آپ مرجائے، اور سنسکرتی ہندی ہر جگہ چھا جائے، پھر اس وقت کا وزیر تعلیم بے جھجک یہ کہہ سکے گا کہ اردو ہندی کا فیصلہ خود بخود ہو گیا، کیونکہ اب سو فیصدی لڑکے ہندی پڑھ رہے ہین،

پہلے تو اکیلے میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکول ن مین لڑکون کو ہندی پڑھانے پر زور دیا جاتا تھا، اور اردو کے استاد نہ ہونے یا نہ رکھنے کے سبب سے وہان لڑکون کو ہندی سیکھنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یا وہ مجبور ہوتے تھے، اب آج کل کی روشنی مین یہ اندھیر ہو رہا ہے کہ ہندی کی کوششون میں اوپر سے نیچے تک سرکاری عہدہ دار اس کام میں لگے ہوئے ہین، جگہ جگہ دورے کرتے ہیں، جلسون میں اپنی پنچ کی حیثیت سے جاتے ہین اور ہندی کی ترقی کے لئے پورا زور دکھاتے ہین، حالانکہ ان کو یا تو دونون کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ کرنا یا دونون سے ناطہ توڑنا

ہوجانا چاہئے، میرے خیال میں یہ کانگریس کے ساتھ ہمدردی نہیں بلکہ کھلی دشمنی ہے، اور مسلمانون کے ذہن مین یہ غلطی بٹھانی ہے کہ جب ہم آدھے اختیار پاکر یہ کر رہے ہین تو پورا اختیار پاکر کیا کچھ نہ کرین گے، ملک کی پالٹیکس پر اس غلطی کا جو بُرا اثر اب پڑ رہا ہے، اور جو آگے پڑے گا، وہ چھپا نہین، مین نے اس وقت صفائی سے جو کچھ کہا ہے امید ہے کہ ہمارے دوست اوس کو نیک نیتی سے سنین گے، اور کہنے والے کی بھی نیک نیتی سمجھین گے،

زبان کے مسئلہ میں ہماری پالیسی کھلی ہوئی یہ ہونی چاہئے، کہ زبان وہ ہے جو بازارون مین بولی، اور عدالتون اور اسٹیشنون میں سمجھی جاتی ہے، اور جو ہندو مسلمان دونون کے بیچ مین سمجھنے اور سمجھانے کے کام مین آتی ہو، وہ نہین جو تشبد ساگرون اور قاموسون مین لکھی ہوئی ہے، اس بولی کے لفظ بازار کے چلتے ہوے سکے ہین، نہ کہ کونون اور گوشون مین پڑے ہوئے زنگ کھائے ہوے غزنوی اور بکرماجیت کے زمانہ کے سکے، جن سے پرانی یادگارون کے ماہر اور پرانی تاریخ کے شائق تو فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر ان سے بازار کے چلن کا کام نہین لیا جا سکتا،

مسلمان اس مسئلہ مین بھی وہی کوتاہی کر رہے ہیں جو ان کے ہر قومی کام مین ہے، یعنی یہ زبان اور قلم کے شیر بنے ہوے، صرف بول رہے ہین، اور لکھ رہے ہین، کچھ کر نہین رہے ہین، ان کو یقین کرنا چاہئے کہ زبان اور قلم کے یہ بندا اس سیلاب کے دھارے کو نہین روک سکتے، جو پورے زور سے بہ رہا ہے، ضرورت ہے کہ ہم ہاتھ پاؤن ہلائین اپنی گاڑھی کمائی کے کچھ ٹکڑے مانگنے والون کی جھولی مین ڈالین،

ان پڑھون کو پڑھانے کی جو تحریک دو برسون سے چل رہی ہے، ہمارے نوجوان اس کے لئے ابھی تک کچھ نہین کر سکے ہین، کچھ برسون کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ اردو اور ہندی پڑھے لکھون مین تعداد کا کتنا بڑا فرق ہو گیا اور اس فرق کی وجہ سے اگر کوئی نتیجہ ہماری توقع کے خلاف نکلے، تو اس کی ذمہ داری ہمارے ہی سر ہوگی،

پورے ملک مین انجمن ترقی اردو کے علاوہ اردو کی دیکھ بھال اور ترقی کے لئے کوئی دوسری انجمن نہین ہے، اور اس کی شاخین بھی صرف بڑے بڑے صوبون تک ہین، شہر شہر اس کی شاخین اور ان شاخون مین کام کرنے والے

لوگ نہین، جب تک ہم پوری سرگرمی اور جوش وخروش سے کسی کام کو نہین کرین گے، اوس کا ہونا معلوم، بڑی بڑی کتابون اور تصنیفون کو چھوڑ کر جن کے پڑھنے والے کم ہین، ہم کو عوام کی خاطر چھوٹی چھوٹی عام پسند کتابین اور رسالے سیکڑون اور ہزارون کی تعداد مین چھپوا کر پھیلانا چاہئے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو ہندی خط مین صاف ستھری بولی کی کتابین بھی لکھوائی اور چلائی جائین، اور بتایا جائے کہ ہم اس ہندی کے خلاف نہین، جو ہندو مسلمان دونون کی زبان ہے،

ملک کی زبان کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے صحیح راستہ یہ ہو کہ ہندوستانی اردو یا اوس کو آسان ہندی کہہ لیجئے ہندو مسلمانون کی مشترک زبان ہے، اور خالص ہندی کی حیثیت وہ ہے، جو مسلمانون کی فارسی کی ہے اور سنسکرت کا درجہ عربی کا ہے، اگر ہم اس تصفیہ پر ایک ہو جائین تو ہماری سب مشکلین دور ہو جائین، مگر افسوس ہو کہ ملک مین ایک طبقہ ایسا ہے جو نہ صرف ہندی، بلکہ سنسکرتی ہندی کو ہندوستان کی زبان بنانے پر تُلا ہے، اور وہ ایک ایسی غلطی کر رہا ہے جس سے قومی تنگدلی کے سوا کوئی دوسرا فائدہ نہین پہنچ سکتا، اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، کہ ملک دو حصوں مین بٹ جائے،

ابھی تک گو کہ چالیس برس سے یہ طبقہ یہ سمجھانے کی پوری کوشش کر رہا ہے، کہ اردو مسلمانون کی اور ہندی ہندوؤن کی زبان ہے، پھر بھی واقعہ یہ ہے کہ اردو ہندو مسلمانون کی مشترکہ زبان باقی ہے، ہندو اخبار اور رسالے اس زبان مین نکل رہے ہین، ہندو مصنف اس زبان مین کتابین لکھ رہے ہین، ابھی ستمبر کے اخیر مین یوپی سرکار کے صیغۂ توسیع تعلیم مین دیہاتی لائبریریون کے لئے کتابین مانگی گئی تھین، اس سلسلہ مین ۳۶۸ اردو کتابین اور ۱۰۱ اردو کے مسودے اس صیغہ کو موصول ہوئے، ان چھپی ہوئی کتابون مین آدھی سے کچھ کم کتابین ہندو مصنفون کی تھیں، اور مسودون مین ۱۰۱ مین سے ۳۶ مسودے ہندو مصنفون نے بھیجے تھے، ہم اس واقعہ سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہین، کہ سمجھدار ہندو طبقہ جس نے تنگ خیالی سے اپنے کو اونچا رکھا ہے، ابھی تک ہمارے بزرگون کے اس فیصلہ کو کہ "یہ زبان دونون قومون کی مشترکہ میراث ہے" مان رہا ہے، اور اسی

پختگی کے ساتھ یقین رکھتا ہے،

بعض مسلمان مصنفون نے جنھون نے اردو زبان کی تاریخ لکھی ہے، یہ بڑی غلطی کی ہے کہ اونھون نے اس زبان کی تاریخ لکھتے وقت مسلمانون کی کوششون کا ذکر تو پورا کیا ہے، لیکن ہندو شعراء اور اہل زبان و اہل قلم کی کوششون کو نظرانداز کردیا ہے، ضرورت ہے کہ اب اس زبان کی ایک ایسی تاریخ لکھی جائے، جس میں دونون کی محنتون اور کوششون کی پوری تفصیل ہو، آج یہ واقعہ کس کو معلوم ہے کہ لکھنؤ میں اردو شاعری کا سب سے بڑا استاد رائے سرب سنگھ دیوانہ تھا، جس کی تربیت کی گود مین لکھنؤ کے اچھے اچھے شاعر مرزا جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی حیران پلے تھے، لالہ کانجی لال حیا، بندرابن راقم، پنڈت دیا شنکر نسیم، تفتہ، پنڈت رتن ناتھ سرشار، چکبست، برق، مہر، شاد، نوبت رائے نظر، ساحر دہلوی، دیا نرائن نگم، پریم چند، کشن پرشاد کول، پنڈت برجموہن دتاتریہ وغیرہ کی کوششون کا پایہ کم نہین ہے، یہ چند نام یون ہی زبان پر آگئے ہین، ورنہ اگر ان کے نامون اور کامون کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر ہو جائے،

غرض یہ ہے کہ جس راستہ پر ہمارے بزرگ اب تک چلتے آئے ہین، وہی راستہ ہمارے اتحاد اور آگے کے کام کی ضمانت ہے، اس کو چھوڑ کر جو دوسرا راستہ اختیار کیا جا رہا ہے، وہ ہم سب کو گمراہ کر دے گا،

یہ کہنا بھی درست نہین کہ چونکہ ہم کو بنگال، مہاراشٹر اور مدراس کے لوگون کو ملا کر چلنا ہے، جن کی صوبہ وار زبانین سنسکرت ماخذ سے ملتی ہین، اس لئے سنسکرتی ہندی ہی ان سب کو ایک کرسکتی ہے، یہ دلیل ایک آنکھ بند کرکے پیش کی جاتی ہے، اگر ہم دونون آنکھین کھول کر دیکھین تو معلوم ہوگا، کہ ہم نے یہ دلیل دیتے وقت واقعی ایک آنکھ بند کر لی تھی، اس لئے ہم نے آدھے ہندوستان کو دیکھا اور آدھے کو نہین دیکھا، کیا ہندوستان مین کشمیر، سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب نہین، ان کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ان لوگون کی زبانون کے اصلی ماخذون سے کیون آنکھین بند کیجائین، اس کے علاوہ ڈراویڈی زبانون سے کیون غفلت برتی جائے، جن کو نہ اردو سے لگاؤ ہے، اور نہ ٹھیٹھ ہندی سے، اس پر بھی اسلامی مدراس کے ہر حصہ مین اردو بولی اور اس سے

زیادہ سمجھی جاتی ہے، اور ملیبار تک اوس کا نشان پایا جاتا ہے،

الہ آباد یونیورسٹی کے لائق پروفیسر جھا نے اپنی ستمبر ۱۹۳۹ء کی گوالیار والی تقریر مین فرمایا ہو:-

"اردو ڈیڑھ سو برس سے اتر ہندوستان کے اون شہرون کی زبان ہے جو اسلامی تہذیب کے مرکز تھے اور مسلمان درباروں کی اور اُن کی جو اون درباروں سے لگاؤ رکھتے تھے، مشترک زبان تھی اور جس کی شاعری کا وزن، محاورہ اور تشبیہیں کوئی چیز ہندوستانی نہین"

اردو کا لفظ کو بہت پیچھے کا ہے، اسی لئے مین اس نام کو صحیح نہین سمجھتا، لیکن اس سے مقصود تو وہ زبان ہے جو مسلمانون کے یہان آنے سے پہلے سندھ یا پنجاب یا ہریانہ اور دہلی کے آس پاس بولی جاتی تھی، اور جس مین مسلمانون کے آنے سے کچھ ان کی ضرورت کے عربی فارسی یا ترکی لفظ ایسے گھل مل گئے کہ اب وہ اپنے اصلی معنون مین بہت کم رہ گئے ہین کیا اس زبان کی تاریخ ڈیڑھ سو برس کی ہے، اور کیا وہ مسلمان درباروں مین بنی ہے اور کیا اس کے خیالات محاورون اور مثلون مین کوئی چیز ہندوستانی نہین، ہندوستانی ایکاڈیمی کے کسی پچھلے نمبر مین شاہ معین الدین ندوی کا وہ مفصل مضمون چھپ چکا ہے جس مین دکھایا گیا ہو کہ اس زبان مین ہندی تمدن اور تہذیب کا کتنا بڑا حصہ ہو،

اردو مین جو تاریخی اور فرضی نام اس کے ادب کا جزو ہین، ان مین اسلامی اور غیر اسلامی سب ہی قسم کے نام ہین، رستم، سہراب، حاتم، سکندر، دارا، افلاطون، ارسطو، جمشید، فرعون، نمرود، ان مین کوئی بھی مسلمان نہین، یہ اسلام سے پہلے کے عربی یا اسلام سے پہلے کے ایرانی، مصری اور یونانی نام ہین، یہ نام پچھلی دنیا مین وہی حیثیت رکھتے تھے، جو آج نپولین، قیصر، سالسبری، بسمارک، جارج واشنگٹن، ہٹلر، مسولینی وغیرہ کے ہین، جن کا تعلق قومون سے نہیں بلکہ دنیا سے ہے، انہی مین وہ نام بھی ہین، جن کو ہمارے ہندوستان نے پیدا کیا ہے، جیسے بھیم، ارجن، کرشن، رام، سیتا، گوتم بدھ، بھگت وغیرہ یا حوالہ طلب قصے ہین، جیسے مہابھارت، رامائن، بھرت ملاپ، گوپیان، یا تہوار ہین، جیسے ہولی، بسنت وغیرہ یہ سب ہماری زبان کی مثلون اور مثالون مین

وقت پر آتے ہین، اور زبان مین مزا دیتے ہین، جو قوم رستم اور سہراب اور سکندر اور دارا کے نامون اور کامون سے خوش ہو، وہ بکرماجیت اور رام چندر کے نامون اور کامون سے کیون خوش نہ ہو گی، جو مذہبی حیثیت اون کی ہے، وہی ان کی ہے، پھر ایک سے محبت اور دوسرے سے نفرت کی کوئی وجہ نہین،

ہندوستان کی وہ میٹھی اور پیاری بولی جس کا نام اصل مین ہندی ہے وہ ہمارے بزرگون مین پہلے بھی مقبول تھی، اور اب بھی ہے، بڑے بڑے صوفی بزرگون کی محفلون مین حضرت سید حسین گیسو دراز اور سعد اللہ فراز لکھنوی کے زمانہ سے وہ گائی جاتی تھی، اور اب بھی ہماری خانقاہون مین گائی جاتی ہے، اور اوس مین کبت اور گیت کہے جاتے اور سُنے جاتے تھے، اور ایسے مسلمان جو پریم اور محبت کی اس پیاری بولی مین شاعری کرتے تھے، سیکڑون سے زیادہ ہین،

لیکن جو ہندی آج پھیلائی جارہی ہے، فورٹ ولیم کالج سے پہلے وہ موجود نہ تھی، اوس کا پتلا انگریزون کی سیاسی جادوگری سے بنا ہے، اور اسی سے اوس مین جان پڑی ہے، اور اسی جادو کا کھیل ہے، جو آج ہندی اردو جھگڑے کی شکل مین دونوں قومون کو اب تک لڑارہا ہے، یہ حقیقت ہے، اور اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہین سکتا،

اگر کسی زبان کا کسی اسلامی زبان سے لگاؤ رکھنا کوئی پاپ ہے، جو معاف نہین ہوسکتا، تو مین کہتا ہون کہ آج صوبون کی اکثر بولیان جو زبان کے درجہ کو پہنچی ہین، اون مین سے اکثر اسلامی دربارون کی سرپرستی مین پھلی اور پھولی ہین، جیسے بنگالی، گجراتی، مرہٹی وغیرہ، کیونکہ سنسکرت کے سوا ایسی چھوٹی چھوٹی زبانین مسلمانون سے پہلے پڑھنے لکھنے مین کام نہین آتی تھیں، تو پھر کیا یہ زبانین اس لئے آج بھارت ورش سے نکال دیجا ئنگی کہ انھیں اسلامی دربارون سے لگاؤ رکھنے والون نے پھیلائی ہین، اور انھی دربارون کے سایہ مین وہ پھلی پھولی ہین، ان ساری زبانون مین بڑی بہتات سے عربی فارسی کے ضروری لفظ بھی ملے ہین، لیکن اس پر بھی وہ ناپاک نہین ہوئین،

یہ کہنا بھی سچ نہین کہ ہندی دیہاتون کی زبان ہےُ اور اردو شہر کی، دیہات اور شہر دونون کی بولی ایک ہی ہے، فرق ان مین وہی ہے جو دیہات اور شہر کی زندگی مین ہے، جو ہندی اخبارون اور رسالوں مین لکھی جاتی ہو وہ دیہات تو دیہات شہرون میں بھی نہ بولی جاتی ہے، اور نہ سمجھی جاتی ہے، اور اس کا تجربہ ہر روز اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے، اور اُسی وقت اِس دعویٰ کی سچائی کا حال معلوم ہو سکتا ہے،

مین پھر ہندو مسلمان دونون سے اپیل کرتا ہون کہ وہ تنگ دلی اور جھوٹی قومیت کی غلط پاسداری کرکے اپنے ملک کو تباہ نہ کرین، اور اس کشتی مین وہ سوراخ نہ کرین جس سے وہ پھر کبھی نہ بن سکے گی، اور جس کا نتیجہ سب کے لئے ایک ہے، مین اپنے اس بیان کو سر تیج بہادر کے اُس مخلصانہ اور بہادرانہ بیان پر ختم کرتا ہون جو اُنھون نے ۲۶ اگست ۱۹۳۹ء کو کشمیر میں ایک مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

"اردو زبان ہندو مسلمان دونون کو اپنے آباؤ اجداد سے ایک مشترکہ و مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہے جو قطعًا ناقابلِ تقسیم ہے"-

آخر مین مجھے اس صوبہ کے اہلِ فکر کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے، اس مین شبہ نہیں کہ بنگال مین بنگالی کی اہمیت صوبہ کی مقامی بولی کی حیثیت سے زیادہ ہے، پھر بھی یہ بھولنا نہ چاہئے، کہ اردو کی پرورش مین اور ملک کو ایک مشترکہ زبان کے بخشنے مین بنگال کا حصہ کم نہیں ہے، مرشد آباد اور ڈھاکہ اردو ادب کی آخری سرحدین تھین، اور جہان اردو کے بڑے بڑے شاعرون نے جنم لیا ہے، اور شہرت کے بال و پر پیدا کئے ہین اُن شعرائے لکھنؤ کے مقابلہ مین میدان مارے ہین، اور ان کے دیوانون پر نسخ کا قلم پھیرا ہے، محمد صادق اختر، عبد الغفور نساخ اور نواب سید محمد آزاد کے نام اردو ادب مین یادگار رہین، اور آج بھی وحشت کی شاعری سے لکھنؤ اور دہلی کی ادبی محفلین مانوس ہین، موجودہ اردو ادب کا مافوق انشا پرداز جس کے قلم مین سحر حلال ہے اسی خاک سے اُٹھا ہے، اسی سرزمین کے ایک گوشہ مین فورٹ ولیم کالج جس نے اردو کے اُلجھے ہوے بالون مین بھی کنگھی کی، اسی سرزمین کے ایک گوشہ مین تھا، میر امن کا باغ یہیں پر بہار ہوا، اور حاتم طائی کی محفل نے یہیں آرایش پائی، اور اخوان الصفا نے انسانون کو حیوانون کا فلسفہ یہین پڑھایا، پھر کتنی عجیب بات ہے، کہ جب انگریزون کی تعلیمی راے بدلی تو اس نئی زمین کو

اپنے اُس بچہ سے جس کو اس نے گود ون مین پالا تھا، ایسی بیگانگی ہوگئی کہ اب بنگال اور اردو دو متضاد چیزین ہیں۔ بنگال کو اس زبان سے اوتنی بیگانگی کسی طرح نہیں جتنی مدراس کو ہندی یا ہندوستانی سے ہے، مگر یہ کس کو معلوم نہین کہ مدراس کی سابق گورنمنٹ نے جب وہان ہندی یا ہندوستانی کی اشاعت کی ضرورت سمجھی تو دراوڈی قوموں کی ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اس کی تعلیم کو ضروری قرار دیدیا، اور احاطہ مدراس مین اسکی اشاعت پر ہزارون روپیے خرچ کئے، اگر اسی نظیر کو بنگال مین سامنے رکھا جاتا، تو ملک کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی، اور ہندوستانی صوبون کی برادری میں بنگال کی اس کوشش کی بڑی تعریف کیجاتی،

کہاجاتا ہو کہ بنگال مین مسلمانون کا سب سے بڑا حصہ آباد ہو، اگر یہ سچ ہو تو بنگال کے کندھون پر بھی اسلامی ضرورتون کا سب سے بڑا بوجھ ہو، ہندوستان کی ساری اسلامی برادری نے اردو کو اپنی مشترک زبان مانا ہو اور اوس کے پھیلانے اور بڑھانے مین صدیان گنوائی ہین، بڑا افسوس ہوگا اگر ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ اس زبان سے اپنی بے التفاتی کا ثبوت دے،

آج سارے ہندوستان مین جو اسلامی تحریکیں پھیلی ہیں، اور اسلامی ہندوستان نے جو بڑے بڑے نامور مصنف اور اہل قلم پیدا کئے ہین، بنگال کا بڑا حصہ اس لئے اون سے ناآشنا ہے کہ وہ اوس زبان سے جس مین وہ خیالات امانت ہیں، بیگانہ ہے، اور اس طرح ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ، اسلامی تحریکات اور خیالات سے سراسر غیر متاثر ہے، اور اوس سے جو نقصان اسلام کو اس ملک میں پہنچ رہا ہو وہ بیان کا محتاج نہین،

ہم کو معلوم ہے کہ بنگال کے اندرونی حصون تک میں ہزارون مسلمان اس زبان کو بولتے اور سمجھتے ہین، لیکن اردو قواعد کی بعض مشکلون اور تذکیر و تانیث کے جھگڑون کے سبب سے ان کو الجھن ہوتی ہے، لیکن اگر اہل بنگال جرأت کرتے تو اپنی ضرورت کے مطابق وہ لاہور اور پٹنہ کی طرح اپنی اردو آپ بنا لیتے اور دلی اور لکھنؤ والون کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیتے،

وقت اب بھی نہین گیا ہے، اور آج سے زیادہ اوس کے لئے کوئی دوسرا مناسب وقت مشکل سے مل سکتا ہو،

ع اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

بنگال کی سرکار کو چاہئے کہ ہندوستانی اردو کو اس صوبہ کے اسکولون کی تعلیم مین مناسب حصہ دے اور شہرون مین اس زبان کی لائبریریان قائم کرے، اور سرکاری حیثیت سے ہٹ کر خود بنگال والون کی ایک طاقتور جمعیت نجی کے طور پر یہ کام اپنے ہاتھ مین لے، اس کے ممبر شہرون سے گاؤن تک پھیل جائین، اردو پرچارک سبھائین بنائین، اور لوگون کو یہ زبان سکھائین، اگر اردو رسم خط کی مشکل ہو تو شروع میں اس رسم خط کو بھی چھوڑین، اور بنگالی یا لاطینی خط مین اس زبان کے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھیں اور پھیلائین، بنگالی ہندوستانی اردو ڈکشنری لکھین، ادبی اخلاقی اور مذہبی قصے لکھ لکھ کر لوگون کے ہاتھون مین دین، آپ دیکھیں گے کہ چند سال کے اندر بنگال ہندوستان کا جزء ہو جائے گا، اور بنگال کی یہ قربانی ایک طاقتور ہندوستان کے بنانے مین بڑی مدد دے گی، آج پنجابی بولنے والے پنجاب کا اردو ہندوستانی پریس سارے ہندوستان پر راج کر رہا ہے، پھر کیون بنگالی بولنے والے بنگال میں ایسا ہندوستانی پریس نہ ہو، جو ان مقبوضات کو اسی طرح اپنے قبضہ مین نہ لے آئے، ہمت شرط ہے، اور ایثار و قربانی کی تھوڑی ضرورت آج زبان کے مسئلہ کی کنجی مدراس کے ہاتھ مین نہین، بنگال کے ہاتھ مین ہے، کیا اہل بنگال اس مشکل کے قفل کو کھولنے کو تیار ہین،

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی مرحوم کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ، جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے،

قیمت :- عہ ضخامت عہ صفحے،

منیجر

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمتِ حدیث

از

جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

"یہ مقالہ جس کا موضوع امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے تلامذہ کی خدمتِ حدیث ہے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اورنٹیل کانفرنس بنارس کے شعبۂ اسلامیات میں پڑھکر سنایا تھا"

خدمتِ حدیث میں ممالکِ اسلامیہ کا حصّہ

عالمِ اسلامی یکے بعد دیگرے باری باری خدمتِ حدیث کے فریضہ کو ادا کرتا رہا ہے اگر ایک وقت میں کسی ایک ملک نے کوتاہی کی تو دوسرے ملک نے قدم آگے بڑھایا اور خدمتِ حدیث کا حق ادا کرنے میں مشغول ہوگیا، اوّلاً سب سے زیادہ حصّہ ممالکِ عراقیہ نے خلافتِ عباسیہ کے ایامِ عروج میں لیا، ان ممالک نے جملہ علومِ شرعیہ وعقلیہ وادبیہ میں ترقی کی اور علومِ حدیث وفقہ کی سب سے زیادہ خدمت کی، علمائے عراق کے آثارِ باقیہ جواب تک چمک رہے ہیں، اس پر شاہد عدل ہیں، خلافتِ عباسیہ کے زوال کے بعد خدمتِ علومِ شرعیہ بالخصوص علمِ حدیث کی خدمت کا سہرا مصر کے سر رہا، مصر میں اسلامی سلطنت کے دونوں دور اس خدمت میں کامیاب رہے، سلاطین وخلفائے مصر نے جو عالیشان مدارس قائم کئے اور انھوں نے جس فراخ دلی سے اس پر روپیہ خرچ کیا وہ تاریخ میں ہمارے سامنے ہے، یہی نہیں بلکہ سلاطین وامرائے مصر نے علماء کے دوش بدوش خود بھی تحصیلِ علوم میں حصّہ لیا، ملک ظاہر برقوق نے امام اکمل الدین بابرتی سے فقہ حاصل کی اور صحیحین کی روایت کے لئے زمرۂ محدثین میں شامل ہوئے ابن ابی المجد جیسے بڑے بڑے عالی الاسناد محدثین کو دور دراز سے مصر بلایا تاکہ محدثین مصر کو اپنی سند عالی کرنے کا موقع ملے، سلطان المؤید صحیح بخاری کو سراج بلقینی سے

خود بلا واسطہ روایت کرتا ہے، حافظ ابن حجر نے الملک المؤید سے حدیث سُنی، اور اوس کو المعجم المفہرس مین اپنے شیوخ مین شمار کیا ہے، المؤید نے علامہ شمس الدین دیری کو جو المسائل الشریفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ کے مصنف ہین مصر بلایا، اور اہل مصر کو اُن سے استفادہ کا موقع دیا، ملک ظاہر حقمق نے ابن الجزری سے صحیح بخاری سنی اور بڑے بڑے صاحب اسناد محدثین کو مصر مین جمع کیا تاکہ اہلِ مصر ان کی روایات کو سنین، اون سے صحاح و مسانید کو حاصل کرین، مصر کا قلعہ ان علما، و محدثین کی تیامگاہ تھا، اسی مین طلبہ ان حضرات سے حدیث پڑھتے تھے، شاہی قلعہ کو دار الحدیث بنا دینے سے شانِ علم کی جس قدر عظمت و وقعت عام لوگون کے قلوب مین پیدا ہوئی ہو گی، اس کو خود ہی سمجھ لیا جائے، سلاطین و امرائے مصر کی اس توجہ اور رغبت علمی کی وجہ سے ساتوین آٹھوین نوین صدی مین مصر ہمار حدیث و فقہ و ادب کا مرکز بنا رہا، تاریخ علما، و محدثین مصر کے کارنامون کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے، مصر مین بکثرت علما، پیدا ہوئے، اونھون نے تمام علوم بالخصوص علم حدیث مین بڑا درجہ حاصل کیا، اور اس کثرت سے کتابین لکھین کہ نہ صرف مصر بلکہ تمام عالم اسلامی کو اُن پر ناز ہے، مصر مین یہ علمی ترقی دسوین صدی کے اوائل تک رہی، پھر سلطنت برجیہ کے زوال کے ساتھ یہ علمی نشاط روبتنزل ہونے لگا، بلکہ یون کہنا چاہیے کہ علمی تحقیقات کی بلند عمارت مین زلزلہ آگیا، دسوین صدی اور اوس کے بعد کے علمار کا موازنہ گذشتہ تین صدیون سے کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ اس وقت مصر میں علمی نشاط کس قدر پھیکا پڑگیا تھا،

خدمتِ حدیث مین سرزمین ہند کا اقدام

سنۃ اللہ کے موافق اب دوسرے ممالک نے قدم آگے بڑھایا، اور سرزمین ہند نے خدمتِ علم اور تحقیق حدیث مین نشاط کا ثبوت دینا شروع کیا، اس سے پہلے ہندوستان نے خدمتِ فقہ میں کافی حصہ لیا ہے، فتاوی تاتارخانیہ اور لباب المناسک وغیرہ اس کی شاہد ہین، خدمتِ علوم حدیث مین بھی ہندوستان برابر حصہ لیتا رہا، امام صغانی لاہوری (ف ۶۵۰ھ)[1] کی مشارق الانوار ہمارے سامنے ہے، مگر

---

[1] ھو حسن بن محمد الصغانی لاھوری فقیہ محدث اخذ من صاحب الھدایۃ بواسطۃ ولد کا عمر المرغینانی توجع اسانید اکابر ائمۃ الطریق مثل الشیخ فرید الدین الاجودنی والسلطان نظام الدین الدھلوی واکابر فقھاء الھند الیہ توفی سنۃ ۶۵۰ھ ۱۲ ظ

دور نشاۃ قرنِ عاشر سے شروع ہوتا ہے، جس میں علامہ محمد طاہر پٹنی (ف ۹۸۶ھ) کی مجمع البحار اور المغنی اور شیخ علی متقی (ف ۹۷۵ھ) کی کنز العمال آسمانِ علم حدیث پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکی ہین،

مجدد الف ثانی (ف ۱۰۳۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ گیارہوین صدی میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اشاعت حدیث و سنت اور تحقیق و حفظ علوم حدیث کا جذبہ اسلامیانِ ہند مین پیدا فرمایا، جس پر آپ کے مکاتیب شاہد عدل ہین، اسی کا یہ نتیجہ تھا جو ہم نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار احادیث حفظ تھین، سلاطین ہند مین علم حدیث کا یہ شوق و شغف اس سے پہلے نہین دیکھا گیا، فتاوی عالمگیریہ سلطان عالمگیر کے شغف علمی کی زندہ یادگار اب بھی ہمارے سامنے ہے، جس کی نظیر ممالک اسلامیہ نے بھی گیارہوین صدی سے اب تک پیش نہیں کی، ہم اس کو حضرت مجدد صاحبؒ کے برکات مین شمار کرتے ہین، مکاتیب مجددیہ کی عظمتِ شان کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ علامہ محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی مین ان سے استفاضہ کرتے اور جا بجا تفسیر آیات اور شرح احادیث مین ان سے مدد لیتے ہین، تفسیر روح المعانی کا درجہ اہلِ علم کی نظر سے مخفی نہیں ہے، ہمارے سامنے علمائے عراق کا یہ آخری شاندار کارنامہ ہے جس پر وہ جس قدر بھی ناز کرین بجا ہے،

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ف ۱۰۵۲ھ دسوین صدی ہجری کے آخر مین محدث ہند شاہ عبد الحقؒ حجاز سے علم حدیث حاصل کرکے دہلی تشریف لائے اور نشر و اشاعتِ حدیث پر توجہ فرمائی، مشکوٰۃ کا مقدمہ عربی مین لکھا، جو باوجود اختصار کے اصولِ حدیث مین بے نظیر ہے، مشکوٰۃ کی شرح عربی مین بنام لمعات و اشعۃ اللمعات فارسی مین لکھی جو آج تک محدثین کی آنکھین روشن کر رہی ہے، سفر السعادۃ کی شرح لکھی،

ماثبت بالسنۃ فی احکام الشہور والسنۃ تحریر فرمائی، جو اپنے باب مین سب سے پہلی اور آخری کتاب ہو، آپ کے صاحبزادے مولانا نور الحقؒ (ف ۱۰۷۳ھ) نے شرح بخاری اور شرح مسلم لکھی ہے، جو بہت مشہور ہین، زبدۃ التواریخ بھی آپ ہی کی تصنیف ہے جس میں عہد اکبری کے حالات بڑے منصفانہ انداز سے بیان کئے ہین (آپ کو شاہ

مولانا سلام اللہ حنفی نے جو شیخ ہی کی اولاد میں ہیں، موطا امام مالک اور شمائل ترمذی کی شرح لکھی، (مقدمۃ التعلیق الممجد)

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۱۷۶ھ)

بارھوین صدی کے شروع میں دار العلوم والحکمۃ یعنی شہر دہلی میں حجۃ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے، جن کی شان تحدیث وتجدید دین کا غلغلہ ہندوستان اور بیرونِ ہند عرب وعجم میں بلند ہوا جیسا کہ آپکے شاگردون کے سلاسل اور آپ کی تصانیفِ حدیث سے ثابت ہے، آپ نے ترویجِ حدیث کے لئے وہ راہیں اختیار کین، جن پر آپ سے پہلے ہندوستانی علماء کی توجہ نہ ہو سکی تھی،

علم حدیث کی سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک کی آپ نے دو شرحین عربی و فارسی مین المسوی والمصفی کے نام سے لکھین، یہ شرحین اگرچہ زیادہ مفصل نہیں، مگر نہایت وزن دار اور پُر مغز ہین، جو یقیناً موطا امام مالک کو سمجھنے کے لئے ایک سلیم العقل وصحیح الاستعداد کے لئے کافی ہین، شاہ ولی اللہ کی اوّلیات میں سے یہ ہے کہ آپنے درسِ قرآن کریم کے بعد درسِ موطا کو بقیہ کتب احادیث پر مقدم فرمایا، کیونکہ وہ اوّل تو ان سب سے پہلی ہے، و الفضل للمتقدم، دوسرے یہ کتاب مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر و افریقہ و اندلس وغیرہ جملہ بلادِ اسلام مین مقبول و مشہور اور متفق علیہ ہے، ہر زمانہ مین علمانے بکثرت اس پر کام کیا ہے، کسی نے موطا پر تخریج لکھی، کسی نے اوس کی احادیث کے متابعات و شواہد جمع کئے، کسی نے اس کے لغات کو حل کیا، مشکلات کو ضبط کیا، کسی نے اوس کے رجال کی تاریخ لکھی، کسی نے اوس کی بلاغات و موقوفات و مراسیل و مقاطیع کو متصل کیا، غرض موطا پر اس قدر کام ہو چکا ہے، کہ اوس سے زیادہ متصور نہین، صحیح بخاری و صحیح مسلم اگرچہ اوس سے زیادہ ضخیم اور مبسوط ہین، لیکن روایات حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز و تنقید کا راستہ، استدلال و استنباط کا طرز سب نے موطا ہی سے سیکھا ہے، تیسرے موطا میں وہ احادیثِ مشکلہ نہین ہین جن کے سمجھنے مین کسی مبتدی یا نومسلم کو دشواری پیش آئے، پس قرآن کے حصۂ احکام کو سمجھنے کے لئے موطا امام مالک کافی ہے،

موطا امام مالک کی یہ بھی خصوصیت ہو کہ اس پر فقہا رمجتہدین نے بھی کام کیا ہے، امام شافعیؒ نے موطا کو امام مالکؒ سے حاصل کیا، اپنی کتابون مین اس کی احادیث کی تحقیق کی، امام محمد نے بھی تین سال مدینہ منورہ رہ کر موطا کو امام مالک سے سنا، پھر موطای محمد اور کتاب الحجج میں اُس پر تحقیق و تنقید کی، یہ بات موطا امام مالک کے سوا کسی کتاب کو نصیب نہین ہوئی،

پس شاہ ولی اللہ کی راے یہ ہو کہ موطا امام مالک کتب حدیث کا متن ہے، بقیہ جملہ کتب اوسی کی شروح ہین، اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی صاحب انصاف انکار نہین کر سکتا،

شاہ ولی اللہ نے اپنی دوسری کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مین ان اسباب کو اچھی طرح واضح کیا ہے جس کی وجہ سے فقہا کے درمیان بعض مسائل اجتہادیہ مین اختلاف نظر آرہا ہے، اس کتاب کو سمجھ لینے کے بعد کسی کو یہ کہنے کی جرأت باقی نہین رہتی، کہ فلان مسئلہ مین فلان امام نے حدیث صحیح کی مخالفت کی ہے، اس کتاب سے تمام فقہا کی عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور باہمی نزاع کا شائبہ بھی باقی نہین رہتا،

حجۃ اللہ البالغہ وہ کتاب ہے، جس کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کا درجۂ امامت و تجدید عرب وعجم نے تسلیم کیا، یہ کتاب اپنے طرز مین بالکل جدید اور بے نظیر ہے، اس سے پہلے ایسی کتاب کسی مصنف نے نہین لکھی، اس کتاب کو صحاح ستہ کی شرح، فقہ اسلامی کا خلاصۂ مقاصد واسرار شریعت کا لب لباب حکمت وسیاست اسلامیہ کی تصویر کہنا چاہیے، اس کتاب سے ہندوستانی مسلمانون کی علمی تحقیقات کا سکہ تمام عالم اسلامی پر بیٹھ گیا، اور بارہوین صدی مین خدمت حدیث کا سہرا اون کے سر رہا،

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مین جس وسعت نظر اور تحقیق و تفتیش سے احادیث متعلقۂ خلافت کو جمع کیا گیا، اور جس خوبی سے مسئلۂ خلافت پر بحث کی گئی ہے، اس کی نظیر نہین مل سکتی علم حدیث مین آپ کی ایک چہل حدیث اور مسلسلات اور نوادر الحدیث الدر الثمین، شرح تراجم بخاری بے نظیر کتابین ہین،

حدیث نبوی کی تحریری خدمت کے ساتھ شاہ ولی اللہ نے تعلیمی اور درسی خدمت بھی جس خوبی سے انجام

دی ہے، اوس نے اسلامیان ہند مین درس حدیث کا نیا دروازہ کھول دیا، طالبانِ حدیث جوق جوق شاہ صاحب کے درس میں شریک ہوئے، اور سندِ حدیث لے کر اطرافِ عالم مین حدیث نبوی کی اشاعت کرنے لگے، اور اوس کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری ہے،

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ۱۲۰۵ھ شاہ ولی اللہ کے تلامذہ مین بڑی شخصیت کے عالم مین تاج العروس شرح القاموس آپ کے تبحر علمی وادبی کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر علماے عراق ومصر نے بھی ابتک پیش نہیں کی علم حدیث مین آپ کی وسعتِ نظر اور تبحر پر الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ روشن دلیل ہے،

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ شاہ ولی اللہ کے تلامذہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو اوس زمانہ کے علما نے بیہقی وقت کا خطاب دیا ہے، حفظ احادیث اور وسعت نظر میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے، جس پر آپ کی تفسیر مظہری شاہد عدل ہے، اس تفسیر مین اس کثرت کے ساتھ احادیث کو جمع کیا گیا ہے، کہ دیکھنے والے کو مصنف کی وسعت نظر پر حیرت ہوتی ہے، جملہ احادیث پر محدثانہ اصول سے کلام بھی بڑی خوبی سے کیا گیا ہے، جو ان کی شانِ تنقید کو واضح کرتا ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک پوری طبع نہیں ہوئی، چند اجزاء طبع ہوئے ہیں، اگر پوری طبع ہو جاتی، تو جس طرح تفسیر روح المعانی نے اس زمانہ مین اہل عراق کا سرِ افتخار بلند کر دیا ہے، تفسیر مظہری سے اسلامیانِ ہند کی خدمتِ حدیث وتفسیر کا جھنڈا بہت ہی بلند ہو جاتا خدا کرے مسلمانانِ ہند اس طرف توجہ کرین،

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ آپ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کے سچے جانشین فخر المحدثین زین المفسرین تھے، چراغ ہند آپ کا لقب تھا، ہندوستان مین علم حدیث کی ریاست آپ پر ختم تھی طالبین اطراف واکناف سے حدیث پڑھنے آپکے پاس آتے تھے، اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے، جملہ علوم عربیہ ادبیہ، شرعیہ وعقلیہ مین متبحر تھے، بستان المحدثین علم حدیث مین آپ کی وسعتِ نظر پر شاہد عدل ہے، ملفوظاتِ عزیزیہ سے آپ کی شان تحقیقِ حدیث واضح ہے، اصولِ حدیث میں عجالہ نافعہ بھی بہت مفید ہے، تفسیر فتح العزیز بے نظیر تفسیر ہوتی،

اگر تمام طبع ہو جاتی، مگر افسوس کہ ناتمام رہ گئی، اس کو دیکھکر تحقیقات کا ایک سمندر جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے، آپ کے تلامذہ بے شمار ہین، اور حدیث مین تمام اسانید ہند کا مرجع آپ ہی کی ذات ہے،

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی ۱۲۶۲ھ

آپ شاہ عبد العزیز صاحب کے نواسے اور علم حدیث مین اون کے سچے جانشین ہین، شاہ عبد العزیز کے بعد آپ ہی علم حدیث مین مرجع خلائق اور محدث اکبر تھے، مشکوٰۃ کا ترجمہ فارسی مین کیا، پھر نواب قطب الدین خان صاحب نے جو آپ کے اجل تلامذہ سے ہین، مظاہر حق کے نام سے اردو مین مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا، جو اہل علم کی نظر مین بہت بلند پایہ رکھتا ہے، معانی حدیث کی تحقیقات، متعارضات مین تطبیق بہت خوبی سے کی گئی ہے، شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ نے حواشی صحاح ستہ مین جا بجا شاہ صاحب کی تقریرین شرح حدیث کے متعلق نقل کی ہین، اون سے شاہ صاحب کی شان تحقیق اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے، اسی طبقہ مین شاہ ابو سعید مجددی دہلوی، مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی، حضرت مجدد ملت سید احمد صاحب بریلوی، شاہ عبد الغنی صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب کی خدمات بھی سلسلۂ ولی اللہی کی خدمت حدیث کی درخشان ستارے ہیں، ان سب حضرات نے اپنے درس وعمل سے ترویج حدیث واشاعت سنت مین اتنا شغف ظاہر کیا، جس سے شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ حدیث اطراف عالم مین پھیل گیا، شاہ عبد الحق محدث دہلوی کو ایسے آدمی مل جاتے، تو ان کا سلسلہ بھی اچھی طرح پھیل جاتا، مگر یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، حضرت سید صاحب بریلوی گو اہل علم کی طرح درس دینے والون مین نہین تھے، مگر ان کا عمل اور اتباع سنت سراسر درس حدیث تھا، ان کے عمل سے لوگون مین درس حدیث کی روح زندہ ہوتی تھی، جس پر تاریخ شاہد ہے،

شاہ اسحاق صاحب کے تلامذہ مین دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہین، ایک وہ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے، اور تقلید ائمہ کا انکار کرتے ہین، اور خود کو حنفی نہین کہتے، ان کا خیال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی نہین تھے، مگر یہ ایسی بات ہے جس کو شاہ ولی اللہ کی فیوض حرمین پر نظر رکھنے والا کبھی تسلیم نہین کر سکتا، اس سے کسی کو انکار نہین کہ شاہ ولی اللہ ہندوستان مین علامہ ابن الہمام کی نظیر تھے یعنی مقلد محقق تھے، وہ بعض مسائل مین

عام حنفیہ سے اختلاف بھی کرتے ہیں، مگر اس کا نام ترک تقلید نہیں بلکہ تحقیق فی التقلید ہے کہ وہ تحقیق کی ساتھ تقلید کرتے ہیں، نواب صدیق حسن خان صاحب امیر جماعت اہلِ حدیث اپنی کتاب الحطہ میں فرماتے ہیں،

ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ
قد بنی طریقۃ علی عرض المجتہدات	اختیار کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ کو قرآن
علی السنۃ والکتاب وتطبیق الفقہیات	وحدیث پر پیش کرتے ہیں، اور مسائل فقہیہ
بہما فی کل باب، الی قولہ وھذا	کو ہر باب میں قرآن وحدیث سے مطابقت
کلہ مذہب حنفی الخ	دیتے ہیں، .... اور ان کا یہ تمامتر
	طریقہ مذہب حنفی ہی ہے،

مولانا محمد حسن بہاری تیمی نے الیانع الجنی ص ۹ میں شاہ عبد الغنیؒ شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ عبد العزیزؒ، شاہ ولی اللہؒ چاروں کو حنفی المذہب بتایا ہے، شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبد الرحیمؒ ان علماء میں ہیں جو فتاوی عالمگیری کی تدوین پر مامور تھے، شاہ ولی اللہ کے اجل تلامذہ میں سے آپ کے جانشین شاہ عبد العزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سید مرتضی بلگرامی زبیدی جو تبحرِ حدیث وغیرہ میں اعلی پایہ رکھتے ہیں، سب حنفی تھے، شاہ عبد العزیز، شاہ محمد اسحاق، اُن کے جانشین شاہ عبد الغنی مجددی سب حنفی ہیں، پس جس کے اصول وفروع سب حنفی ہوں، اس کے متعلق یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہو کہ وہ خود حنفی نہ تھا، درمیان کلام میں اس خاص نکتہ پر اشارہ کرکے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ میں اُن لوگوں نے بھی جو اپنے کو حنفی نہیں کہتے، ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت بہت کچھ کی ہے، مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم کا درسِ حدیث مشہور ومعروف ہے، صدہا علماء آپ سے فیضیاب ہوئے، جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، نواب صدیق حسن خان نے مشکوٰۃ پر فصل رابع کا اضافہ فرمایا، بلوغ المرام کی متعدد شرحیں لکھیں، الروضۃ الندیہ کی شرح لکھی، عون الباری کے نام سے ادلہ بخاری کی بھی شرح لکھی، کتاب الحطہ علی الصحاح الستہ اور ابجد العلوم انکی بے نظیر تالیفات ہیں، انھوں نے کتب نادرہ علم حدیث کی اشاعت بھی خوب

کی ہے، علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود تصنیف کی، ان کے بڑے بھائی علامہ ابو الطیب نے غایۃ المقصود بہت ضخیم کئی جلدوں میں تصنیف کی، جو افسوس ہے پوری طبع نہیں ہوئی، اعلام العصر بھی بہت تحقیق کے لکھی گئی ہے، قریب زمانہ میں مولانا عبد الرحمن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی بڑی قابلیت سے لکھی ہے، یہ بھی سب کی سب سلسلۂ ولی اللّٰہی کی خدمت حدیث میں داخل ہے، سے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے　　اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

ان حضرات کی خدمت حدیث پر اجمالی اشارہ کرکے میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کی دوسری شاخ کی خدمات حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جو اپنے کو حنفی کہتے ہیں، میری نظر میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کو علم حدیث کی روشنی سلسلۂ ولی اللّٰہی سے پہونچی، مگر وہ اپنے کو اس سلسلہ سے الگ ہی رکھنا پسند کرتے ہیں، اس لئے میں نے بھی ان کا تذکرہ پسند نہیں کیا، ومنہم صاحب صحیح البہاری وتسمیتہ بالصحیح مصداق المثل السائر برعکس نہند نام زنگی کافور فقد جمع فیہ کثیرا من الضعاف بل ومن الموضوعات،

شاہ عبد الغنی محدث مجددی دہلوی م ۱۲۹۶ھ ابو حنیفہ عصر بخاری دہر حجۃ المحدثین شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اپنے والد شاہ ابو سعید سے حدیث و تفسیر پڑھکر شاہ اسحاق صاحب سے حدیث حاصل کی، پھر مہاجر مدنی ہوکر شیخ عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی، اور سند حدیث حاصل کی، سنن ابن ماجہ کی شرح بنام انجاح الحاجۃ آپ کی بہترین تالیف ہے، جو ابن ماجہ کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے،

مولانا شیخ احمد علی محدث سہارنپوری م ۱۲۹۷ھ آپ شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ سے ہیں، مکہ مکرمہ میں شاہ صاحب سے کتب حدیث پڑھیں، پھر ہندوستان واپس آکر درس حدیث کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی بنیاد ڈالی، جو اب تک قائم اور روز افزوں ترقی پر ہے، صدہا علما اوس سے فیضیاب ہوکر اطراف عالم میں اشاعت حدیث و قرآن کی خدمت بجالا رہے ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہونچ چکی ہے، پھر ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کو شمار کیا جائے تو ہزاروں تک نوبت پہونچے گی، مولانا احمد علی نے درس حدیث ہی پر کفایت نہیں کی

بلکہ مطبع احمدی قائم کرکے کتب حدیث کو باحسن وجہ طبع کرکے خدمتِ حدیث کا حق ادا فرمایا، حق بات کو چھپایا نہیں جا سکتا، مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کو جس خوبی اور خوبصورتی اور صحت کاملہ کے ساتھ طبع فرمایا، انصاف یہ ہو کہ آج تک ممالک اسلامیہ مین سے بھی کسی ملک نے اوس کا جواب نہیں دیا، اور یہ بھی ہندوستان کو فخر ہے، کہ صحیح بخاری اور چند کتب حدیث مصر سے پہلے یہان طبع ہوئی ہین، اور غالباً یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ جس طرح فتح الباری بخاری شریف کی مفصل شرح مین بے نظیر ہے، جس پر مصر کو جس قدر بھی ناز ہو بجا ہے، اسی طرح مولانا احمد علی کا حاشیہ بخاری شریف مختصر شروح مین بے نظیر ہے، جس نے اسلامیانِ ہند کے سرِ افتخار کو بہت بلند کر دیا ہے، آج تک اختصار کے ساتھ ایسا جامع وزن دار پر مغز حاشیہ کسی نے بھی بخاری شریف پر نہیں لکھا، جس کے بعد حل بخاری کے لئے مطولات کی حاجت باقی نہیں رہتی،

مسئلۂ قرأت خلف الامام مین آپ کا رسالہ الدلیل القوی بھی مصنف کی وسعتِ نظر، اور تحقیق علوم حدیث کا آئینہ ہو،

قاری عبد الرحمن صاحب محدث پانی پتی

آپ نے فن تجوید کی ہندوستان مین بڑی خدمت انجام دی ہے، اسی کیساتھ علم حدیث مین بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، شاہ اسحٰق صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، اور بڑے بڑے علماء کو سندِ حدیث سے سرفراز فرمایا، جن مین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا حکیم الامتہ تھانوی کا نام لینا کافی ہے، اور بھی بہت علماء آپ سے فیضیاب ہوئے،

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم محدث بانی دار العلوم دیوبند ۱۲۹۷ھ

آپ نے شاہ عبد الغنی صاحب[۱] مجددی دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا، پھر قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی سے سندِ حدیث حاصل کی، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے بھی حدیث پڑھی، بخاری شریف کی تصحیح مین زیادہ کام آپ ہی نے کیا، اور مولانا احمد علی صاحب کے حاشیہ بخاری کے پانچ اجزاء کی تکمیل استاد کے ارشاد سے آپ نے ہی کی، بخاری کے یہ آخری پانچ اجزا بہت مشکل ہین،

---

[۱] مولوی امام خان نوشہروی نے مولانا محمد قاسم صاحب کو شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ کا شاگرد حدیث مین لکھا ہو یہ صحیح نہین، شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ کا انتقال اپنے سب بھائیون سے پہلے ہوا ہے، ان کو مولانا محمد قاسم صاحب کیونکر پا سکتے ہین، جنھون نے شاہ اسحٰق صاحب کو بھی نہین پایا، ۱۲، ظ

کتاب الاعتصام بالسنۃ کے بعض تراجم ابواب کی مناسبت حدیث سے بالکل معلوم نہین ہوتی، اسی طرح کتاب الرد علی الجہمیہ اور کتاب التوحید بھی آسان نہین ہین، انہی اجزا مین امام بخاری نے قال بعض الناس کہکر حنفیہ پر اعتراضات بھی زیادہ کئے ہین، یہ مولانا محمد قاسم صاحب ہی کا حصّہ تھا، کہ ان دشوار گذار گھاٹیون کو ایسا آسان کر دیا ہے کہ اب کسی راہ رو کے لئے کچھ دشواری باقی نہین رہی،

مولانا نے اپنی کتاب ہدیۃ الشیعہ مین کتب حدیث کے طبقات اور اصولِ تنقید کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے، اس کو دیکھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اصول تنقید و قواعدِ تطبیق کو آپ سے بہتر کسی نے نہین سمجھا، مولانا بڑے دعوی کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ اقوالِ ابی حنیفہ کو حدیث کے موافق ثابت کرنے کا مین ذمہ لیتا ہون لیکن تخریجاتِ فقہاء کا مین ذمہ دار نہین (سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ) جن لوگون نے مولانا کی تقریر درسِ حدیث مین سنی ہے، وہ اس کے شاہد ہین، کہ واقعی مولینا اقوالِ ابی حنیفہ کی تقریر ایسی کرتے تھے، جس کے بعد وہ بالکل حدیث کے موافق نظر آتے تھے، حدیث کو قولِ ابی حنیفہ کے مطابق نہین کرتے تھے کہ اس کا خلافِ ادب ہونا ظاہر ہے، بلکہ قولِ ابی حنیفہ کو حدیث کے مطابق کر دیا کرتے تھے،

چونکہ مولانا کے زمانہ مین بعض لوگ مذہبِ اسلام پر اعتراض وطعن کے لئے میدان مین اتر آئے تھے، اس لئے مولانا کو اپنا زیادہ وقت ان کی مدافعت مین صرف کرنا پڑا، اور دنیا گواہ ہے کہ مولانا کو اس مین جیسی کامیابی حاصل ہوئی، وہ آپ ہی کا حصّہ تھی، جس کو تائیدِ غیبی کہنا اصلاً مبالغہ نہین، مولانا کی کتاب حجۃ الاسلام، مباحثۂ شاہجہانپور، قبلہ نما، تقریر دلپذیر وغیرہ اس پر شاہد عدل ہین، اسلئے گو آپ نے خدمتِ علم حدیث کے لئے تحریری کام زیادہ نہین کیا، مگر آپ کا بڑا کارنامہ جو تمام سلسلۂ ولی اللہٰی کے تحریری کارنامون سے زیادہ وزنی ہے یہ ہے کہ آپنے دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈال دی، جس مین اس وقت سے اب تک ہر سال دورۂ حدیث تمام ہوتا ہے، دار العلوم دیوبند کا نور برابر چمکتا اور بڑھتا رہا، یہان تک کہ اس کی شعاعین ہندوستان سے گذر کر سماٹرا، جاوہ اور مشرقِ اقصیٰ مین چین تک پہونچ گئین، اور جنوبی افریقہ، بلاد افغان وایران ومصر وشام وعرب تک اس کی

علمی تحقیقات کا جھنڈا بلند ہو گیا، آج دار العلوم دیوبند کو بجا طور پر ازہر الہند کا لقب دیدیا گیا ہے، جن علماء نے اس درس گاہ سے صرف دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی، اون کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے، اور جو تمام علوم شرعیہ عقلیہ و نقلیہ میں اس درس گاہ سے کامیاب ہوئے، ان کا شمار پانچ ہزار تک ہے، اور ان میں سے جو صاحب درس و تدریس ہوکر مفتاح العلوم بن گئے، ان کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں، دار العلوم دیوبند کے طلبہ کی تعداد ہر سال ڈیڑھ ہزار سے اوپر ہو جاتی ہے، اگر اسلامیان ہند اس درس گاہ پر ویسی ہی توجہ کرتے، جیسی اہل مصر نے جامع ازہر پر کی تو یقیناً اس کا پایہ اس سے بھی بہت زیادہ بلند اور عظیم الشان ہوتا، اس درسگاہ کے فارغین نے جن مدارس کی بنیاد اطراف ہندوستان میں قائم کی ہے ان کا شمار ایک ہزار سے زیادہ ہی ہے،

اور یہ تمام تر خدمت قرآن و حدیث مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے نامۂ اعمال میں داخل ہے اللّٰھم ارفع درجاتہ وتقبل حسناتہ ومتعنا بفیوضہ وبرکاتہ آمین، تاسیس دار العلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے انفاس قدسیہ کی اعانت بھی شامل حال تھی، اور ابتدا میں یہی تین حضرات اُس کے روح رواں تھے، مگر مؤسس اول مولینا محمد قاسم صاحب تھے،

مولانا شیخ محمد محدث تھانوی مولانا شیخ محمد اپنے زمانہ میں محدث کے لقب سے مشہور تھے، شاہ محمد اسحاق صاحب کے اوشد تلامذہ سے ہیں، جب آپ نے سلطان عالمگیر رح کے حافظ حدیث ہونے کا واقعہ بیان فرمایا، کہ ان کو بارہ ہزار حدیثیں حفظ تھیں، تو آپ کے ایک شاگرد نے پوچھا حضرت آپ کو کتنی حدیثیں حفظ ہیں، فرمایا، اپنی محفوظات پر نظر ثانی کرکے کل جواب دونگا، کیونکہ میں نے اب تک اپنی محفوظات کو شمار نہیں کیا، دوسرے دن فرمایا، کہ الحمد للہ مجھے چار ہزار حدیثیں حفظ ہیں۔ (سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ) سنن نسائی پر آپ کا حاشیہ مطبع مجتبائی میں طبع ہو چکا ہے، جس میں زیادہ تر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی تحقیقات و تقریرات جمع کی گئی ہیں،

مولانا شیخ عبدالقیوم بھوپالی بڈھانوی ۱۲۹۹ھ

آپ بھی شاہ اسحاق صاحب کے اجلۂ تلامذہ سے ہین، اوران کے داماد بھی ہین، ساری عمر درسِ حدیث مین گذری، بڑے بڑے علمانے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی، مسلسلات شاہ ولی اللہ کی سند علمار کو آپ سے ہی پہونچی، آپ بھوپال سے علیل ہوکر جب اپنے وطن تشریف لے گئے، تو جماعت طلبہ بھی ساتھ تھی، جو آپ سے بخاری شریف پڑھ رہے تھے، راستہ مین مرض بڑھ گیا، اور کچھ دنون بنارس مین آپنے قیام فرمایا، اس حالت میں بھی درسِ حدیث جاری رہا، سرزمین بنارس کو یہ شرف حاصل ہے، کہ ایک قدسی صفات محدث نے اوس میں کچھ دنون درسِ حدیث دیا ہے، یہان سے وطن کو روانہ ہوئے تو مرض موت کے آثار راستہ مین شروع ہوگئے، جس وقت آپ اپنے مکان کے دروازہ پر پہونچے ہین، تو بخاری شریف کی آخری حدیث کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم آپ کی زبان پر تھی کہ نزع روح شروع ہوگیا، فوراً مکان کے اندر لیجایا گیا، اور روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی[۱]، انا للہ وانا الیہ راجعون اس ایک واقعہ سے ہی آپ کا شغفِ حدیث ظاہر ہے،

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی مدرس اول ومحدث مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۰۲ھ

علم حدیث مولینا شیخ رشید الدین دہلوی اور مفتی صدر الدین دہلوی اور شاہ اسحٰق صاحب سے حاصل کیا، جملہ علوم شرعیہ نقلیہ وعقلیہ کے ماہر تھے، علم فقہ مین مرجع خلائق تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے محدث اعلیٰ تھے، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی آپ سے بعض کتب ابتدائیہ پڑھی ہین، انتقال کے وقت بوجہ حدیث نبوی "المومن یموت بعرق الجبین" بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے، جب پسینہ نمودار ہوا تو خوشی سے چہرہ کھل گیا، اور اس خوشی کے عالم مین انتقال فرمایا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

نادرۃ الزمان مولانا ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی ۱۳۰۴ھ

آپ سلسلۂ ولی اللٰہی کے مایۂ ناز محدث فقیہ، اصولی، معقولی مورخ محشی، اور بہترین مصنف تھے، تھوڑی عمر میں اتنا کام کیا ہے، کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوجاتی ہے، تمام علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ وآلیہ مین آپ کی تالیفات موجود ہین، کتب درسیہ پر حواشی بھی

---

[۱] مولوی امام خانصاحب نوشہروی نے آپ کی وفات بھوپال میں لکھی ہے، جو صحیح نہین، ۱۲ ط

بکثرت ہیں، تالیفات کے ساتھ شغلِ درس بھی جاری تھا، اور یہ سب خدمات ۴۷ سال کی عمر میں انجام دیکر دار البقا میں پہونچ گئے، آپ نے علم حدیث اپنے والد صاحب سے حاصل کی، ان کو حدیث کی اجازت شاہ عبد الغنی دہلوی مہاجر مدنی اور مولینا حسین علی محدث ملیح آبادی تلمیذ شاہ عبد العزیز دہلوی سے حاصل ہے، پھر مولینا عبد الحی صاحب نے شاہ عبد الغنی صاحب سے خود بھی بذریعہ خط کے اجازت حاصل کی، آپ کی تالیفات حدیث میں التعلیق الممجد علی الموطا محمد بہت لاجواب ہے، جس کے مقدمہ میں تاریخ علم حدیث پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے علم رجال میں الفوائد البہیتہ فی طبقات الحنفیہ بے نظیر ہے، امام الکلام فی القرأۃ خلف الامام ظفر الامانی السعی المشکور، تذکرۃ الراشد، تراجم علمائے ہند، سعایہ وغیرہ مصنف کی وسعتِ نظر اور شان تحقیق کی روشن دلیلیں ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ من عندہ آمین، سعایہ اگر پوری ہو جاتی تو حدیث و فقہ کا بحر زخار ہوتا،

مولانا محمد حسن صاحب اسرائیلی سنبھلی ۱۳۰۵ھ آپ مولانا عبد الحی لکھنوی کے قابل تلامذہ میں تھے، علم حدیث سے خاص مناسبت تھی، مسند امام ابو حنیفہ کا حاشیہ تنسیق النظام، اور اس کا مقدمہ آپ کی حدیث دانی اور وسعتِ نظر کا نظر آئینہ ہے، تغمدہ اللہ برحمتہ و رضوانہ شرح معانی الآثار طحاوی کی تصحیح و تحشیہ میں بھی مولانا وصی احمد صاحب کے ساتھ آپنے کام کیا ہے،

مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آپ مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، سنن ابی داؤد پر آپ کا حاشیہ التعلیق المحمود کے نام سے طبع ہو چکا ہے، یہ حاشیہ اسی شان کا ہے جیسا مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری پر ہے، آج تک ابی داؤد کا ایسا نفیس اور جامع حاشیہ نہیں دیکھا گیا، یہ بھی سلسلۂ ولی اللّٰہی کی خدمتِ حدیث کا بہت بڑا کارنامہ ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی آپ نے علم حدیث شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا، دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس اول اور محدث آپ ہی ہیں، صدہا علماء نے آپ سے سند حدیث حاصل کی، جن میں سے مولانا حکیم الامۃ تھانوی کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب کی تحقیقات حدیثیہ کا اندازہ حضرت حکیم الامۃ

کی تصانیف سے بخوبی ہو سکتا ہے، آپ کو علمِ حدیث کے علاوہ علمِ تفسیر و ذوقِ عربیت بھی بدرجۂ کمال حاصل تھا، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کو باوجود کمالِ ادب دانی و تبحر فی العربیۃ کے اعتراف تھا کہ تفسیرِ بیضاوی جیسی مولانا محمد یعقوب صاحب پڑھاتے ہیں میں نہیں پڑھا سکتا،

قطب زمان مولانا شاہ فضل الرحمن محدث گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۵ھ آپ بھی شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، آپ کی ساری عمر درسِ حدیث میں گذری ہے، بڑے بڑے علمانے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی ہے، جن میں سے مولانا محمد علی صاحب مونگیری اور حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا نام لینا ہی کافی ہے، آپ سے بھی صدہا علما فیضیاب اور علو اسناد کے ساتھ کامیاب ہوئے، آپ کی اسانید حدیث میں مستقل رسالہ طبع ہو چکا ہے،

محدث بہار مولانا ظہیر حسن شوق نیموی رح ۱۳۲۲ھ آپ مولانا عبد الحی لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کے قابلِ فخر محدث ہیں، آثار السنن کی دو جلدیں مع حاشیۃ التعلیق الحسن آپ کی حدیث دانی تبحر علمی اور وسعتِ نظر اور شانِ تحقیق پر شاہد ہیں، افسوس یہ کتاب پوری نہ ہوئی، ورنہ اپنے باب میں بے نظیر ہوتی، رحمہ اللہ وتغمد لا یغفرانہ،

(باقی)

تاریخ دولتِ عثمانیہ

(حصہ اول)

اس میں عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک سلطنتِ عثمانیہ سے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے اس سے زیادہ مستند اور محققانہ تاریخ اس عظیم الشان سلطنت کی اردو زبان میں اب تک نہیں لکھی گئی ہے ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت صر

حصہ دوم

محمود ثانی سے لیکر جنگ عظیم تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے ضخامت ۴۸۲ صفحے قیمت صہ **منیجر**

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۲)

نمک کا مسئلہ گذشتہ بالا عبارتوں سے جہاں اور باتیں ثابت ہورہی ہیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ نمک کی کان بھی پبلک کا مشترک سرمایہ ہے، نہ وہ انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور نہ حکومت اس پر کوئی محصول عائد کرسکتی ہے، اور اس بنا پر بعض علما، نے ہندوستان میں پچھلے دنوں یہ عام فتویٰ دیدیا تھا کہ اسلامی حیثیت سے نمک سازی پر محصول لگانا یا حکومت کو نمک بنانے سے لوگوں کو روکنا جائز نہیں ہے، مجھے سیاسی مصالح سے بحث نہیں، لیکن علما کے متعلق یہ ضرور خیال آتا ہے کہ مسئلہ کو ہمیشہ اس کے تفصیلات کے ساتھ پبلک میں پیش کرنا ان کی دیانت کا اقتضا ہونا چاہئے، نمک کی ایسی کانیں جن میں مندرجۂ بالا صفات پائے جاتے ہوں یعنی (۱) لوگوں کی رسائی بلا خرچ نمک تک ہوتی ہو (۲) عام لوگوں کی آمد و رفت اس کان تک لگی ہوئی ہو، اور لوگ اوس سے نفع اٹھا رہے ہوں، بلاشبہہ نمک کی ایسی کانوں کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر وہی ہے لیکن اگر بجائے اس کے صورتِ حال یہ ہو کہ

بکان لقرب الساحل موضع اذا | سمندر کے کنارے کوئی ایسی جگہ ہو کہ جب

حصل فيه الماء صار ملحا،

سمندر کا پانی اس میں آکر جمع ہو جائے، تو نمک بن جاتا ہو،

تو اس کے متعلق فقہاء کا عام فتویٰ یہ ہے کہ

ملك بالاحياء وللامام اقطاعه،

تو اس کا آدمی مالک ہو جاتا ہے احیاء (آبادی) کے ذریعہ سے بھی، اور امام (حکومت) اس کو افراد کی جاگیر میں بھی دے سکتا ہے،

اس قسم کی زمینوں کی احیاء یا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

تهيئته لما يصلح له من حفر ترابه وتمهيده وفتح قناة اليه تصيب الماء اليه

جس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کے لئے اس کو تیار کرنا، یعنی اوس کی مٹی کھودنی، اس کو کشادہ کرنا، سمندر سے نالی نکال کر اوس کو گڑھے تک لانا، تاکہ سمندر کا پانی اس میں آکر گرے،

نمک بنانے کے لئے سمندر کی ساحلی زمینوں کو بندوبست کرنے کا حکومت کو اختیار کیوں ہے، اور ان میں انفرادی ملکیت کیوں پیدا ہو جاتی ہے، اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ

لانه لا يضيق على المسلمين باحداثه بل يحدث نفعه بفعله فلم يمنع منه كبقية الموات، (المغنی ج۶ ص۱۵۸)

کیونکہ سمندر کے کنارے اس قسم کے کارخانے کے قائم کرنے سے مسلمانوں میں کوئی تنگی نہیں پیدا ہوتی، بلکہ اس زمین کا نفع آباد کرنے والے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے، پس اس کو اس فعل سے نہیں روکا جائیگا، جیسے موات کی دوسری زمینوں کے آباد کرنے سے نہیں روکا جاتا ہے

اور غالباً ہندوستان میں نمک سازی کا جو مسئلہ پیدا ہوا تھا، وہ یہی صورت تھی،

عام معدنیات کا حکم | اور صرف نمک ہی نہیں، بلکہ اس کے سوا بھی جن معدنی امور کا ذکر کیا گیا ہے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہو سکتی، اس حکم کو بھی ہر قسم کی کانون کے لئے عام حکم نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ حکم ان ہی معدنی چیزون تک محدود ہے جو خود بخود باہر آگئی ہوں اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہوں ورنہ ایسے معادن جن کو فقہی اصطلاح میں معادن باطنہ کہتے ہیں، اور جن کی تعریف شرح کبیر میں یہ کی گئی ہے،

ھی اللتی لا یوصل الیھا الا بالعمل والمؤنۃ، (ص ۱۵۷ جلد ۶)	یہ ان کانون کو کہتے ہیں جن کی پیداوار تک رسائی بغیر عمل اور مشقت و محنت کے نہیں ہو سکتی،

پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے

لم تکن ظاھرۃ فحفرھا انسان واظھرھا،	یعنی ابتداءً قدرتی طور پر وہ معدن ظاہر نہ تھا پھر کسی نے کھود کر اس کو نکالا اور نمایان کیا،

اس قسم کے معادن کی مثال میں حسب ذیل چیزون کا ذکر کیا جاتا ہے،

کمعادن الذھب والفضۃ والرصاص والبلور،	جیسا کہ سونے، چاندی، سیسہ، بلور وغیرہ کی کانون کا حال ہے،

بہرحال ایسے معادن جن سے انتفاع بغیر عملی جد و جہد اور مصارف کے نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں، اگرچہ بعض فقہا ان میں بھی انفرادی ملکیت کے قائل نہیں ہیں، ان کا مذہب ہو کہ حکومت کسی انفرادی شخصیت کے ساتھ ان کو بھی بند و بست نہیں کر سکتی، لیکن صاحب مغنی نے لکھا ہو کہ

والصحیح جواز ذالک،	درست یہی ہو کہ ان کانون کا بند و بست کرنا جائز ہے،

یعنی انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور حکومت کو اس کا اختیار ہے کہ کسی واحد شخص کے ساتھ اس کو بند و بست کر دے "جواز" کے ثبوت میں ابوداؤد کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث
اقطع البلال بن حارث معادن	کو قبلیہ کے معادن خواہ پست علاقون مین ہون
القبلیۃ جلسیہا وغوریہا،	یا بلند قطعات مین، بطور جاگیر کے عطا فرمایا،

اس سے ثابت ہوا کہ صرف جامد معادن ہی نہین بلکہ سیال معادن مثلاً پارہ، پٹرول تار کول وغیرہ ایسے معادن جن کے کھودنے اور نکالنے مین مصارف اور محنت پڑتی ہے وہ انفرادی ملکیت بن سکتے ہین، اور حکومت ان کو بندوبست کرسکتی ہے، لیکن حکومت کو ان معدنی پیداوارون پر کسی قسم کے محصول عائد کرنے کا بھی حق ہے ؟ یا بغیر کسی ڈیوٹی کے ملک کے باشندے اُن سے مستفید ہوسکتے ہین اس سوال کا تفصیلی جواب تو آیندہ حکومت کی آمدنی کے ذیل مین دیا جائے گا، لیکن اسلامی معاشیات کی وسعت نظری کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے غالباً اس مسئلہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا، جو فقہ کی عام کتابون مین پایا جاتا ہے، ابن ہمام فتح القدیر مین لکھتے ہین :-

اعلم ان مایستخرج من المعدن	کانون سے جو چیز نکلتی ہے، وہ تین قسم کی
ثلاثۃ انواع جامد یذوب	ہوتی ہے، ایسی جامد چیزین جو گھل سکتی ہون، اور
وینطبع کالنقدین والحدید وجامد	چھاپ قبول کرسکتی ہون مثلاً سونے چاندی لوہے
لاینطبع کالجص والنورۃ والکحل	وغیرہ کا جو حال ہے، دوسری قسم وہ ہے جو جامد
والزرنیخ وسائر الاحجار کالیاقوت	اور غیر سیال تو ہو لیکن چھاپ قبول نہ کرسکتی ہو،
والملح وما لیس بجامد کالماء	مثلاً گچ، چونے، سرمہ، ہڑتال، بلکہ ان تمام
والقیر والنفط،	چیزون کا حال ہے جن کا شمار پتھروں کے ذیل
(فتح القدیر ج ۱)	مین کیا جاتا ہے، مثلاً یاقوت، نمک، تیسری
	قسم وہ ہے جو جامد نہ ہو، بلکہ سیال ہو مثلاً
	پانی تارکول مٹی کا تیل،

ان تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد آیندہ جو چیز انھوں نے لکھی ہے، دنیا کی حکومتوں کی شاید اس سے آنکھیں کھل جائیں، اور موجودہ حکومتوں کی رعایا میں کسی حکومت کے اس نقطۂ نظر کو سن کر معلوم نہیں کس قسم کے جذبات تلاطم ہونے لگیں، ابن ہمام نہایت سادگی کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک

لا یجب الخمس الا فی الاول، — خمس (پیداوار کا پانچواں حصہ) صرف پہلی قسم سے حکومت وصول کر سکتی ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قسم اول کے سوا اور تمام معدنی پیداوار ہر قسم کے محصول سے آزاد ہیں، اور یہ تو امام ابو حنیفہ کا خیال ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ہے، کہ

وعند الشافعی لا یجب الا فی النقدین، — بجز سونے چاندی کے اور کسی چیز پر خمس واجب نہیں ہے،

اگرچہ اس مسئلہ کے متعلق بعض تفصیلات ہیں، جن پر بحث کا یہاں موقع نہیں، بالفعل اتنا اجمالی بیان کافی ہو سکتا ہے،

حدیث "الناس شرکاء" میں جن جن چیزوں کو پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا گیا ہے، اب تک اس کے پہلے جزء "الماء" اور اس کے متعلقات کی گویا یہ تفصیل تھی، باقی دو جزء اور رہ گئے، یعنی "الکلاء" اور "النار" اب ان کے متعلق مسائل کی تشریح کیجاتی ہے،

الکلاء (گھاس) کے مسائل کی تفصیل

حدیث میں چونکہ "الکلاء" کا لفظ آیا ہے، اس لئے اس کی تحقیق ہونی چاہئے، کہ الکلاء کے لغوی معنی کیا ہیں، صاحب مغرب نے اپنی کتاب فقہی لغات میں اس لفظ کو لیا ہے، اور اس پر ایک طویل بحث کی ہے، امام محمد کا قول تو یہ نقل کیا ہے، کہ

الکلاء ما لیس لہ ساق وما قام علی ساق لیس بکلاء، — "الکلاء" ایسی نباتی چیز کا نام ہے جو تنہ پر قائم نہ ہو، اور جو تنہ پر قائم ہو وہ کلاء نہیں ہے

ساق" اور تنہ پر جو نباتات کھڑے ہوتے ہیں، ان کی مثال میں "عوسج" اور "غرقد" وغیرہ جنگلی درختوں کو شریک کیا ہے لیکن مطرزی صاحب مغرب نے خود اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے:-

والظاهر انه يقع على ذا ساق وغيرہ — بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کلاء کا اطلاق تنے والے اور بے تنہ دونوں قسم کے نباتات پر ہوتا ہے

وجہ یہ بیان کی ہے کہ فقہاء "الکلاء" کی شرح میں عموماً یہ کہتے ہیں کہ

لما ترعاه الدواب رطبا كان او يابسا — جنھیں عموماً چوپایے چرتے ہیں خواہ خشک حالت میں یا تر،

مطلب یہ ہے کہ چونکہ جانور عموماً بے تنہ والی گھاسوں کو بھی چرتے ہیں، اور بعض تنہ رکھنے والے جنگلی جھاڑ مثلاً ببول، عوسج، غرقد وغیرہ کی پتیاں بھی چرتے ہیں، اس سے "الکلاء" کو بجائے گھاس کے ہر اس نبات کے لئے عام رکھنا چاہئے، جسے جانور چرتے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے ابو عبید کی کتاب الاموال سے بھی اپنی تائید میں بعض چیزیں نقل کی ہیں، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، چاہئے کہ اپنے بھائی کو پانی اور شجر (درخت) میں گنجایش دے، اور اس درخت سے مراد وہی چرے جانے والے درخت ہی ہو سکتے ہیں، البتہ "الکلاء" کے بجائے یہاں الشجر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ حکم گھاس اور ان درختوں کو بھی عام ہے جنھیں چوپائے اور مویشی چرتے ہیں، نیز ایک مشہور حدیث "حمی" (رکھت) کے باب میں ہے کہ اُمیۃ بن حمال نے اراک (پیلو) کے متعلق دریافت کیا، کہ اس کو حمی (رکھت) یعنی اپنے اونٹوں کے لئے اس کے جنگل کو کوئی مخصوص کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مالم تنله اخفاف الابل، — ہاں، اگر اونٹوں کے قدم اگر وہاں نہ پہنچے ہوں، تو جائز ہے،

ابو عبید نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حکم پیلو کے ان درختوں سے متعلق ہو سکتا ہے جو کسی کی مملوکہ

اراضی مین ہون یعنی مملوکہ زمین کے پیلو کو بھی محض اپنے مویشیون کے لئے کوئی مخصوص نہیں کرسکتا، کیونکہ غیر مملوکہ زمین کے پیلو کو حمی (رکھت) بنانے کا تو کسی کو کیا اختیار ہے خواہ وہ دور کے ہون یا قریب کے ہون، اونٹون کی دسترس سے باہر ہون یا نہ ہون، پس مطلب یہی ہوسکتا ہے، کہ مملوکہ زمین کے پیلو کو بھی رفاہت عامہ کے خیال سے حمی نہ بنانا چاہئے، اوراس سے یہ ثابت ہوا کہ "الکلاء" کا لفظ تنہ دار اور غیر تنہ دار ہر قسم کی چری جانے والی روئیدگیون کو عام ہے اور یہی واقعہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود مویشیون کی چرائی میں سہولت پیدا کرنی ہو شریعت کا مقصد ہے کہ اس قسم کی چیزون کو حتی الوسع پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا جائے، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں چراگاہوں کی چند مثالین بیان کی ہین

(۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ کسی گاؤن یا آبادی کی کوئی چراگاہ اور جنگلی جھاڑ اور گاؤن کا کوئی خاص باشندہ اس زمین کا مالک نہین ہو بلکہ

قد عرفت انہا لہم فہی لہم علی حالہا،	عموماً یہ مشہور و معروف ہو کہ فلان چراگاہ (یا جنگلی جھاڑیان) فلان گاؤن والوں کی مین ہیں، وہ انہی لوگون کی اپنے حال پر رہینگی

اور گاؤن والون کی اس زمین مین اجمالی ملک ثابت ہوگی، اب دیکھا جائے گا کہ اس گاؤن کے باشندون کی مویشیون وغیرہ کے لئے کوئی دوسری چراگاہ یا کچھ رمنہ وغیرہ ہے، یا نہین اگر ہے تو ایسی صورت مین

لیس لہم ان یمنعوا الکلاء والماء ولا صحاب المواشی ان یرعوا تلک المروج ولیستسقوا من تلک المیاہ،	گاؤن والون کو اس کا حق نہ ہوگا کہ عام مویشی والون کو اس قسم کی چراگاہون اور رمنون مین چرائی سے روکیں، اسی طرح مویشی والون کو اس کا بھی حق ہے، کہ یہان جو پانی ہو، اس سے استفادہ کرین (خود پئیں، جانورون کو پلائیں)

لیکن اگر یہ شکل نہیں ہے بلکہ

لم یکن لاھل ھذا القریۃ الذین لھم ھذا المروج وفی ملکھم موضع مسرح ومرعی لدوابھم ومواشیھم غیر ھذا المروج

اس گاؤن والون کے لئے جن کی یہ چراگاہین ہین، ان کیلئے بجز ان کے چرائی کی کوئی دوسری جگہ نہ ہو، اور نہ کوئی دوسری چراگاہ ہو جس مین ان کے جانور اور مویشی چر سکتے ہون،

اور اس کے ساتھ صورت حال یہ ہو کہ

متی اذنوا الناس فی رعی تلک المروج والاحتطاب منھا اضر ذالک بھم وبمواشیھم ودوابھم

اگر عام لوگون کو ان زمینون اور چراگاہون مین چرانے اور ہر شخص کو لکڑی کاٹنے کی اجازت دیوین گے، تو یہ بات ان کے لئے اور ان کی مویشیون وچوپایون کے لئے

تو نقصان رسان ہو

قاضی ابو یوسف کا ایسی حالت مین یہ فتوی ہے کہ

کان لھم ان یمنعوا کل من اراد ان یرعی فیھا او یحتطب منھا،

اس قسم کے گاؤن کے باشندون کو اس کا حق ہے کہ عوام کو اپنی چراگاہون مین چرانے سے روکین، اور اس سے منع کرین کہ کوئی اسکی جھاڑیون سے لکڑی کاٹے،

بہرحال حدیث نے "الکلاء" کو جب پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا ہے، تو ایسی صورت مین انفرادی ملکیت تو اس پر طاری نہیں ہو سکتی، لیکن اشتراک مین کچھ حدبندی اس وقت ہو سکتی ہے، جب دوسرے گاؤن والون کی شرکت سے خود اس گاؤن والون کا نقصان ہو جن کی طرف یہ چراگاہ منسوب ہے، اور یہ حال تو ان چراگاہون کا ہے جن کی زمین کسی شخص کی واحد ملکیت نہین ہے، بلکہ یا تو ان کا کوئی مالک ہی نہین ہے یا سارے گاؤن کی ...

ملکیت مشترکہ ہے، لیکن اگر کسی شخصی اور انفرادی ملکیت والی زمین میں "الکلاء" ہو تو باوجود زمین کے مالک ہونے کے الکلاء کا وہ قانوناً مالک نہیں ہے، بدائع میں ہے،

اما الکلاء الذی ینبت فی ارض مملوکۃ فھو مباح غیر مملوکۃ، "الکلاء" (گھاس) جو کسی مملوکہ زمین میں ہو، (تو اس سے استفادہ کا حق ہر شخص کو حاصل ہے) یعنی مباح و جائز ہے، اور اس الکلاء کا کوئی مالک نہیں ہے،

اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو پانی کا ہے، کہ اگر اس الکلاء کے سوا لوگوں کو اپنی مویشیوں کے لئے چرائی نہ میسر آسکتی ہو، تو پبلک کا حق ہے کہ اس کو مجبور کریں کہ ان کے مویشیوں کو اپنی زمین میں آنے دے یا گھاس کٹوا کر لوگوں کے حوالہ کرے، اور دونوں شکلوں پر راضی نہ ہو تو بزور اپنے حق کو اس سے لوگ حاصل کریں،

یہ حکم تو الکلاء کا اس وقت تک ہے جب تک زمین میں لگا ہوا ہے، لیکن زمین سے الگ کر لینے کے بعد جو اس پر قبضہ کرے گا، وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، ٹھیک جو حال پانی کا تھا کہ برتن میں محفوظ کر لینے کے بعد انفرادی ملکیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے، بدائع میں ہے،

اذا قطعہ صاحب الارض و اخرج فیملکہ، جب اس کا مالک الکلاء کو کٹوالے اور نکالے تو پھر اس کا وہ مالک ہو جاتا ہے،

صاحب الارض (مالک زمین) کی قید اتفاقی ہے، بلکہ جو بھی کاٹ کر اس پر قبضہ کرے گا مالک ہو جائے گا اور اب اس کو وہ اسی طرح بیچ سکتا ہے، جیسے برتن اور مشک کے پانی کو فروخت کیا جا سکتا ہے، فقہ کا عام مسئلہ تو یہی ہے لیکن حنفی فقہاء نے بعد کو اس میں کچھ تفصیل بھی کی ہے یعنی دیکھنا چاہئے کہ "الکلاء" قدرتی طور پر پیدا ہوا ہے یا مالک زمین نے مصنوعی تدبیروں سے ان کو اگایا ہے، دوسری صورت میں ان کا خیال ہے کہ

اذا سقاہ وقام علیہ اگر زمیندار (صاحب الارض نے) اس الکلاء

ملکہ، (بدائع) کو پہنچا ہے تو ایسی صورت میں اوس کی ملکیت قائم ہو جائے گی،

حدیث کے ظاہر معنی پر اصرار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

الصحیح جواب ظاہر الروایۃ ظاہر روایت میں اس مسئلہ کا جو جواب دیا گیا ہے

لان الاصل فیہ ہو الاباحۃ؛ وہی درست ہے، کیونکہ "اصل" تو یہی ہو کہ "مکلا"،

[illegible]

اس سلسلہ میں فقہاء ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عربی میں ایک لفظ "مرج" کا ہے جس کی جمع "مروج" ہے، یہ اردو کے "رمنہ" یا "کچھ" کے ہم معنی ہے، غالباً فارسی کا "مرغزار" "مرجزار" ہی کی کوئی صورت ہے لیکن ایک اور لفظ "اجمہ" کا ہے جس کی جمع آجام ہے، علامہ مطرزی مغرب میں اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں، الاجمۃ الشجر الملتف یعنی گھنے درختوں کو کہتے ہیں، لیکن یہ لغوی معنی ہوئے پھر فقہاء جس محاورہ میں اس کو استعمال کرتے ہیں، اس کے متعلق کہتے ہیں،

وقولھم بیع السمک فی الآجام — مچھلیوں کا آجام میں بیچنا یہ جو فقہاء کہتے ہیں

یریدون البطیحۃ التی منبت — تو آجام سے سنگریزہ والی زمین مراد ہے جو

القصب والیراع، — نرسل یا کلک کے اگنے کی جگہ ہے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنگ ریزوں والی ریتیلی زمینوں کے گہرے حصوں میں برساتی پانی جو جمع ہو جاتا تھا، اور اوس کے اردگرد یا خود اسی میں نیستان بن جاتا تھا اس کو آجام کہتے ہیں، چونکہ پانی بھی اس میں جمع ہو جاتا تھا، اس لئے اس میں مچھلیاں بھی پیدا ہو جاتی تھیں، خلاصہ یہ ہے کہ آجام دراصل آبی نیستان کو کہتے ہیں، فقہاء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان کا شمار بھی مروج اور کچھوں کے ذیل میں ہوگا، اور انفرادی ملکیت اس کی درست ہو سکتی ہے، یا نہیں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کا کلیہ یہ لکھا ہے کہ اس زمین کو دیکھنا چاہئے جس میں اجمہ ہے، اگر زمین کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں ہے، تو نیستان (اجمہ) ہی کیا تمام غیر مملوکہ زمینوں کا حکم یہی ہے کہ

فان لم تكن فى تلك لاحد ملك فلا باس ان يحتطب منه جميع الناس كاثمار فى الجبال والمروج والاودية والشجر مالم يغرسه الناس ولا باس بان ياكل من ثمارها ويتزود مالم يعلم ان ذلك فى ملك انسان وكذلك العسل يوجد فى الجبال والغياض (الخراج)

اگر اس زمین مین کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے لوگ اس سے لکڑی کاٹ کاٹ کر لیجائین، جیسے پہاڑون مرغزارون، دمنون، وادیون وغیرہ کے درختون اور ان کے پھلون کا حال ہے کہ جب تک کسی خاص شخص نے ان کو نہ لگایا ہو، ہر شخص کو ان سے استفادہ کا حق ہے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہین ہے اگر اس قسم کے درختون کے پھلون کو آدمی کھالے یا توڑ کر گھر لیجائے، عام استفادہ کا یہ حق اسی وقت تک ہے، جب تک ان جنگلی درختون کے متعلق معلوم نہ ہوا ہو کہ کسی خاص شخص کی ملکیت میں ہیں، پہاڑون اور جنگلوں مین جو شہد پایا جاتا ہے، اس کا بھی یہی حال ہے،

لیکن اگر "زمین" کسی کی مملوکہ ہے تو پھر "الکلاء" کے سوا اس کی اور پیداوارون مین تصرف کرنے کا حق مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگا، خواہ زمین کے مالک نے اسے بویا ہو یا خود رو ہو، بدائع مین ہے،

ليس لاحد ان يحتطب من اجمة رجل الا باذنه لان الحطب والقصب مملوكان لصاحب الاجمة ينبتان على ملكه وان

ایسا اجمہ (نیستان)، جو کسی خاص شخص کی ملک مین ہو اس کے متعلق کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی لکڑی کاٹے، کیونکہ لکڑی اور نرکل کے ڈنٹھل یہ دونون اجمہ

لم یوجد منه الا نبات اصلاً — کی مالک کی ملک ہے، وہ زمین سے پیدا ہی ہوتی ہیں، مالک زمین کی ملک میں اگرچہ ان کے اگانے میں مالک زمین نے کوئی کام نہ کیا ہو، یعنی خود رو ہوں جب بھی اسی کے ملک قرار[1]

[illegible]

بہرحال اس باب میں کلیہ وہی ہے جو صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ

الاصل ان یکون من المملوک مملوکا الا ان الاباحة فی بعض الاشیاء ثبت علی مخالفة الاصل بالشرع والشرع ورد بها فی اشیاء مخصوصة فیقتصر علیها

اصل یہ ہے کہ مملوکہ چیز سے جو چیز پیدا ہو گی وہ بھی مملوک ہی ہو گی، لیکن اس اصل کے خلاف بعض چیزوں میں شریعت نے "اباحت" کا قانون نافذ کیا ہے یعنی استفادہ کا حق ہر شخص کو دیا ہے، لیکن اباحت کا یہ قانون چند مخصوص چیزوں کے ساتھ محدود ہے، اس لئے حکم بھی ان ہی[2]

[illegible]

تیسرے اشتراکی سرمایہ آگ کے احکام

اب تیسرا جزء "النار" کا رہ گیا ہے، جو حدیث میں عام پبلک کی مشترک چیز قرار دی گئی ہے، فقہا نے اس کی بھی کچھ تفصیل کی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

النار اسم جوهر مضيء دائم محرکة علوا

"آگ ایک تابناک روشن جوہر کا نام ہے جو ہمیشہ اوپر کی طرف متحرک رہتی ہے،

اور اسی بنا پر فقہاء کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ

فلیس لمن اوقدها ان یمنع غیره من الاصطلاء بها لان النبی صلی الله علیه وسلم اثبت الشرکة فیها

پس جس نے آگ سلگائی ہو اس کو اس کا حق نہیں ہو کہ دوسروں کو تاپنے سے روکے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ میں "شرکت" ثابت فرمائی ہے،

اور اصطلا یعنی تاپنے کا ذکر تو بطور مثال کے کیا گیا ہے، ورنہ مقصد یہ ہے کہ آگ کی حرارت ہو یا روشنی یا اسی قسم کا کوئی کام استفادہ کی ان تمام صورتوں کا حق ہر شخص کو ہے، اور آگ یا لیمپ روشن کرنے والے کو اس کا حق نہیں ہے، کہ وہ استفادہ کے اس حق پر کوئی معاوضہ لے، مگر اس کے بعد سوال آگ سے نہیں، بلکہ اس لکڑی یا بتی یا اس چیز سے ہے جس میں آگ پیدا کیجاتی ہے، کہ کیا اس کا شمار بھی مشترک سرمایہ میں ہو جائے گا، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

فامّا الجمر فلیس بنار وھو مملوک لصاحبہ فلہ حق المنع کسائر املاکہ	لیکن انگارہ تو وہ آگ نہیں ہے پس جس کا وہ ہے وہ اس کا مالک ہے، اسی لئے دوسروں کو روکنے کا حق اُسے حاصل ہے، جیسے دوسرے مملوکات میں یہی حق اس کو دیا گیا ہے،

اگرچہ جزئیات کا اور طویل سلسلہ موجود ہے لیکن اس باب میں اسلام کے جو کلی نقاط نظر تھے، ایک حد تک ان کی بحث ختم ہوگئی، اب اس سلسلہ کی صرف ایک چیز رہ جاتی ہے یعنی شوارع عام،

عام شوارع اور راستوں کے احکام جن کی حیثیت اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً دنیا کے تمام قوانین اور دستور میں آبادی کے عام باشندوں کے مشترک مفاد کی ہے، اسلامی مقننین نے بھی اس کی اس حیثیت کو باقی رکھا ہے، بغیر کسی اختلاف کے فقہ کا یہ اتفاقی مسئلہ ہو کہ

ما کان من الشوارع والطرقات والرحاب بین العمران فلیس لاحدٍ احیاءہ،	راستے کوچے شہر کے میدان چوک جو آبادیوں کے درمیان ہوتے ہیں، ان کے متعلق کسی کے لئے جائز نہیں ہو کہ ان کو آباد کرے،

یعنی کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے، کہ بطور انفرادی ملکیت کے ان پر قبضہ کرکے ان کو اپنی ملکیت بنائے، مثلاً ان پر مکان بنائے یا اس قسم کا کوئی تملیکی تصرف کرے، مندرجۂ بالا عبارت کے الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

یہ حکم صرف سڑکوں اور کوچوں ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ "الرحاب" یعنی شہروں کے بیچ بیچ میں جو میدان مختلف ضرورتوں کے لئے مثلاً کھیلنے کودنے کے لئے یا اس زمانہ میں جو سیرگاہیں بنا دی جاتی ہیں، یہ بھی پبلک کے مشترک مفاد میں داخل ہو جاتی ہیں، اور ان میں بھی کسی شخص واحد کو مالکانہ تصرفات کا حق نہیں ہے، اس قانون کی تفصیل کرتے ہوئے فقہاء نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے، کہ یہ حکم صرف ان ہی سڑکوں یا گلیوں یا میدانوں تک محدود نہیں ہے جن پر تصرف کرنے سے عام مخلوق کو تکلیف ہوتی ہو، بلکہ تکلیف ہو یا نہ ہو، زمین کا ہر وہ حصہ جو عام گزرگاہ کی حیثیت کسی آبادی میں اختیار کر چکا ہے، سب کے لئے یہ حکم عام ہے، ابن قدامہ کے الفاظ یہ ہیں :-

سواء کان واسعًا او ضیقًا وسواء	خواہ کشادہ ہوں یا تنگ، اور خواہ ایسی تصرف
ضیق علی الناس اولم یضیق،	کرنے سے لوگوں پر تنگی پیدا ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو"

مسلمانوں میں شاہراہوں اور شہر کے ان مقامات میں عام باشندوں کے مفاد کو کس حد تک اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس حکم کی توجیہ کرتے ہوئے صاحب مغنی لکھتے ہیں :-

لان ذالك مشترك فيه	کیونکہ عام مسلمانوں میں یہ چیزیں مشترک ہیں
المسلمون ومتعلق به مصلحتهم	اور ان کی مصلحتیں ان سے متعلق ہیں، تو گویا
فاشبه مساجدهم،	مسلمانوں کی مسجدوں کی مانند ان کا حال ہے"

عام راستوں کا اسلام میں احترام مندرجۂ بالا فقرہ میں "فاشبه مساجدهم" کے الفاظ قابل غور ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہری حقوق کا مسلمانوں نے کتنا احترام کیا ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اماطة الاذى عن الطريق یعنی راستوں سے ان چیزوں کا ہٹانا جو راہگیروں کے لئے باعث تکلیف ہوں، اس فعل کو من الایمان (یعنی ایمان کا جزء) قرار دیا ہے، اور اس بنا پر مشہور حدیث الطهور شطر الايمان (پاکیزگی اور صفائی ستھرائی ایمان کا ایک بڑا حصہ ہے) میں دوسری چیزوں کی تطہیر و ستھرائی کے ساتھ مکانوں اور سڑکوں کی صفائی کو بھی داخل سمجھنا چاہئے، جب راستوں کی صفائی

کی صحیح حدیثوں میں اتنی اہمیت ہے تو فقہا نے شوارع وطرق کو مسلمانوں کے حقوق کے اعتبار سے اگر اشبیہ بالمساجد قرار دیا ہے، تو اس پر قطعاً تعجب نہ ہونا چاہئے، اور اس خیال کی بھی تغلیط ہوتی ہے، کہ بلدیات اور میونسپلٹی وغیرہ کے اصول وقوانین جدید مغربی تمدن کے نتائج ہیں^ل، خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں گفتگو ان فقہی احکام کے متعلق کر رہا تھا، جو شہروں اور آبادیوں کی عام گزرگاہوں وغیرہ کے متعلق ہیں کہ ان میں کسی قسم کی انفرادی ملکیت کی قطعاً گنجایش نہیں ہے، نہ خود ان کو اپنی ملک کوئی بنا سکتا ہے، اور نہ حکومت ایسا کر سکتی ہے، البتہ اس قسم کی سڑکوں اور گزرگاہوں پر بیٹھ کر عام طور سے جو لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں، فقہا نے اس کے متعلق لکھا ہے،

ان کان مجالس یضیق علی المارۃ لم یحل لہ الجلوس فیہ ولا یحل للامام تملکہ بعوض ولا غیر (مغنی)

اگر گزرگاہوں کی ان نشست گاہوں کی وجہ سے آمد و رفت کرنے والوں کی تنگی محسوس ہو تو پھر ان میں بیٹھ کر خرید و فروخت جائز نہ ہوگا، اور نہ حکومت کے لئے جائز ہے کہ ایسے مقامات پر کسی کو قبضہ معاوضہ لے کر عطا کرے،

لیکن سڑک اگر اتنی کشادہ ہے کہ راہگیروں کو کوئی تنگی نہیں پیدا ہوتی، تو ایسی صورت میں

یجوز الارتفاق بالقعود فی الواسع من ذالک البیع والشراء علی وجہ لا یضیق علی احد

ان گزرگاہوں میں جو کشادہ اور وسیع مقامات ہوں تو ان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کی آسانی حاصل کرنا اس وقت جائز ہے

ل واقعہ یہ ہے کہ آج جن قوانین کا تعلق محکمۂ صفائی یا آرایش وغیرہ سے ہے، اسلامی فقہا نے ان کے مختلف پہلوؤں پر اپنی کتابوں میں بحث کی ہے، جاننا چاہئے کہ فقہ کی کتابوں سے ان قوانین کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار کیا جا سکتا ہے،

ولا یضر المارة، جب آنے جانیوالون کی راہ مین تنگی نہ پیدا ہوتی ہو نہ کسی اور کو،

اس قسم کا استفادہ سڑکون سے شہر کے عام باشندے خود بھی کر سکتے ہین، اور حکومت کو بھی ایسی صورت مین (یعنی جن مین ضرر کا اندیشہ نہ ہو) اختیار رہے گا سڑکون بلکہ مسجدون کے احاطہ وغیرہ میں جسے رحاب المساجد کہتے ہین، اس قسم کے کاروبار کے لئے جگہ دے سکتی ہے،

ابن قدامہ نے الطرق الواسعة اور رحاب المساجد کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ

للامام اقطاعها لمن يجلس فيها

امام (حکومت) ان مقامات کو بیٹھنے والون کے لئے مخصوص کر سکتا ہے،

لیکن اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے،

ولا يملكها المقطع بذالك بل يكون احق بالجلوس فيها من غيره،

لیکن حکومت جس کے نام سے اس کو مخصوص کرے، وہ اس کا مالک نہ ہوگا، صرف دوسرون کے اعتبار سے بیٹھنے کا وہ زیادہ حقدار ہوگا،

اسی طرح اگر اس قسم کے مقامات پر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی خرید و فروخت کے لئے بیٹھ جائے تو

السابق احق به ما دام فيه فان ترك متاعه فيه لم يجز لغيره ازالته لان يد الاول عليه و ان نقل متاعه كان لغيره ان يقعد فيه لان يده قد زالت

جس نے آگے بڑھکر اس پر قبضہ کر لیا ہو تو وہی اس کا حقدار ہوگا جب تک اس پر قابض رہیگا، اگر اس قسم کے مقامات مین اپنے سامان چھوڑ کر چلا جائے تو کسی دوسرے کو اس کا حق نہ ہوگا کہ اس کے سامان کو اس جگہ سے ہٹائے کیونکہ ابھی پہلے آدمی کا اس پر قبضہ باقی ہے اور اگر اپنے سامان کو وہان سے ہٹالے تو پھر اب دوسری کو یہ حق ہے کہ اس مقام پر بیٹھ جائے

[illegible]

بہرحال مشہور حدیث "منیٰ مناخ من سبق" کی بنا پر ایسی صورت مین جس نے پہلے قبضہ کرلیا، اس کو ترجیح دیجائے گی، اس ضمن مین یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مقامات مین کوئی دوکان کے لئے کیا مکان، یا چبوترہ وغیرہ بنا سکتا ہے ؟

ابن قدامہ لکھتے ہین کہ

لیس لہ البناء لا دکۃ ولا غیرھا	کسی کو ان مقامات مین کسی قسم کی تعمیر کا حق
لانہ یضیق علی الناس ویعثر بہ	نہین ہے حتی کہ چبوترہ یا چبوترہ کے سوا بھی
المارۃ باللیل والضریر باللیل	کوئی چیز نہیں بنا سکتا، کیونکہ اس قسم کی
والنھار ویبقیٰ علی الدوام فربما	چیزون سے عام لوگ تنگی میں مبتلا ہوجائینگے
دعی ملکہ بسبب ذلک	اور گزرنے والون کے لئے خطرہ ہے کہ رات کے
	وقت اس سے ٹھوکر کھائین، اور پھسل کر گرین،
	اسی طرح شب ور وزضریر کا اس سے اندیشہ ہے،
	اور چونکہ ایسی چیزین دوامی ہوتی ہین، اسلئے
	اس کا بھی خطرہ ہے کہ آگے چل کر اس کی ملکیت

کا دعویٰ کرے،

لیکن اس کے ساتھ اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ

لہ ان یظلل علی نفسہ بما	ان مقامات پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے والون
لاضرر فیہ من بادیۃ	کو اس کی اجازت ہے کہ اپنے اوپر کوئی سایہ
وتابوت وکساء ونحوہ	کی چیز کھڑی کرین جس میں کسی کو ضرر نہ پہونچے،
لان الحاجۃ تدعوا الیہ	مثلاً چٹائی یا ٹاٹ یا کمل یا اسی قسم کی چیزون

۱؎ منیٰ کے میدان مین جو جہان اپنے اونٹ کو پہلے بٹھا دے گا وہی اس جگہ کا حقدار ہوگا ۱۲،

من غیر مضرۃ فیہ، سے سایہ کرین اور یہ اجازت اس لئے دیجاتی ہے کہ اس کا وہ حاجت مند ہے، اور دوسرون کا اس مین ضرر نہین ہے،

یہان یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جتنے احکام بیان کئے گئے ہین، ان کا زیادہ تر تعلق شوارع عام یا عام گذرگاہون وغیرہ سے ہے، لیکن خاص راستے اور کوچے جنھین صرف کسی خاص مکان یا چند مکان کے رہنے والے ہی اپنی آمد و رفت کے لئے استعمال کرتے ہون، ان کے احکام عام راستون سے مختلف ہین جن کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے، (باقی)

تاریخ اخلاق اسلامی

اس مین اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی ضخامت:- ۲۰۶ صفحے، قیمت:- عہ

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۰ صفحے، قیمت ہیر

سفر حجاز

اس سفرنامہ مین مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشم دید حالات لکھے ہین اور حج و زیارت کے متعلق تمام فقہی معلومات ہدایات کو جمع کر دیا ہے حجم ۴۲۱ صفحے، قیمت:- عار

منیجر

آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس

کے

اجلاس پشاور کی رُوداد

از

ڈاکٹر سید عبد اللہ ایم اے، ڈی لٹ قائم مقام سکریٹری آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس

آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۷، ۸، ۹ را پریل ۱۹۴۴ء کو صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور مین منعقد ہوا، پشاور شمالی ہندوستان کے چند اہم تاریخی شہرون مین سے ہے، اس کے نواح مین بے شمار آثار ومظاہر ایسے ہین جن سے مورخ کو بہت کچھ مواد مل سکتا ہے، خود پشاور کے اندر عہد اسلام اور عہد قبل از اسلام کی بے شمار یادگارین موجود ہین، جو محققین کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہین،

ان سب خصوصیات کی وجہ سے جن کا یہ شہر حامل ہے، پشاور فی الحقیقت کانفرنس کے انعقاد کے لئے مناسب اور موزون مقام تھا،

کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پشاور اور سرحد کے باشندگان نے ایک بااثر اور بارسوخ مجلسِ استقبالیہ کی تشکیل کی تھی، جس کے صدر آنریبل خان بہادر قاضی محمد امیر احمد خان جج جوڈیشل کورٹ پشاور تھے، موصوف نہایت خلیق، متواضع اور علم دوست بزرگ ہین، اور علی گڈہ کے تعلیم یافتہ ہین، نئی تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود صوم وصلوٰۃ کے پابند ہین، مجلسِ استقبالیہ کے سکریٹری قاضی محمد فرید ایم، اے (کینٹب) پروفیسر تاریخ اسلامیہ کالج پشاور مقرر ہوئے، مگر ان کے بے وقت علیل ہوجانے کی وجہ سے بہت سا

کام مسٹر سکاٹ آئی سی ایس پرنسپل اسلامیہ کالج نے انجام دیا، اس مین اِن کے ساتھ پروفیسر محمد رضا خان ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور اور دوسرے حضرات نے بھی ہاتھ بٹایا،

کانفرنس کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے مرکزی کمیٹی کی مجلس عاملہ نے خان بہادر مولوی محمد شفیع ایم اے کینٹب) سابق پرنسپل اورنٹیل کالج اور ممبر سنڈیکیٹ پنجاب یونیورسٹی کا انتخاب کیا، علوم عربیہ مین موصوف کا جو تبحر اور اسلامی تاریخ اور کلچر کے ساتھ جو شغف ہے وہ اصحاب علم سے پوشیدہ نہیں، نیز موصوف ان بزرگون مین سے ہین جنھون نے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب (صدر مرکزی کمیٹی آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس) کے ساتھ مل کر آج سے بیس بچیس سال قبل اسلامی تاریخ کے مضمون کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی مین شروع کی، اور باوجود مشکلات کے سالہا سال تک اُسے جاری رکھا، اپنے دوران ملازمت مین عربی و فارسی زبانون کے مرتبے اور حیثیت کو برقرار رکھنے اور ان کی تشویق و ترویج کے لئے جو کام کیا، وہ اظہر من الشمس ہے، انھی کی بدولت پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا عربی فارسی شعبہ اس وقت یہ درجہ حاصل کر چکا ہے کہ شاید (رامپور اور آصفیہ کے بعد) ہندوستان بھر کی کوئی لائبریری قلمیات و مطبوعات کے اعتبار سے اس کا مقابلہ نہین کر سکتی، تاریخ سے متعلق موصوف کی ان خدمات و خصوصیات کی بنا پر صدارت کیلئے اس سے زیادہ موزون انتخاب مشکل تھا، اگرچہ وقت کی قلت اور سفر کی صعوبت کے پیش نظر یہ اندیشہ تھا کہ کانفرنس میں شامل ہونے والے مندوبین دوسرے صوبون سے زیادہ تعداد مین نہ آسکین گے، مگر یہ امر بے حد باعث اطمینان اور اس مضمون کی آیندہ ترقی کا مبشر ہے کہ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے پنجاب کے علاوہ حیدرآباد تک کے مندوبین تشریف لائے تھے،

کانفرنس مجوزہ پروگرام کے مطابق، ۶ را پریل کو ۴ بجے بعد دوپہر خیبر یونین ہال (اسلامیہ کالج) میں شروع ہوئی، معززین شہر کثیر تعداد مین موجود تھے، جن مین آنریبل سردار عبدالرب خان نشتر وزیر مالیات، خان بہادر محمد قلی خان او۔ بی۔ ای، نواب محبوب علی خان ڈپٹی کمشنر کوہاٹ، آنریبل سردار اجیت سنگھ وزیر سرحد، میجر اسکندر مرزا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان محمد اسلم خان، انڈر سکریٹری حکومت سرحد، خان بہادر شاہ عالم خان

ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم صوبہ سرحد، ملک خدابخش ایڈوکیٹ جنرل اور بے شمار دوسرے حضرات شامل ہین،

تلاوت قرآن مجید کے بعد صدر استقبالیہ آنریبل قاضی محمد امیر احمد خان نے اپنا خطبہ پڑھا، اس کے بعد صاحب صدر نے اردو مین اپنا عالمانہ خطبہ سناتے ہوے سب سے پہلے پشاور کی تاریخی اہمیت کا تذکرہ کیا، پشاور کے عہد جدید کا ذکر کرتے ہوے کہا "میرے نزدیک پشاور کے اس دور جدید کی سب سے بڑی تاریخی یادگار اسلامیہ کالج ہے جو اس صوبہ اور متصلہ علاقہ مین شمع ہدایت کا کام دے رہا ہے، اور ان اطراف کی حیات ذہنی اسکے دمِ جانبخش سے وابستہ ہے"

اس کے بعد صاحب صدر نے مسلمانون مین علم تاریخ کی ابتدا، اور اس کی عہد بعہد کی ترقیون پر تبصرہ کرتے ہوے فرمایا، کہ مورخین عرب کی مساعی مشکورہ اور عربون کے علم تاریخ کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے علامہ سخاوی (م - ۹۰۲) کی الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ کی فہرست مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنا کافی ہے، سیرت نبویہ، تراجم صحابہ، تاریخ خلفاء، تاریخ ملوک دول مخصوصہ و افراد مخصوصین، تاریخ وزراء، تاریخ امراء، طبقات فقہاء، و قراء، و ادباء، تاریخ صوفیہ، تاریخ قضاۃ، تواریخ مغنین و اشراف کرماء، و اذکیاء، و مغفلین و بخلاء و طفیلیین، و عقلاء، و اطباء، تاریخ مبتدعۂ اخبار شجعان و عور و عمش و عمیان و حدبان و معمرین و شبان، اخبار عشاق، اخبار رواۃ حدیث، معاجم بلدان، وفیات غرض کوئی شاخ تاریخ نویسی کی نہ تھی جس پر انبار در انبار کتابین نہ لکھی گئی ہون، یہ صحیح ہے، کہ ان مین سے بے حساب کتابین دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین اور بہت سی ایسی ہین جن کے وجود سے ہم اس وقت آگاہ نہین ہین، مگر بحمد اللہ کہ بہت سی ایسی کتابین ہم تک پہنچی ہین اور بعض ایسی ہین کہ وقتاً فوقتاً معرض خفا سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہتی ہین۔"

اس کے بعد جناب صدر نے عربی کے علاوہ فارسی اور ترکی کی تاریخی کتابون کا ذکر کرتے ہوے کہا کہ سٹوری کی پرشین لٹریچر میں فارسی زبان کے مورخون کا ذکر، ۹۵ شمارون مین آیا ہے،........ مگر بقول کارا ڈو ایران نے مورخون کی نسبت شاعر زیادہ پیدا کئے ہین، اور فارسی تاریخین عربی کی تاریخون کی بہ نسبت اہمیت، وسعت نطاق اور ایجاز کے اعتبار سے بہت پیچھے ہین" کم از کم ایران کی تاریخون کی صورت

تو یہی ہے، البتہ ہندوستان کی فارسی تاریخون مین اعلیٰ پایہ کی تاریخین موجود ہین، ترکی مورخین کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ترکون کو من حیث القوم تاریخ سے بے حد شغف ہے، استنبول کے کتاب خانون مین بہترین کتب تاریخی محفوظ ہین، .... مگر فی الجملہ ترکون سے ہمارے ادبی روابط حد سے زیادہ کمزور ہین، اور مخطوطات یا ان کی نقول کا تو کیا ذکر ہے، وہان کی مطبوعہ کتابون کا حاصل کرنا بھی دشواریون سے خالی نہین "،

اس کے بعد ہندوستان مین اسلامی تاریخون کی بعض اہم ضروریات پر تبصرہ کرتے ہوے کہا:۔

"مورخین اسلام کے نذین کارنامون اور اسلامی تاریخ کے لٹریچر کی افراط کے اس نہایت اجمالی ذکر سے مقصد یہ ہے کہ اس گران بہا ورثے کی طرف جو ہم کو ماضی سے ملا ہے، قوم کو متوجہ کیا جائے، اور اس کے مطالعہ کی طرف رغبت دلائی جائے، اُن اسباق سے جو مطالعۂ تاریخ سے حاصل ہوتے ہیں فائدہ اٹھانا جب ہی ممکن ہے، جب یہ کتابین عام طور پر میسر آجائین، مفید کتابین جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہین، ان کو طبع کیا جائے، ہر طبقہ کے لئے صحیح تاریخی روایتون پر مشتمل کتابین سہل الحصول ہون تاریخ اسلام کے جن ابواب پر ابھی تک کافی روشنی نہین پڑی ہے ان کو تحقیق کے بعد روشنی میں لایا جائے، مخطوطات، فرامین، دستاویزون کی جمع آوری کی جائے، مخطوطات کی فہرستین اور پھر ان فہرستون کی فہرستین (Catalog of Catalogues) مرتب ہون، مستند تاریخی کتابون کو شائع کیا جائے، تاریخ اسلام کی ترتیب اور اس کی مجملات، متوسطات اور مطولات کی تدوین ہو، مگر یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جبکہ تحقیقاتِ علمی کے لئے سہولتین مہیا کی جائین، اور تاریخِ اسلامی کے درس کے لئے ملک بھر کی یونیورسٹیون مین معقول انتظام کیا جائے، چونکہ ترکی زبان مین تاریخ اسلام کا بہت سا مواد موجود ہے، اس لیے ضروری ہے، کہ ترکی کی تحصیل و تعلیم کے لئے اقلاً علی گڑھ یا لاہور مین کوئی بندوبست کیا جائے، ...."

خطبے کے بعد پہلا اجلاس ختم ہوا،

اس کے بعد ۶ بجے شام سبجکٹس کمیٹی کا جلسہ ہوا جس مین تمام مندوبین اور مجلس استقبالیہ کے ارکان

شامل ہوئے، بحث و تمحیص کے بعد مجلس عام کے لئے تجاویز منظور ہوئیں،

۸ راپریل کو بوقت ۱۰ بجے صبح کانفرنس کا عام اجلاس شروع ہوا حاضرین میں معززین شہر اسلامیہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ سب شامل تھے، ان میں سے میجر اسکندر علی مرزا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان بہادر محمد قلی خان، محمد یوسف خان بی اے، (آکسن) خان بہادر سکندر خان، خان بہادر غلام صمدانی خان، پروفیسر شیخ محمد تیمور، پروفیسر سمتھ مشن کالج لاہور وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں، اس اجلاس میں ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

۱- پنجاب اور صوبہ سرحد میں قلمی کتابوں کے ذخیرے (انگریزی)	ڈاکٹر سید عبداللہ لیکچرر اورنٹیل کالج لاہور،
۲- سیف الدولہ محمود بن ابراہیم بن مسعود ابن محمود غزنوی (اردو)	مسٹر مشتاق احمد بھٹی ایم اے پنجاب یونیورسٹی
۳- دکن کی اسلامی تاریخ کی اہمیت (اردو)	سید مبارز الدین ایم اے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد،
۴- کشمیر میں اسلام کی ابتدا اور اشاعت (انگریزی)	ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی، ایم اے، ڈی لٹ سابق انسپکٹر آف سکولز (سی، پی)
۵- اکبری دور میں کتابوں کی تذہیب اور نقاشی (انگریزی)	ملک شمس الدین بی اے، (عجائب خانہ لاہور)
۶- ابن خلدون (انگریزی)	خان محمد یوسف خان، بی اے (آکسفورڈ)
۷- شاہان مغلیہ کے ذہنی اور علمی کارنامے، (انگریزی)	پروفیسر محمد موسیٰ کلیم، ایم اے، (اسلامیہ کالج پشاور)
۸- ہندوستان کے چند سلاطین کے مسکوکات[1] (انگریزی)	مسٹر محمد اسمٰعیل ایم اے، (مہتمم عجائب خانہ لاہور)

---

[1] ان ۸ کے ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ انھوں نے اپنے مقالات بھیج دیئے تھے،

(۹) جدید سائنس کا اسلامی پس منظر، (انگریزی)	خواجہ عبد الوحید سکرٹری اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور،

اس اجلاس مین چند تجاویز بھی منظور ہوئین جس کی تفصیل آیندہ آتی ہے،

اسی شام کو ۸ بجے مجلس استقبالیہ نے بڑے وسیع پیمانے پر دعوت طعام دی، اس دعوت مین شہر کے کم و بیش دو ڈھائی سو مہمان شامل ہوئے،

اس کے بعد ۱۰ بجے شب کو ملک شمس الدین صاحب بی اے (عجائب خانہ لاہور) نے مغلون کے عہد مین فن مصوری، کے موضوع پر ایک با تصویر تقریر کی، اس تقریر کو حاضرین نے (جن مین چند وزراء اور دیگر عمائد شہر بھی شامل تھے) بے حد پسند کیا، تقریر کے اختتام پر آنریبل قاضی میر احمد خان صدر مجلس استقبالیہ نے اس تقریر کے لئے مقرر اور کانفرنس کے کارپردازون کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا، کہ ان کی وجہ سے اہل پشاور کو اس دلچسپ موضوع پر کچھ سننے اور جاننے کا موقع ملا،

۹ راپریل کو ۱۰ بجے صبح کانفرنس کی مجلس عام کا اجلاس پھر منعقد ہوا، اس اجلاس مین اتوار کی تعطیل کی وجہ سے زیادہ رونق تھی، اس کے علاوہ اس اجلاس مین کانفرنس کی بہت سی اہم اور ضروری تجاویز پیش ہوئین، جن کی تفصیل آیندہ سطور مین آتی ہے، پہلے سکریٹری نے رپورٹ پڑھی، اس کے بعد ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

۱- تاریخ الترسل الی الخلافۃ الراشدہ، (بزبان عربی)	مولانا سید محمد العربی المراکشی، اورنٹیل کالج لاہور
۲- پشاور کا قلعۂ شاہی، (انگریزی)	مسٹر ایس، ایم جعفر (پشاور)
۳- خوشحال خان خٹک، "	مسٹر دوست محمد کامل ایم اے، ایل ایل بی (بنون)
۴- قرآن مجید اور مسئلہ نسخ، "	مولانا فضل الرحمن ایم اے، (پنجاب یونیورسٹی)
۵- عہد مغلیہ مین جاگیرداری نظام، "	پروفیسر محمد رضا خان ایم اے (اسلامیہ کالج پشاور)

۶- لاہور شاہیون کے عہد مین	(انگریزی)	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ڈی لٹ (پروفیسر تاریخ دکن کالج پونا)
۷- مسلمانان ہند کے احیائے جدید مین مطالعۂ تاریخ کا حصہ	(اردو)	ڈاکٹر سید عبداللہ لیکچرر اورنٹیل کالج لاہور،
۸- عہد شاہجہانی کے پنجابی مورّخ،	(اردو)	شیخ صادق علی دلاوری، ایم اے اورنٹیل کالج لاہور)
۹- آزاد بلگرامی بحیثیت مورخ کے	(انگریزی)	مسٹر سکھ راج الفت لاہور (ایم اے ”)

یہ اجلاس ۱½ بجے ختم ہوا، اور ۹ بجے شب کو اسٹیشن پر صدر اجلاس خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب اور مندوبین کو رخصت کیا گیا،

کانفرنس کے اس اجلاس کے سلسلہ مین منتظمین نے قلمی کتابون کی نمایش بھی ترتیب دی تھی، افسوس ہے کہ اس نمایش مین باہر کی قلمی کتابین مہیا نہ ہوسکین، صرف اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ مشرقیہ کے نوادر تھے، صدر اجلاس نے متعدد موقعون پر اس امر پر اظہار افسوس کیا، کہ اسلامیہ کالج پشاور مین علومِ مشرقیہ کے سلسلہ مین جتنی توجہ ہونی چاہئے، وہ نہین ہوئی، اور اوس کی قلمی کتابون کی مشرح فہرست کی انگریزی زبان مین ضرورت ہے جس کے بغیر ان نوادر کا حال انگریزی دان دنیا کو نہین معلوم ہوسکتا، اردو کی فہرست مرتبہ مولانا عبدالرحیم غنیمت ہے، مگر وہ ضروریات کے لئے مکتفی نہین،

اسلامیہ کالج پشاور کے لائق پرنسپل مسٹر اسکاٹ آئی سی ایس اور دیگر اساتذہ وارکان مجلس استقبالیہ لائق شکریہ ہین، جن کے تعاون اور حُسن اشتراکِ عمل کے بغیر کانفرنس کو یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی، کارپردازان کانفرنس خان بہادر محمد قلی خان کے بھی شکر گذار ہین،

تجاویز | کانفرنس مین مختلف اصحاب کی طرف سے حسب ذیل تجویزین پیش ہوئین، اور ہندوستان کے تعلیمی ادارون اور حکومت کے مختلف شعبون سے حسب ذیل مطالبات کئے گئے:-

---

ا مضامین ۷ و ۹ کے مقالہ نگار حضرات تشریف نہین لائے مقالے پڑھے گئے، ۶، ۸ و بوجہ تنگی وقت پڑھے نہ جاسکے،

۱۔ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اپنے یہان اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کرین،

۲۔ اور اپنے یہان ترکی زبان کی تعلیم کا انتظام کرین،

۳۔ محکمۂ آثارِ قدیمہ حکومتِ ہند وغیرہ اسلامی آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بیش از بیش انتظام کرین، کتبات شائع کئے جائین، لاہور مین سلطان قطب الدین ایبک بادشاہ ہند اور نواب عبدالصمد خان وغیرہ صوبہ داران لاہور کے مزارات کو آثار محفوظہ قرار دیا جائے،

۴۔ ہندوستان کی سب یونیورسٹیان، پنجاب یونیورسٹی، عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹیان اپنے یہان کی قلمی کتابون کی شرح فہرستین مرتب کرین،

۵۔ یونیورسٹیان علم کتبہ شناسی کی تعلیم اور اس کے لئے وظائف کا انتظام کرین،

۶۔ حکومتِ ہند، صوبجاتی حکومتین اور ریاستین اپنے اپنے دائرۂ اثر مین قلمی کتابون کی جمع آوری کا انتظام کرین،

۷۔ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ عثمانیہ اعلیٰ پیمانہ پر تاریخ اسلام اور تاریخِ ہند کی تدوین کا انتظام کرین نیز علی گڈھ مین ایک عجائب خانہ آثار اسلامی کا قائم کیا جائے،

۸۔ فیڈرل سروس کمیشن اور صوبہ جاتی کمیشن اسلامی تاریخ کے مضمون کو مستقل حیثیت دین،

۹۔ پنجاب یونیورسٹی کے حکام سے دوبارہ مطالبہ کہ وہ اپنے یہان اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کرین،

۱۰۔ تمام یونیورسٹیون کے حکام اور قومی اور ملکی درسگاہین، اور ادارے اپنے زیرِ اثر عربی اور فارسی زبانون کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کرین،

۱۱۔ قرار پایا کہ سنٹرل کمیٹی مین آنریبل قاضی میر احمد خان، ملک خدا بخش خان، خان بہادر قلی خان، خان بہادر سعد اللہ خان، پروفیسر شیخ تیمور اور مسٹر ایس ایم جعفر کو بطور رکن شامل کیا جائے،

۱۲۔ طے پایا کہ پشاور مین کانفرنس کے ماتحت ایک مقامی سوسائٹی تاریخی تحقیق کے لئے قائم کی جائے

جو علاوہ اور کامون کے ایک مستند اور محققانہ تاریخ افاغنہ مرتب کرے،

۱۳- جامعہ عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اپنے زیر اہتمام اسلامی تاریخ کی تعلیم کے لئے اردو اور انگریزی مین موزون نصاب کی کتابین مرتب کرائین، اوس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ سے امداد کی درخواست کی جائے،

۱۴- حکومت سرحد سے مطالبہ کہ پشاور مین بھی ایک ریکارڈ آفس قائم کیا جائے،

۱۵- تمام اسلامی درسگاہین تاریخ اسلامی کی ترویج و تشویق کے لئے وظائف دین،

۱۶- پنجاب یونیورسٹی مین اسلامی تاریخ کو بی اے مین پورا مضمون بنایا جائے، جو عہد مغلیہ کے ساتھ متبادل نہ ہو، بلکہ پورے ۱۰۰ نمبر کا مستقل مضمون ہو،

۱۷- طے پایا کہ کانفرنس اپنے مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے نیز تحقیقی کام کی اشاعت کے لئے اپنا ایک رسالہ شائع کرے،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کا

تیسرا اڈیشن

بچون اور عام مسلمانون کے پڑھنے کے لئے آسان زبان مین سیرت کی یہ مشہور و معروف کتاب سہ بارہ چھپ کر تیار ہے، یہ دکن، پنجاب، یوپی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسون اور مکتبون مین داخل نصاب ہے، اور ہندی، گجراتی اور بنگالی وغیرہ مین اوس کا ترجمہ ہو چکا ہے، جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اوس کی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے،

ضخم ۱۶۴ صفحے، قیمت: ۸؍

"منیجر"

استفسار و جواب

لفظ اللہ کے معنی

اور

اسم اعظم کا تخیل

جناب اختر حسین نظامی ایم اے
لکچرار دربار انٹر کالج ریوا

جناب مولانا

السلام علیکم

آٹھ نو سال کا عرصہ ہوا جب علی گڈھ مین یونین کے کسی جلسہ مین زیارت نصیب ہوئی تھی اس وقت مین نے صوفی سلسلون کے متعلق اعظم گڈھ میں کیا ذخیرہ ہے، اس پر جناب سے ایک سوال کیا تھا غالبًا یاد ہوگا، اس مضمون پر تقریبًا چھ سات مہینے تک مین نے مطالعہ کیا لیکن قسمت یہان لے آئی، اور اس کے بعد وہ کام آگے نہین بڑھ سکا، تاہم سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا، اب بھی کوئی کام کی بات مل گئی، تو نوٹ کر لیتا ہون، آج کل ادھر کئی برسون سے ریوان کے بگھیل خاندان پر کام کر رہا ہون،

سیرۃ النبی جلد چہارم مین لفظ اللہ کے معنی آپ نے "پیارا" لکھے ہین، حالانکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اسم صفات نہین ہے چونکہ یہ لفظ اسلام سے پہلے کا ہے، یہ نام ہے ایک اعلیٰ ہستی کا جسکی صفات کا تخیل قدیم عربون مین نہین تھا، اس بات کی وضاحت آپنے بھی کر دی ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ اللہ کے معنی بیان کرنے کی کوشش بعد کے لغت نویسون کی ہے، میں تو اللہ کو یون سمجھتا ہون

جیسے قدیم آریون کا لفظ "اوم" جو رگ وید مین آیا ہے۔ اللہ کا مشتق تلاش کرنا، اہل لغت کی اپج معلوم ہوتی ہے،

صوفیون کے ہان ایک مسئلہ اسم اعظم کا ہے جس کا چرچا جُہلا مین زیادہ رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ

اسم اعظم اسرار خفی میں سے ہے، جو صرف مرشد کی خاص عنایت سے معلوم ہوسکتا ہے، اسے وہ

مشکل کشا مانتے ہین، ہندوؤن مین گرو منتر دینے کا جو رواج ہے، غالبًا اسی کی تقلید ہے،

صوفیاے متقدمین کے زمانہ مین بھی لوگون کو اسی قسم کے وہم ہوتے تھے لیکن ان بزرگون نے اس

کا جواب صاف یہی دیا کہ جس نام سے خدا کو پکارو وہی اسم اعظم ہے اور تعلیمات قرآنی کے عین مطابق ہے

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے پوچھا گیا، تو اونھون نے فرمایا کہ "ہر اسمے کہ خداے تعالیٰ

را بخوانی آن اسم اعظم است"، (فوائد الفوائد) بعضون نے فرمایا کہ "اسم اعظم اللہ ہی ہے"، (قول حضرت

محبوب سبحانی از قلائد الجواہر) تو سطین مین شاہزادہ داراشکوہ فرماتے ہین، "این اسمے است بس

بزرگ و شامل کفر و اسلام جامع جمیع اسماء و ہیچ چیز ازین اسم بیرون نیست و معنی این اسم اعظم این است

کہ ذات صاحب سہ صفت ایجاد و ابقا و افنا و ہمہ آفرینش و ذرات موجودات ازین سہ صفت

خارج نیست اما ازین معنی و سترِ این اسم اعظم کسے واقف نیست مگر بعضے از اکمل مشائخ بر سبیل ندرت"

(رسالہ حق نماص ۱۰۹ مطبع قیومی کانپور) چنانچہ یہی نام صوفیہ کے اذکار و اشغال مین استعمال ہوتا ہے،

آنجناب اس مسئلہ پر میرے شکوک رفع کرین، تو ممنون ہونگا"

معارف: مکرم دام لطفہ،

السّلام علیکم: ۔ خوشی ہوئی کہ آپ اب بھی علمی مشاغل مین مصروف ہین،

لفظ اللہ کے اشتقاق کی بحث اہل لغت کے ہان بھی ہے، اور مفسرین و متکلمین و محدثین کے ہان بھی، امام

بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات کے ایک باب مین اس پر بحث کی ہے، اور منجملہ اور رایون کے ایک راے

یہ بھی نقل کی ہے کہ یہ وُلاہ سے مشتق ہے جس کے معنی اوس محبت کے ہین، جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے،

مزید تحقیق کے لئے لسان العرب اور نہایہ ابن اثیر ملاحظہ فرمائیں،

آپ نے میری سیرت جلد چہارم کا حوالہ دیا ہے، وہاں کی عبارت یہ ہے:۔

"اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اوس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جائے بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اوس کے معنی ہیں، وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت و محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے" اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں،

آپ کی عبارت سے دھوکا ہوتا ہے کہ میں نے لفظ اللہ کے یہی ایک معنی لکھے ہیں، حالانکہ میں نے متعدد اقوال نقل کر دیئے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیرۃ کی اسی جلد کے دوسرے موقع (محبت الٰہی) پر خاکسار نے یہ بھی لکھا ہے:۔

"ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گو ان کی حیثیت اب عَلَم اور نام کی ہو تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھکر استعمال کئے گئے تھے، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لئے اوسی وصف کو پسند کیا جو اوس کے نزدیک اوس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور عَلَم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے، اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وَلَاہٌ سے نکلا اور وِلَاہٌ کے اصل معنی عربی میں اوس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں، جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری

زبان میں لفظ وَالِہ (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے اللہ کے معنی محبوب اور پیارے کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگرداں متحیر اور پریشان ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں "من موہن" یعنی دلوں کا محبوب کیا کرتے تھے"۔ (صفحہ ۵۲۲)

آپ کا یہ کہنا کہ میں تو لفظ اللہ کو یوں سمجھتا ہوں، جیسے قدیم آریوں کا لفظ "اوم" جو رگ وید میں آیا ہے، آپ کا مقصد گویہ ہے کہ جس طرح ہندوؤں کے لفظ اوم کا کوئی مشتق منہ سنسکرت میں نہیں، اسی طرح اللہ کا لفظ بھی کوئی مشتق منہ نہیں رکھتا، اور ایک اسم جامد ہے، جو صرف خدا کے علم کے لئے وضع ہوا ہے تاہم اس تشبیہ سے مجھے گرانی ہوئی، آپ کا نفس خیال تو عام ابتدائی فلسفیانہ و منطقیانہ کتابوں میں مذکور ہے، اور بڑی کتابوں میں بھی ہے امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

المختار عندنا ان ھذا اللفظ	ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ لفظ
اسم علم لله تعالیٰ وانه	اللہ اسم علم ہے، اور یہ مشتق نہیں ہے،
لیس بمشتق البتة وھو قول الخلیل وسیبویه	یہی قول خلیل سیبویہ اور اکثر اصولیین اور
وقول اکثر الاصولیین والفقھاء (تفسیر کبیر اول ص ۱۲۱)	فقہاء کا ہے،

پھر امام رازی نے اس مسلک پر چند دلیلیں قائم کی ہیں، اس کے بعد ان لوگوں کی رائے لکھی ہے جو اس کو مشتق مانتے ہیں، ان کے دلائل ذکر کئے ہیں، پھر اختصار کے ساتھ ان کا رد لکھا ہے،

بہرحال یہ دونوں رائیں ہیں، اور دونوں کے کہنے والے اور ماننے والے ہیں، اور دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، لیکن آج کل کے محققین علم الاشتقاق نے یہ بات واضح کی ہے، کہ کوئی لفظ اپنی اصل وضع میں کسی مناسب معنی کے بغیر نہیں ہے، گو مرور زمانہ اور لفظ کی ابتدائی شکلوں کے فراموش ہوجانے سے

یا مختلف زبانون مین اوس کے الٹ پھیر ہو جانے کی وجہ سے اس کی اصلیت باقی رہی، ورنہ اوس کی مناسبت کا ہم کو پتہ چلتا ہے، چنانچہ یہی لفظ اللہ ہے جس کی مختلف شکلیں مختلف سامی زبانون مین ملتی ہین، جیسے ایل بابل اور اسرائیل وغیرہ مین یا لفظ الوہ مین ملتی ہے، توراۃ کے شروع مین الوہیم آیا ہے تفصیل کے لئے ارض القرآن کی دوسری جلد مین "مذاہب عرب قبل اسلام" دیکھئے، (ص ۲۴۴، ۲۴۵) اس سے معلوم ہوگیا کہ ایل اور الوہ کے الفاظ معبود کے معنی مین اکثر سامی زبانون مین بولے گئے ہین، قدیم عربی زبان مین عرب معبود کا نام ہیروڈوٹس یونانی مورخ کے بیان کے مطابق ایلات تھا کیا عجب کہ زمانہ بعثت کے جاہل عربون کے مشہور دیوتا اللات کی اصل ہو، عربی زبان مین اہل لغت نے لکھا ہے، کہ اہل عرب آفتاب دیوی کو الٰاہتہ، "اُلٰہتہ" کہتے تھے، اور اس کی مختلف شکلیں نقل کی گئی ہین، الایھہ الإلھہ، الاھہ، اُلھہ سب کے معنی آفتاب کے ہیں، جس کی پرستش بعض اہل عرب میں رائج تھی، جیسا کہ قرآن پاک مین ہے،

لاتسجدو اللشمس والقمر واسجدوا آفتاب و ماہتاب کے سامنے سجدہ نہ کرو

للہ الذی خلقھن، اس اللہ کا سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا،

قرآنی تعریفون اور قدیم کتبات سے یہ بات ثابت ہے،

قدیم عربی مین لاھُوتَ اور اللّٰھُوتَ کے جو لفظ بولے گئے ہین، اور دوسرا لفظ اب بھی بولا جاتا ہے وہ بھی اسی سامی اشتقاق کی صورت ہے،

قرآن پاک مین معبودان باطل کے لئے "اٰلھۃ" کا لفظ بصورت جمع جس کا واحد الٰہ ہی بکثرت بولا گیا ہے، جیسے اذا لذھب کل الٰہ بما خلق ء الٰہ مع اللہ لو کان فیھما الھۃ، اور جیسا کہ کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ مین ہے، اس سے بتواتر ثابت ہوگیا، کہ عربی زبان مین سامی زبانون کی طرح "الٰہ" کا لفظ معبود اور قابل پرستش کے معنون مین ہے، اس سے ان لوگون کے خیال کا ابطال ہو جاتا ہے، جو اللہ کو محض اسم جامد غیر مشتق اور اسم علم کے علاوہ دوسرے معنون کیلئے غیر موضوع سمجھتے ہین، اور یہ تفریق معلوم ہوئی کہ الٰہ مطلق معبود کے معنی مین اور

الف لام لگ کر الالٰہ یا اللہ معبود برحق کے معنی مین قدیم زمانہ سے عربون مین رائج ہے، اور بے معنی اسم جامد اور محض اسم علم نہین ہے،

اسم اعظم کے متعلق ہمارے مفسرین نے اسرائیلیات سے لیکر ایک ہی جگہ تذکرہ کیا ہے اور وہ ملکۂ سبا کے قصہ مین ہے، جہان حضرت سلیمانؑ کے ملکۂ سبا کے تخت منگوانے کا ذکر ہے،

اس موقع پر اَلَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ (نمل) کسی نے توراۃ مراد لیا ہے، اور کسی نے اسم اعظم، لیکن اس کے متعلق ارض القرآن جلد اوّل ص ۲۰۰ میں، میں نے لکھا تھا،

"اسم اعظم کا تخیل ایک جاہلانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے، اسلام کے رو سے یہ کوئی شئے نہین ہے البتہ یہودیون مین یہ خیال اب تک موجود ہے"

مجھے اب تک اوس کے خلاف معلوم نہین اور اب تک احادیث سے یہ ثابت ہے اور قرآن پاک سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے، کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے تمام نامون کا علم نہین بخشا گیا ہے، چنانچہ ابن حبان، حاکم، ابویعلی، ابن ابی شیبہ، طبرانی کے حوالہ سے ایک دعا منقول ہے، جس مین فرمایا

اسئالک بکل اسم ھو لک سمیت	تیرے ہر اوس نام کے ذریعہ تجھ سے سوال
بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او	کرتا ہون، جس سے تونے اپنا نام رکھا ہے
علمتہ احدًا من خلقک او	یا تو نے اپنی کتاب مین نازل فرمایا ہے، یا اپنی
استاثرت بہ فی علم الغیب عندک	مخلوق مین سے کسی کو بتایا ہے، یا اپنے پاس
	علم غیب مین پوشیدہ رکھا ہے،

الاسماء والصفات بیہقی مین ایک حدیث ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہین،

قالت یا رسول اللہ علمنی اسم اللہ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ
الذی اذا دعی بہ اجاب قال لھا	یا رسول اللہ مجھکو اللہ تعالیٰ کا وہ نام بتایئے

صلی اللہ علیہ وسلم قومی فتوضی وادخلی المسجد
فصلی رکعتین ثم ادعی حتی اسمع ففعلت
فلما جلست للدعا قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم اللھم وفقھا فقالت
اللھم انی اسئلک بجمیع اسمائک الحسنی
کلھا ما علمنا منھا ومالم نعلم و
واسئلک باسمک العظیم الاعظم
الکبیر الاکبر الذی من دعاک بہ
اجبتہ ومن سالک بہ اعطیتہ
قال یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اصبتہ اصبتہ
(صفحہ ۵)

کہ جب اوس کو لے کر دعا مانگی جائے تو قبول
ضرور ہو، حضورؐ نے فرمایا، اٹھو وضو کرو مسجد
مین جاؤ، اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر دعا مانگو،
یہان تک کہ میں سنون حضرت عائشہؓ نے ایسا
ہی کیا، جب دعا کے لئے اٹھین تو حضورؐ نے
فرمایا، کہ خداوندا ان کو توفیق دے، حضرت
عائشہؓ نے دعا میں فرمایا کہ خداوندا مین تیرے
تمام اچھے نامون کے ذریعہ دعا مانگتی ہون،
جو ہم کو معلوم ہین اور جو نہیں معلوم ہین، اور تیرے
اس بڑے نام کے ذریعہ مانگتی ہون، کہ جو بھی
اس کے ذریعہ مانگے تو اسکی دعا ضرور قبول
فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کہ تم نے ٹھیک کیا،

اس میں بھی اسم اعظم بطور صفت کے ہے علم کی حیثیت نہین معلوم ہوتی، البتہ یہودیون مین یہ خیال پرانا ہے، چنانچہ ان کے یہان خدا کا اصلی نام "یہواہ" ہے، مگر لکھتے یہواہ ہین، اور پڑھتے سیدنا (ادونائی) ہین، اور ان کا خیال ہے، کہ حضرت سلیمانؑ کو یہی اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ سے وہ جن و بشر پر بادشاہی کرتے تھے، لیکن قرآن پاک اور احادیث مین اس کا کوئی بیان نہین ہے،

والسلام

"س"

بوہرے

جناب محمد علی صاحب

بتوسط ایم عبدالحسین اینڈ برادرس پرانی منڈی اجمیر

السّلام علیکم :- فرقہاے اسلام سے ایک فرقہ قوم "بواہر یا بوہرہ" کے نام سے مشہور ہے یہ لوگ زیادہ تر ہندوستان کے مغربی سواحل بمبئی سورت وغیرہ مقامات اور مالوہ گجرات کے صوبون مین زیادہ پائے جاتے ہین اسی قوم کے چند افراد راجپوتانہ مین خاصکر کے اودیپور میواڑ مین بہت ہین یہان اجمیر مین قریبًا سو گھر ہین، یہ لوگ مذہبی نقطۂ نگاہ سے اپنے عقیدون مین راسخ واقع ہوے ہین، ایک صاحب میرے مکان کے قریب رہتے ہین، چنانچہ دلچسپی کا سبب بنے ہوئے ہین، لہذا مین چاہتا ہون کہ ان لوگون کی پوری تاریخ سے واقفیت حاصل کرون یہ فرقہ کہان سے عام اسلامی شاخ سے علحدہ ہوا، آیا یہ ہندوستان ہی کی پیداوار ہے یا ان کے مبلغ ایران یا عراق وعرب سے یہان آئے، یہ اپنے کو شیعہ کی ایک شاخ بتاتے ہین آج سے غالبًا آٹھ دس برس پہلے رسالہ معارف میں میری نظرون سے ایک اشتہار چھپا ہوا گذرا تھا جس میں اس قوم کی پوری تاریخ لکھنے کا اعلان تھا اور کتابی صورت میں شائع ہونے والی تھی، غرض مجھے کوئی جامع اور صحیح تاریخی کتاب کی ضرورت ہے جو اردو مین چھپی ہوئی ہو، اگر آپ کے مطبع نے شائع کی ہو تو بذریعہ وی پی پارسل ارسال فرمادین یا کتاب اور جگہ کا پتہ جہان مل سکتی ہو، تحریر فرمادین، عین نوازش ہوگی، فقط

معارف :- محترم زاد لطفکم

السّلام علیکم آپ کا گرامی نامہ متعلق استفسار فرقہ بوہرہ موصول ہوا یاد فرمائی کا شکریہ، اون کی مختصر سرگذشت یہ ہے :-

مصر کے فاطمی خلفا مین سے آگے چل کر ایک خلیفہ الحاکم بامر اللہ ہوا، جس کے دو بیٹے ہوئے نزار اور علی الظاہر لاعزاز دین اللہ، اسی طرح فاطمی اسماعیلی، امامت دو حصون مین منقسم ہو گئی، ایک نزاری اور دوسرے ظاہری، ظاہر لاعزاز دین اللہ مصر کا خلیفہ ہوا، اور آخر یہ امامت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھون تباہ ہوئی، اس سلسلہ کے لوگ آج ہندوستان مین بوہرے کہلاتے ہین، اور نزاری کی بنا حسن بن صباح نے کوہستان ایران مین ڈالی اور قلعہ الموت مین باطنی حکومت کی بنیاد استوار کی، جس کا خاتمہ ہلاکو خان تاتار کے ہاتھون سے ہوا، اس سلسلہ کے امام ہز ہائنس سر آغا خان ہین، اور اول الذکر سلسلہ کے موجودہ امام ملا طاہر سیف الدین ہین،

"بوہرہ" گجراتی زبان کے لفظ "وہورو" سے نکلا ہے، جس کے معنی تاجر کے ہین اور بعض محقق اسکو عربی الاصل کہتے ہین مغربی ہند مین یہ جماعت صرف مسلمانون پر مشتمل نہین، بلکہ ان مین ہندو بوہرے بھی ہین، چونکہ اس جماعت کے بہت سے لوگ اسی فرقہ اسماعیلی میں داخل ہو کر مسلمان ہوئے، اس لئے اس مسلم جماعت کا نام بھی "بوہرہ" عرف عام میں پڑ گیا، چنانچہ ۱۹۰۱ء کے مردم شماری مین ۲۶۶۵ ہندو، اور ۲۵ جینیون نے اپنے کو بوہرہ جماعت مین سے قرار دیا ہے، اور اسی سال کی مردم شماری کے رو سے مسلمان بوہرون کی تعداد ۱۴۶۲۵۵ ہے، جن مین سے ۸۲۱۰۷ بمبئی پریسیڈنسی مین رہتے ہین، ان مین سے کچھ بوہرے اپنا تعلق عرب و مصر کے مہاجر خاندانون سے بتاتے ہین، ورنہ ان مین کی بڑی جماعت اون ہندو بوہرون پر مشتمل ہے، جو اسماعیلیون کے ہاتھون پر اسلام میں داخل کئے گئے ہین،

ہندوستان سے ان اسماعیلی بوہرون کا تعلق ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء سے پیدا ہوا، جب کہ ان مین کا ایک شخص عبد اللہ نامی یمن سے کھنبایت مین آیا، لیکن یہان ان کے مبلغ اول کی حیثیت سے محمد علی کا نام لیا جاتا ہے، جس کا زمانہ ۵۳۲ھ/۱۱۳۷ء کے قریب ہے، اور اس کا مقبرہ کھنبائت میں موجود ہے، ۱۲۵۰ء سے گجرات دلی کے ماتحت آ گیا، اور ۱۲۹۷ء سے ۱۴۰۲ء تک یہان خود مختار اسلامی سلطنت رہی، اسی اثنا مین ۹۴۶ھ یعنی ۱۵۳۹ء تک ان

بوہرون کا مرکزی تعلق یمن سے وابستہ رہا، یہان تک کہ اسی سال ۹۴۶ھ میں یوسف بن سلیمان ہندوستان آیا، اور اوس نے سیدھ پور میں جوان دنون ریاست بڑودہ مین ایک شہر ہے، اقامت اختیار کی، پچاس سال کے بعد ۱۵۸۸ء مین داؤد بن عجب شاہ کی وفات پر بوہرون میں دو فرقے ہو گئے، ایک جماعت نے اوس کے جانشین داؤد بن قطب شاہ کو منتخب کیا، اور دوسرے نے سلیمان کو جانشین بنایا، سلیمان اس دستاویز کے ساتھ گجرات آیا، جو اُسے داؤد بن عجب شاہ سے ملی تھی، مگر یہان بہت تھوڑے سے لوگ اوس کی امامت قبول کر سکے، اوس نے احمد آباد مین اقامت اختیار کی، اس طرح بوہرون کے دو فرقے قرار پائے، ایک داؤدیہ دوسرا سلیمانیہ، مگر موخر الذکر فرقہ کی بہت تھوڑی تعداد رہ سکی، فرقہ داؤدی کے لوگ تقریباً ۱۳۰۰۰۰ مین، اون کا امام جو "ملا" یا "داعی" کہا جاتا ہے، سورت مین اقامت گزین ہے،

فرقہ داؤدیہ کے امام کا فیصلہ، مذہبی و معاشرتی جملہ مسائل مین اوس کے پیروؤں کے لئے حکم ناطق ہوتا ہے، وہ ان کو سزائین بھی دیتا ہے، اور ہر پیرو کے لئے اپنی آمدنی کا پانچوان حصہ امام کی نذر کرنا ضروری ہے، نیز دیگر متعین مواقع شادی اور ولادت وغیرہ پر مختلف نذرین پیش کی جاتی ہین، فرقہ داؤدیہ کی تنظیم پورے طور پر مکمل ہے، نائب ملا یا نائب دعاۃ مختلف علاقون مین مامور ہین، جو تحصیل وصول و اصلاح و تنظیم مین شریک رہتے ہین،

۱۶۲۴ء اور ۱۷۸۹ء مین داؤدیون کے اندر بھی چند جماعتین پیدا ہوئین، اور وہ اپنی تاریخ پیدائش کی مختلف تفصیلات سے متعلق اپنے ان عقائد و یقینیات کے ساتھ اب بھی موجود ہین،

نیز بوہرون کی ایک جماعت "جعفری بوہرہ" بھی کہی جاتی ہے، یہ وہ بوہرے ہین، جو مظفر شاہ کے عہد حکومت (۱۴۰۷ء - ۱۴۱۱ء) مین سُنی ہو گئے تھے، یہ لوگ پندرہوین صدی عیسوی کے ایک شیخ طریقت سید احمد جعفر شیرازی کی طرف منسوب ہین، جنھون نے غالباً انھیں شیعیت سے نکال کر مذہب اہل سُنت میں داخل کیا تھا،

داؤدی بوہروں کی مذہبی کتابیں مستور رکھی گئی ہیں، صرف عبادات کی بعض کتابیں مثلاً صحیفۃ الصلوٰۃ چھپ سکی ہے،

دائم الاسلام اور الحقائق ان کی مذہبی کتابیں ہیں جن میں بوہرہ دعاۃ کے اقوال سے اسلام کو سمجھایا گیا ہے، بوہروں کے موجودہ امام ملا طاہر سیف الدین کی ایک تصنیف "ضوء نور الحق المبین" کے نام سے ۱۳۳۵ھ میں عربی زبان میں چھپ کر شائع ہوئی تھی، اس کتاب پر ہندوستان کے اسلامی پریس میں شدید ہنگامہ اٹھا، اور ان تحریروں کو جناب حاجی عمر حاجی احمد تاجر سورت نے جمع کرا کر ایک مستقل کتاب "سیف بردین" کے نام سے شائع کیا تھا،

سلسلہ گفتگو کے تتمہ کے طور پر آغا خانی جماعت کے متعلق بھی عرض کر دیا جائے کہ ہندوستان سے اس جماعت کی امامت کا تعلق امام حسن علی شاہ معروف بہ آغا خان اول کے ورود ہند سے ہوتا ہے، جو ۱۲۵۰ھ میں فتح علی شاہ ایران کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اور انگریزی حکومت نے بعض خدمات کے صلہ میں ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، اس کا صدر مقام قرار پایا، موجودہ امام سر آغا خان سوم ہیں، اور اپنے سلسلہ امامت کے لحاظ سے ۴۸ ویں امام ہیں،

بوہروں کے متعلق ہمارے علم میں اردو میں کوئی مستقل کتاب ابھی تک نہیں ہے، خوجہ یعنی آغا خانی جماعت کے حالات ہفتہ وار صحیفہ اسماعیلی بمبئی کے گولڈن جوبلی نمبر میں مختصراً دیکھنے میں آئے تھے، خوجہ اور بوہرہ دونوں جماعتوں پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آپ کو کسی قدر حالات مل جائیں گے تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کریں،

مولانا سید ابو ظفر ندوی نے بوہروں پر ایک مستقل کتاب اردو میں لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہ ہو سکی ہے، اس کے ایک باب کا ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد میں ۱۹۳۵ء میں چھپا تھا، مولانا موصوف سے انجمن گجراتی سوسائٹی گجرات احمد آباد کے پتہ سے مزید معلومات آپ حاصل کر سکتے ہیں، والسلام   "ر"

ادبیات

پیام اقبال

از

جناب نکہت شاہجہانپوری

خرمنِ عقل و ہوش میں آگ سی اک لگائے جا　　　کشمکشِ حیات پر برقِ عمل گرائے جا
سوزِ درون بڑھائے جا قلب و جگر جلائے جا　　　شمعِ حیات گل نہ کر عشق کی لو لگائے جا
تیرے جہانِ سوز میں طور کی بجلیاں بھی ہیں　　　ذوقِ تجلیات سے روح کو جگمگائے جا
ساغرِ گل کی مستیاں وجہِ نشاط بن چکیں　　　بادۂ تلخکام سے تشنہ لبی بجھائے جا
مقصدِ زندگی مگر کشمکشِ حیات ہے　　　لالہ و گل کے رنگ سے خونِ جگر پلائے جا
قیدِ تعینات میں لیلیٔ آرزو کہاں　　　دشتِ جنون نواز میں گامِ طلب اٹھائے جا
تابِ نظارہ گر نہ ہو حسرتِ دید ہی سہی　　　شوقِ تجلیات میں حسنِ نظر بڑھائے جا
تیرے سجود پر مگر عرش بریں کو ناز ہو　　　غیرِ خدا کے سامنے سر کو نہ یوں جھکائے جا
اٹھی ہیں سمتِ غرب سے کفر و بلا کی آندھیاں　　　عشق کا شعلہ زار بن شمعِ خرد بجھائے جا
قیدِ حیات[1] و بندِ غم، شعبدۂ خیال ہے　　　تو غمِ زندگی نہ بن موت پہ مسکرائے جا

صاحبِ بالِ جبرئیل اف یہ تری نوازشیں
نکہتِ پر خمار کو جامِ خودی پلائے جا

---

[1] تلمیح بہ طرف شعر غالب؛ قید حیات و بند غم [illegible]

سرشارِ خواب

از جناب آتش صدیقی

خوب ہے ذوقِ نظر حسن حجاب اچھا ہو
دل ہو بیدار تو ہر خوابِ شباب اچھا ہو

نہ یقین ہو تو اُسی نرگسِ مخمور سے پوچھ
عشق جتنا بھی ہو سرشارِ خواب اچھا ہو

کچھ بھی ہو حیرتِ نظارہ کہ تمکینِ جمال
حسن ہر رنگ مین مانوسِ حجاب اچھا ہو

سازِ ناہید فلک ہو کہ دلِ شکستہ
درد مضراب ہو جس کی وہ رباب اچھا ہو

ماورا عالمِ اسباب سے ہے عالمِ عشق
سب سوالون کا یہی ایک جواب اچھا ہو

اک نگاہِ غلط انداز ہے جس کا عنوان
لاکھ بیداری عالم سے وہ خواب اچھا ہو

زندگی حرفِ غلط ہے رخِ محبوب بہ آتش
ورنہ یون مشغلۂ علم و کتاب اچھا ہو

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

چمن سے قفس تک دھوان دیکھتا ہون
نشیمن کی چنگاریان دیکھتا ہون

یہ محدود سی شے اور اتنی رسائی
مقامِ دلِ ناتوان دیکھتا ہون

تری عظمتِ کبریائی کے آگے
خودی کو بھی سجدہ کنان دیکھتا ہون

جہان طائرِ سدرہ اڑکر نہ پہنچے
قلندر کی منزل وہان دیکھتا ہون

زہے اوجِ آدم کہ نقشِ قدم پر
فرشتون کی پیشانیان دیکھتا ہون

محبت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ شے حاصلِ دو جہان دیکھتا ہون

جہان حسن کی بے نیازی بھی گم ہو
وہان عشق کو حکمران دیکھتا ہون

شفیقِ سخنور جو ننگِ وطن تھا
اُسے فخرِ ہندوستان دیکھتا ہون

مطبوعات جدیدہ

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول، مرتبہ جناب ڈاکٹر محی الدین صاحب زور قادری معتمد اعزازی

ادارۂ ادبیات اردو، تقطیع بڑی، ضخامت ۳۹۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد: ۔ٔ۵ر

پتہ:۔ سب رس کتاب گھر، خیرت آباد، حیدر آباد دکن،

ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد اردو زبان کی جو مختلف النوع مفید خدمات انجام دے رہا ہے، وہ باخبر اصحاب سے مخفی نہیں، اس سلسلہ مین اوس نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہے، جس کے مخطوطات کی تعداد کئی ہزار تک پہونچ گئی ہے، ان مین بہت سے نادر اور تاریخی مخطوطے بھی ہین، ادارہ کے لائق کارکنون نے اب اس کتب خانے مین مخطوطات کی فہرست کی ترتیب کا کام شروع کیا ہے، چنانچہ اس کے فاضل معتمد ڈاکٹر محی الدین صاحب زور نے اردو مخطوطات کی پہلی جلد مرتب کی ہے، اس مین مذہبیات، قرآن وحدیث، فقہ وتصوف، مواعظ و نصائح، ادعیہ ومناجات، سیر ومناقب نبوی، اہل بیت وصحابۂ کرام اور دوسرے بزرگان دین کی سوانح وفضائل اور سلاطین و امراء کے حالات، منظومات، قصص وحکایات، لغت، عروض وانشاء، طب، اور بعض عقلی علوم کے ۲۰۵ مخطوطات کی مفصل فہرست ہے، جن مصنفین کے حالات معلوم ہوسکے ہین، ان کے مختصر حالات مخطوطہ کی کیفیت تصنیف وکتابت کے سنین، کتاب کے شروع وآخر کی عبارت یا اشعار، ہر کتاب کے متعلق ضروری معلومات دیدیئے ہین، لیکن مخطوطات خصوصاً غیر معروف مصنفین اور ان کی تصانیف کی فہرست کی ترتیب کا کام اتنا دشوار ہے، کہ اس سے پوری طرح عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے، تاہم لائق مرتب نے ہر کتاب کے متعلق حتی الامکان ضروری اور صحیح معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی یہ کوشش اس حیثیت سے

زیادہ قابلِ قدر ہی کہ اس فہرست کے ذریعہ اردو کے بہت سے نادر مخطوطات کا علم شائقین کو ہو جائے گا، کتاب کے آخر مین اسمار ادراشخاص کے اعلام کا اشاریہ بھی دیدیا ہے، جس سے تصانیف اور مصنفین کی تلاش مین سہولت پیدا ہوگئی ہے، امید ہے کہ دوسری جلد بھی جلد شائع ہو گی،

دورِ جدید کے چند منتخب ہندو شعرا | ازجناب عبدالشکور صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سے ، پتہ :- کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

اردو زبان کی تعمیر و ترقی مین ہندو مسلمان دونون کا مساوی حصہ ہے، اور کوئی دور ایسا نہین گذرا ہے جس مین مسلمانون کے ساتھ اردو زبان اور شعر و ادب کے ہندو اہلِ کمال موجود نہ رہے ہون، اور بعض جماعتون کی جانب سے اردو کی مخالفت کے باوجود آج بھی اردو زبان کے ہر شعبہ مین ایسے ہندو اہلِ کمال موجود ہین، جن کا درجہ کسی طرح مسلمانون سے کم نہین ہو، اردو شعرا کے تذکرہ نگارون کی یہ بڑی فروگذاشت ہے، کہ انھون نے مسلمان اہلِ کمال کے مقابلہ مین ہندو اصحابِ کمال کا تذکرہ کم لکھا ہے، اس لئے اس کی بڑی ضرورت تھی کہ اردو شعر و ادب کی کتابون مین ان کے خدمات کا پورا اعتراف کیا جائے، اور اس کے مطابق ان کو جگہ دیجائے، لائق مؤلف نے مذکورۂ بالا کتاب لکھ کر ایک حد تک یہ فرض انجام دیا ہے، اس مین رتن ناتھ سرشار اور چکبست کے زمانہ سے لیکر موجودہ دور تک نو متوفی اور بائیس موجود ممتاز ہندو شعرا کے مختصر حالات لکھے ہین، ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، اور اس کا نمونہ دیا ہے، لیکن اس کتاب مین صرف ممتاز و مشاہیر شعرا کے حالات ہین، اگر اس کو اور وسعت دیجائے تو یہ تعداد اور زیادہ بڑھ سکتی ہے، لائق مؤلف کی یہ کوشش قابلِ قدر ہے، انھون نے یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا، اور اہلِ قلم کو ایک ضروری موضوع کی طرف متوجہ کر دیا، ممکن ہو آیندہ کوئی صاحبِ قلم اس موضوع پر اس سے زیادہ وسعت و جامعیت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کرین،

مشاہیر یونان و روما جلد اول مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی تقطیع بڑی،

ضخامت ۴۸۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، غیر مجلد :- سہہ
پتہ :- انجمن ترقی اردو ہند، دہلی،

حکیم پلوٹارک یونانی کی مشہور کتاب Paralleel Lives دنیا کی اہم کتابوں میں سے ہے، اس میں یونان ورومہ کے ایسے مختلف اصناف کمال کے چھیالیس اکابر اور نامور اشخاص کے حالات ہیں، جو اپنے اخلاق وسیرت کی بلندی، قوم وملک کے لئے ایثار وجانبازی اور اپنے زندہ جاوید کارناموں کے لحاظ سے ساری دنیا کے لئے نمونۂ عمل تھے، اور جن کی مثال نے یورپ کے بڑے بڑے مصلحین کو متاثر کیا، اور انھوں نے جدید یورپ کی تجدید واصلاح کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، یہ اہم کتاب اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، انجمن ترقی اردو نے آج سے تقریبًا پچیس سال پیشتر مشاہیر یونان ورومہ کے نام سے اس کی پہلی جلد کا ترجمہ شائع کیا تھا، اب اوس نے پوری کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس سلسلہ میں پہلی جلد کے ترجمہ پر نظر ثانی اور ترمیم کرکے اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، اس جلد میں آٹھ مشاہیر کے حالات ہیں، کتاب کے شروع میں فاضل مترجم کے قلم سے قدیم یونان ورومہ کی مختصر تاریخ ہے جس سے کتاب کے اشخاص کے حالات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ترجمہ کی خوبی کے لئے لائق مترجم کا نام کافی ہے، اس کتاب کی مکمل اشاعت کے بعد اردو میں ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوگا،

تعلیم کا مسئلہ، از جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی پروفیسر ریاضی جامعہ عثمانیہ،
تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- عہ، پتہ سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد دکن،

حکومت نے اپنے مصالح کے اعتبار سے ہندوستان کا نظام تعلیم ایک خاص نہج کا بنایا تھا، جو نہ صرف قومی اور ملکی بلکہ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی اتنا ناقص اور تعلیم کے اصلی مقاصد سے اتنا دور ہے، کہ وہ ملک کے لئے مفید اور کارآمد تعلیم یافتہ اشخاص پیدا نہیں کرسکتا اور یہ مسئلہ اتنا مسلم ہوچکا ہے کہ ہندوستان کے قومی ماہرین

تعلیم کے لئے بھی لائق غور بنا ہوا ہے، جناب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے اس کتاب مین صحیح تعلیمی اور قومی و ملی نقطۂ نظر سے مسئلہ تعلیم پر بحث کر کے مسلمانون کے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا ہے، اور تعلیم و تربیت کی اصلی غرض و غایت ظاہر کر کے موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دکھائے ہین، اور قومی و ملکی ضروریات کے مطابق ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تینون تعلیمی مدارج کا نظام اور نصاب پیش کیا ہے، اور جامعات کے شعبۂ فنون کی موجودہ تقسیم کے متعلق بعض تجویزین پیش کی ہین، اس خاکہ مین مسلمانون کی تعلیم کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹنے نہین پایا ہے، اور ملکی ملی اور مذہبی ہر نقطۂ نظر سے تعلیم کے تمام اجزاء وعناصر اور تعلیم سے متعلق دوسرے ضروری مسائل پر بڑی سنجیدگی اور اعتدال و توازن کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور نصاب مین ان سب کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، یہ کتاب مسلمانون کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب، اساتذہ، آزادی پسند نوجوان طلبہ اور ان کے غلط بین والدین سب کے مطالعہ کے لائق ہے، اگرچہ یہ کتاب مسلمانون کی تعلیم پر لکھی گئی ہے لیکن بیشتر تعلیمی مسائل ہندو مسلمان دونون کے مشترکہ ہین، اس لئے یہ کتاب دونون قومون کے لئے مفید ہے گو یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اپنے مغز کے اعتبار سے طویل کتابون سے بھی بہتر ہے،

روح القرآن، مؤلفہ جناب فیروز الدین خان، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے، پتہ ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

اس کتاب کا مقصد مسلمانون مین اسلامی امارت، اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی تبلیغ ہے، تمہید مین مصنف نے توحید، یوم آخرت، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقصد، کلام مجید کی اہمیت وضرورت، اس کے آخر الکتب ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مسائل پر مختصر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات اور انسانی معاشرت کے دوسرے مسائل اور حکومت کے بارہ مین کلام مجید کے احکام و تعلیمات اور اس کے اوامر و نواہی کی آیات کا ترجمہ پیش کیا ہے، اور سیرت نبوی، اور سیرت خلفاء راشدین اور ان دونون زمانون کے واقعات سے اسلامی تعلیمات کے اثرات ونتائج دکھائے ہین، اور اسلامی حکومت

کا نصب العین بتا کر قرآن پاک سے مسلمانون کی غفلت دکھائی ہے' اور مسلمانون کی تنظیم اسلامی امارت کی مذہبی اہمیت واضح کرکے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامیہ مین شامل ہونے کی ترغیب دی ہے، ان مباحث کے ضمن مین اور بھی بہت سے مفید مذہبی معلومات آگئے ہین، اس کتاب میں کلام مجید کی بہت سی تعلیمات یکجا کردی گئی ہین' اس لئے عام مسلمانون کے لئے مفید ہے، لیکن غالبًا مصنف نے کتاب کی ترتیب مین اصل عربی ماخذون کے بجائے زیادہ تر اردو تصانیف سے مدد لی ہے' اس لئے اون کی نگاہ سے بہت سے تاریخی گوشے مخفی رہ گئے ہیں جس کا اندازہ کتاب کے بعض مندرجات سے ہوتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین" ابوذر ایک متمول صحابی تھے" (ص ۸۰) جو صحیح نہین ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ تو سرمایہ داری کے سخت خلاف تھے، وہ کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا گناہ سمجھتے تھے، اور عمر بھر اس کی تبلیغ کرتے رہے، اس سلسلہ میں مولف نے غلامون کی تحقیر اور ان کو مارنے کا جو واقعہ ان کی جانب منسوب کیا ہو وہ بھی ان کی مساوات پسندی سے بعید ہے، معلوم نہین کہان سے نقل کیا ہے' حضرت ابوذر غفاریؓ تو غلامون کے ساتھ کسی قسم کا فرق وامتیاز روا نہ رکھتے تھے، جو خود کھاتے اور پہنتے تھے، وہی غلامون کو کھلاتے اور پہناتے تھے، یا ایک مقام پر لکھتے ہین "۹۹ھ میں ایک شخص عمر بن عبدالعزیز کو مسلمانون نے خلیفہ منتخب کیا" اس انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی جلالت شان سے ناواقف ہین' اس قسم کی بعض اور فروگذاشتین بھی ہین لیکن ان سے قطع نظر کتاب عام مسلمانون کیلئے مفید ہے، اس کا بڑا حصہ دارالمصنفین کی سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہے،

الف لیلۃ ولیلۃ حصہ سوم، مترجمہ ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب مرحوم سابق پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، تقطیع بڑی ضخامت ۴۵۵ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

الف لیلہ عربی کی اتنی مشہور ومقبول کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ تقریبًا دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانون مین

ہو چکا ہے، اردو مین بھی عرصہ ہوا، اس کا ترجمہ ہوا تھا، لیکن غالباً مکمل نہین ہے، دوسرے پرانا ہونے کی وجہ سے جدید مذاق کے مطابق نہین ہے، اس لئے مترجم مرحوم نے دوبارہ اس کا ترجمہ کیا تھا، اس کے دو حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، یہ تیسرا حصہ ہے، اس مین دوسو بیسوین رات سے چارسو اکسٹھوین رات تک کی حکایات ہین، ترجمہ کی صحت کا پورا اندازہ تو اصل سے مطابق کے بعد ہی ہو سکتا ہے لیکن مترجم مرحوم عربی کے فاضل تھے، اس لئے امید یہی ہے کہ ترجمہ صحیح ہوگا، ترجمہ کی عبارت سے مترجم کی احتیاط پوری طرح ظاہر ہے، امید ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہوگا،

تذکرہ دار العلوم از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت عہ پتہ حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سب سے قدیم درس گاہ حیدرآباد کا مدرسہ دار العلوم تھا، جس نے اب جامعہ عثمانیہ کی شکل اختیار کر لی ہے، یہ دار العلوم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء مین قائم ہوا، سنہ ہجری کے حساب سے اس کے قیام کو نوّے سال ہو چکے، اس لئے گذشتہ سال اوس کی ۹۰ سالہ جوبلی منائی گئی تھی، اس طویل مدت مین دار العلوم پر مدوجزر، اور ترقی وتنزل کے مختلف دور گذرے، مصنف نے جوبلی کی یادگار مین اسکی ۹۰ سالہ سرگذشت قلمبند کی ہے، حیدرآباد مین یہ دار العلوم تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے اس سرگذشت مین حیدرآباد کی پوری تعلیمی تاریخ آگئی ہے، آخر میں دار العلوم کے تعلیم یافتہ اشخاص کی علمی ومذہبی خدمات کا ذکر اور ممتاز ونامور اشخاص کے نام دیدیئے ہین،

چاند سورج کی چوری از جناب حیم حسن دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۸ صفحے قیمت عہ پتہ: نیا کتاب گھر، دوبازار دہلی

یہ ایک جاسوسی افسانہ ہے جس مین ہیروں کی چوری اور اس کا انکشاف دکھایا گیا ہے اس قسم کے افسانے عموماً دوسری زبانون سے ماخوذ ہوتے ہین، اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ مصنف کا طبعزاد ہے، اسکی تصدیق افسانہ کے پلاٹ سے بھی ہوتی ہے، اسمین پیچ اور حیرت انگیز واقعات کے بجائے سادہ طریقہ سے واقعات کو بیان کر دیا گیا ہے تاہم افسانہ دلچسپی سے خالی نہین، "تم"

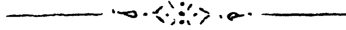
جلد ۵۳ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۴ء عدد ۶

مضامین

شذرات

موجودہ جنگ کے مصائب سے دنیا تنگ آچکی ہے اور بڑے بڑے عقلاء و مفکرین آیندہ لڑائیوں کے انسداد اور مخلوق کو اس کی تباہیوں سے بچانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں، گو اس سلسلہ میں ابھی کوئی صریح اور متعین تجویز سامنے نہیں آئی ہے لیکن یقین ہے کہ اسی قسم کی کوئی مادی و سیاسی تدبیر ہوگی جیسی تدبیریں اس سے پہلے اختیار کی جاچکی ہیں اور جن کی ناکامی کا تجربہ ہوچکا ہے، ممکن ہے ان تدبیروں سے لڑائیوں کا درمیانی وقفہ کچھ زیادہ طویل ہوجائے، لیکن ان سے ان کا انسداد ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ یہ لڑائیاں نتیجہ ہیں مغربی تمدن کی بنیادی خرابی کا، جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی دنیا کو امن و سکون حاصل نہیں ہوسکتا، جو تمدن و نظامِ حیات خدائے واحد کے یقین اور مذہب و روحانیت کے تصور سے خالی ہو اور جس کی بنیاد تمامتر مادیت پر ہو اس کا لازمی نتیجہ خودغرضی اور فساد فی الارض ہے، صرف زبان سے خدا کا نام لے لینا اور کسی مذہب کی جانب انتساب کافی نہیں ہے جب تک اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو، انسانی فطرت خودغرض اور نفس پرست واقع ہوئی ہے، اس کو روکنے والی چند چیزیں ہیں کسی اعلیٰ و برتر اور دانا و بینا ذات اور غالب و عادل قوت کا یقین، اعمال کے دنیوی یا اُخروی محاسبہ و مواخذہ کا خوف، ذاتی اخلاقی احساس و شرافت انسانی کا جذبہ، ان کے علاوہ دنیا کی کوئی اور طاقت انسانوں کو عالمگیر نظامِ اخلاق اور شرافت انسانی کے ضابطوں کا پابند نہیں بنا سکتی، فطری صالح اشخاص کے وجود اور ان کے انفرادی اخلاقی احساس سے انکار نہیں، ایسے اشخاص ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، لیکن من حیث القوم

مغربی قومیں اس احساس سے بالکل بیگانہ ہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ جن کی ضابطہ کی پابندی ضرب المثل ہے وہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں سب سے بڑی قانون شکن بنجاتی ہیں،



درحقیقت زندگی کے بارہ میں موجودہ تمدن کے خالص مادی تصور کے ساتھ عالمگیر اخلاقی احساس کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا، اس تصور نے مذہب و روحانیت سے قطع نظر خالص اخلاقی قدروں کو بھی ختم اور محدود قومیت و وطنیت نے عالمگیر انسانی اخوت و ہمدردی کا جذبہ بالکل سرد کردیا ہے، اور اپنی سیاسی سربلندی، اقتصادی برتری، ذاتی منفعت، تعیش کے زیادہ سے زیادہ وسائل کی فراہمی اور ان سے لذت اندوزی ہر قوم کا نصب العین بن گیا ہے، ان مقاصد کا لازمی نتیجہ خود غرضی، رشک و رقابت، اور جنگ و خونریزی ہے، اس لئے کہ ذاتی تفوق و برتری اور غیر محدود تعیش میں اخلاقی احساس، عالمگیر انسانی اخوت اور دوسروں کے حقوق کی گنجایش کہاں، چنانچہ اس تمدن کے پُرفخر کارنامے علم و سائنس کی حیرت انگیز ترقی، مشینی صنعت و حرفت و تجارت کا غیر معمولی فروغ، مصنوعات کا تنوع اور ان کی کثرت اور تعیش کے سامانوں کی فراوانی ہی جنگ و خونریزی کا سبب بن گئے ہیں، جو قوم ان اسباب و وسائل کے لحاظ سے ترقی کے جتنے ہی بلند درجہ پر ہوگی، اتنے ہی وہ اپنی برتری کے قیام اور جلب منفعت کے لئے دوسری قوموں کے حقوق کی پامالی پر مجبور ہوگی، جس کا لازمی نتیجہ جنگ و خونریزی ہے، اس لئے جب تک اس بنیادی خرابی کی اصلاح نہ ہوگی، اسوقت تک دنیا کو جنگ و بدامنی سے نجات نہیں مل سکتی،



بہت سی قدیم قومیں جو اپنے دور کی تمدنی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر تھیں، اس مادی تصور حیات اور عیش پرستی کی بدولت تباہ ہو چکی ہیں، کیا عجب ہے کہ آج بھی تاریخ اسی عبرت آموز سبق کو دہرا رہی ہو، اس لئے اگر یورپ کو

اپنی بقا منظور ہے تو اس کو اپنا تصورِ حیات بدلنا پڑے گا اور خدا کے برحق قانون کے سامنے سرخم کرنا پڑے گا ورنہ گذشتہ قوموں کی طرح اس کی تاریخ بھی فسانہ عبرت بنجائیگی یہ محض خوش اعتقادی ہے کہ ایسا عالمگیر اور عظیم الشان تمدن تباہ نہیں ہوسکتا، روما کے دورِ عروج میں کون اس کے زوال کا یقین کرسکتا تھا، قوموں کی بقا و فنا ان کے اعمال پر موقوف ہے، اور اس کا فیصلہ مستقبل کرتا ہے، تباہی کے معنی محض بے نام و نشان ہی ہوجانے کے نہیں ہیں، انسانی فلاح و سعادت کے بارہ میں کسی تمدن کی ناکامی بھی درحقیقت اس کی تباہی ہے، اس تمدن کی ناکامی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جو دنیا کو جنت ارضی بنا دینے کا مدعی تھا وہ آج اس کو جہنم بنا رہا ہے، خود یورپ کے مذہبی اور روحانی حلقوں سے اس مادہ پرستی کے خلاف آوازیں بلند ہورہی ہیں لیکن سیاست کے نقارخانہ میں مسیح کے طوطیوں کی آواز کون سنتا ہے،

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن نے اپنی چھوٹی عمر میں اردو زبان کی جو گوناگوں اور متنوع خدمات انجام دی ہیں اسکی مثال دوسرے اداروں میں مشکل سے ملیگی اب اس کے نوجوان اور بلند ہمت کارکنوں نے سارے ہندوستان میں اردو کی خدمت کے لئے ایک وسیع نظام کی ترتیب و قیام کی جانب قدم بڑھایا ہے، اور اس سلسلہ میں ۲۱، ۲۲، ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۴۴ کو حیدرآباد میں ایک آل انڈیا اردو کانگریس منعقد کی ہے اور اردو کے تمام بہی خواہوں خدمتگذاروں اور ہندوستان کے ممتاز اہل علم اور اصحاب قلم کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے، ادارۂ ادبیات اردو ایک علمی اور کارکن ادارہ ہے اسلئے یقین ہے کہ یہ کانگریس علمی نتائج کے اعتبار سے بھی نتیجہ خیز ہوگی، اردو کے بہی خواہوں کو اپنی شرکت اور مفید مشوروں سے اس کو کامیاب بنانا چاہئے، شمالی ہند میں اس مقصد کے لئے انجمن ترقی اردو موجود ہے، اور اس کے کہن سال لیکن جوان ہمت بزرگ جس ہمت و استقلال کے ساتھ اس کام میں منہمک ہیں وہ نوجوانوں کے لئے باعث رشک ہے، اس قطب شمالی کے ساتھ قطب جنوبی کی حرکت بھی مفید ہوگی اور امید ہے کہ ان دونوں کے اتحاد و اشتراک عمل سے کرۂ اردو کی رفتار میں اور تیزی پیدا ہوگی،

مقالات

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (ف ۱۳۲۳ھ)

امام وقت ابو حنیفہ عصر امیر المومنین فی الحدیث تھے، شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے حدیث پڑھی، اور درس حدیث نبوی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردیا، صدہا علما نے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی، جبتک بینائی قائم رہی، ہر سال دورۂ حدیث پورا کرتے تھے، جملہ صحاح ستہ پر آپ کی تقریرین ضبط کی گئی ہین جن مین سے الکوکب الدری ترمذی پر دو جلدون مین شائع ہو چکی ہے، جو آپ کے اجل تلامذہ مولانا شیخ محمد یحییٰؒ کاندھلوی کی ضبط کردہ اور ان کے صاحبزادہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا استاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور کے تحشیہ کے ساتھ مزین ہے، ایک اور تقریر اردو مین النفح الشذی کے نام سے شائع ہوئی ہے، آپ کی تقریرین تمام صحاح پر عربی، فارسی، اردو مین مولانا امان اللہ خان صاحب، اور مولانا سعد الدین خان صاحب کے پاس محفوظ ہین، خدا کرے اون کی اشاعت کا انتظام ہو جائے،

حضرت محدث گنگوہی کی تقاریر حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کو شرح معانی حدیث اور تطبیق متعارضات کا خداداد ملکہ عطا ہوا تھا، عدد رکعات تراویح اور قرأت خلف الامام کے متعلق آپ نے مستقل رسالے بھی تالیف فرمائے، لطائف رشیدیہ مین بعض مشکل احادیث کا عجیب و غریب حل فرمایا ہے، جنکو دیکھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ فیوض ولی اللّٰہی سے اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ حصہ آپ کو عطا فرمایا تھا،

کتب حدیث کی تلاش کا آپ کو بہت اہتمام تھا، سنن بیہقی کا نسخہ بڑی کوشش سے نقل کرا کے حاصل کیا"۔ (جواب حیدرآباد میں مکمل طبع ہو گئی ہے)

مولانا کی اولیات میں سے یہ ہے کہ دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کو مقدم کرتے تھے، کیونکہ موطا امام مالک گرچہ اولیت اور فضیلت کے اعتبار سے سب پر مقدم ہے مگر صناعت حدیث میں ترمذی کا مقام بہت بلند ہے، امام ترمذی ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً کلام کرتے ہیں، وجوہ علل سے خوب بحث کرتے ہیں جن کو سمجھ لینے کے بعد طالب علم کو فن حدیث سے پوری مناسبت ہو جاتی ہے، وہ ہر باب میں ایک دو حدیث روایت کر کے اوسی باب کی دوسری احادیث کی جانب اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جس پر تحقیق کے ساتھ کام کرنے سے طالب علم کو وسعت نظر حاصل ہو جاتی ہے، ابواب الاحکام کے ہر باب میں اقوال فقہاء و مذاہب صحابہؓ و تابعین بھی بیان کر جاتے ہیں جس کا جاننا مقلد اور مجتہد دونوں کو ضروری ہے، ترمذی کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد ہی طالب علم کو بخاری کے لطائف اسناد اور تراجم ابواب کی خوبیاں نظر آسکتی ہیں، اس لئے بخاری کا درس ترمذی کے بعد ہوتا تھا، مگر ترمذی کی تقدیم کا یہ مطلب نہ تھا کہ موطا امام مالک سے بے اعتنائی کی جائے جیسا آج کل عموماً ہمارے مدارس میں مشاہدہ ہے، مقام شکر ہے کہ اب ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے موطا امام مالک کی ضخیم شرح بنام اوجز المسالک تصنیف کر کے سنت ولی اللہی کو پھر زندہ کر دیا ہے، اب علماء و طلبہ کو موطائے امام مالک پر بھی توجہ ہونے لگی ہے، جو سلسلۂ ولی اللہی کو ہونا چاہئے،

مولانا احمد حسن محدث امروہی متوفی ۱۳۲۰ھ مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں بہت زیادہ ذکی اور استاذ کے نور نظر تھے درس حدیث کے لئے زندگی وقف کر دی تھی، استاد کی تقریریں آپ کو بہت محفوظ تھیں، اسی لئے آپ کا درس حدیث بہت مشہور تھا، آپ کے تلامذہ کے پاس وہ تقریریں محفوظ ہیں

مولانا محمد یحییٰ صاحب محدث کاندھلوی (ف ۱۳۳۴ھ) مولانا گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آخری دورۂ حدیث حضرت نے آپ ہی کی وجہ سے پڑھایا، آپ نے مولانا گنگوہی کی تمام صحاح پر تقاریر درس

کو بڑی قابلیت وضبط واتقان سے محفوظ فرمایا ہے، مدرسۂ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی جگہ سالہا درس حدیث دیتے رہے، بہت علما آپ سے فیضیاب ہوئے، اس ناچیز کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے، فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے چار نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن سے مجھے اپنی مغفرت اور کامیابی کی قوی امید ہے، (۱) محبت شیخ وخدمت شیخ (۲) محبت قرآن وسجود (۳) محبت رسول (۴) شغف حدیث

مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی حیات ہی میں آپ کا سہارنپور میں انتقال ہوگیا، تغمدہ اللہ برحمتہ ورضوانہ آپ کے بعد آپکے صاحبزادے مولوی محمد زکریا صاحب سلمہ جو الولد سر لابیہ کے پورے مصداق ہیں تالیف بذل المجہود میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے قوت بازو بنے، اور اب اپنے والد اور شیخ کی جگہ مدرسہ مظاہر علوم میں شیخ الحدیث ہیں اطال اللہ بقاءہ آمین۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ محدث دیوبند (ف ۱۳۳۹ھ)

آپ مولانا محمد قاسم صاحب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دار العلوم کے بعد آپ کو صدر مدرس دار العلوم بنایا گیا، آپ سے بیشمار علمانے حدیث پڑھی، اور سند حاصل کی، ترمذی پر آپ کی تقریر طبع ہوچکی ہے، ابوداؤد شریف پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، دار العلوم دیوبند کے فارغین کے پاس آپ کی وہ تقریریں محفوظ ہیں، جو صحاح ستہ کے درس میں آپ نے بیان فرمائیں جن سے آپ کی شان تحقیق ظاہر و باہر ہے، رسالہ عظمت وحی جو حدیث بدالوحی کی شرح ہے، اور شرح تراجم ابواب بخاری آپ کی حدیث دانی کی کافی دلیل ہے آپ کا علم بڑا عمیق تھا جس پر الادلہ وایضاح الادلہ واحسن القری شاہد عدل ہے، آپکے زمانہ میں دار العلوم دیوبند کو بہت نمایاں ترقی ہوئی جس کو عظیم الشان جلسۂ دستاربندی ۱۳۲۸ھ نے دنیا کے سامنے آفتاب کی طرح روشن کردیا تھا۔

شیخ وقت حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی (ف ۱۳۴۶ھ)

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

حضرت مولانا اپنے وقت میں محدث عالی الاسناد وفقیہ الوقت قطب الارشاد رئیس الاذکیا راس المناظرین تھے،

روحانی قوت بھی بہت زبردست تھی، آپ نے علم حدیث حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی سے حاصل کیا تھا جو مولینا احمد علی صاحب محدث سہارنپور کے بعد مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے اساتذۂ کل مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی اور صدر الصدور مولانا صدر الدین دہلوی اور مولانا رشید الدین دہلوی سے جملہ علوم حاصل کئے، اور بخاری شریف شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی، پھر مولانا خلیل احمد صاحب نے قیام بھوپال میں حضرت مولانا عبد القیوم بھوپالی سے بھی دوبارہ بخاری شریف، شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا اور مسلسلات شاہ ولی اللہ اور نوادر و ورثمین پڑھکر جملہ کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، آخر کی ان تین کتابوں کی سند متصل اس زمانہ میں بجز مولانا کے کسی کے پاس نہ تھی، اس لئے علماء جوق جوق مولانا کے پاس آتے، اور ان کتابوں کی سند حاصل کرتے تھے، پھر اسی سال ۱۲۹۳؁ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور مکہ مکرمہ میں مولانا الشیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت و اجازت حدیث حاصل کی، اور مدینہ منورہ میں محدث دار الہجرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سناکر اجازت حاصل کی اور مسلسل باجابۃ الدعا فی الملتزم کی اجازت بالتفصیل حاصل کی، پھر ۱۳۲۳؁ھ میں جب تیسری بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو مولانا السید احمد برزنجی مفتی الشافعیہ سے سند حدیث حاصل کی، اس وقت یہ ناکارہ بھی حضرت مولانا کے ہمراہ تھا، پھر ۱۳۲۹؁ھ میں مولانا السید بدر الدین محدث شام سے جو امام نووی کے مشہور دار الحدیث کے صدر نشین اور نہایت متبع سنت مرجع العلماء بزرگ تھے، بذریعہ خط کے سند حدیث حاصل کی، اس سے حضرت مولانا کا شغف بالحدیث بخوبی واضح ہے، آپ اپنے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے صدر مدرس مقرر ہوئے، اور ساری عمر درس حدیث و تفسیر و فقہ میں گذری، آخر عمر میں بذل المجہود سنن ابی داؤد کی شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تصنیف فرمائی، اس کی تالیف ۱۳۲۰؁ھ میں شروع ہوئی، اور شعبان ۱۳۴۵؁ھ میں مدینہ منورہ میں تمام ہوئی، اور اس خوشی میں مدینہ منورہ کے اعیان و علما کو دعوت دیگئی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ختم فتح الباری کے وقت مصر میں

شاندار ولیمہ کیا تھا، اس کتاب کے ختم کے بعد ہی آخر رمضان میں حضرت مولانا پر فالج کا اثر شروع ہو گیا، اور ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بقیع الغرقد میں قبور اہل بیت کے قریب دفن ہوئے، جو آپ کی دیرینہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ موت مدینہ اور جوار رسول عطا فرمائے، چنانچہ عطا کیا گیا،

تو چنین خواہی خدا خواہد چنین

می دہد یزدان مراد متقین "

بذل المجہود میں کیا ہے، اوس کو علماء خود سمجھ سکتے ہیں، مگر نمونہ کے طور پر چند باتیں عرض کر دیتا ہوں (۱) کوئی بات اوس وقت تک نہیں لکھی گئی جب تک متقدمین کے کلام میں اس کی تائید نہ مل گئی (۲) مذہب حنفی کی پوری تحقیق اور کافی دلائل بیان کئے گئے، دوسرے مذاہب کے دلائل کا جواب بھی نہایت تحقیق سے دیا گیا (۳) ہر راوی کے متعلق پوری جرح و تعدیل صناعت حدیث کے موافق کی گئی (۴) جو روایات ابو داؤد میں معلق تھیں، ان کا دوسری کتابوں سے متصل ہونا ظاہر کیا گیا (۵) جو روایات ابو داؤد میں مختصر تھیں، ان کو دوسری کتابوں سے جہاں مفصل ہیں، مکمل طور سے بیان کیا گیا یا حوالہ دیدیا گیا، (۶) حدیث رسول کا منشا ظاہر کرکے وہ محاسن و حقائق بیان کئے گئے جن کا حظ فن داں محدث ہی اٹھا سکتا ہے (۷) بعض مقامات کو حضرت نے اول اپنی فہم کے مطابق املا کرایا، پھر خواب میں تنبیہ ہوئی کہ فلاں مضمون کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح لکھنا چاہئے، بیدار ہو کر کتابوں سے مراجعت کی گئی تو معلوم ہوا کہ خواب صحیح تھا، پھر اس مقام کو صحیح طور سے لکھا گیا، غرض اس کتاب کی تالیف میں تائید غیبی مولانا کی شامل حال تھی، رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ ورفعہ فی اعلیٰ علیین درجتہ وکرامتہ آمین،

حضرت مولانا کو حدیث کی نادر قلمی کتابیں جمع کرنے کا بہت شغف تھا، ابو داؤد کی شرح ابن رسلان جو بہترین شرح ہے، مکہ معظمہ میں دستیاب ہوئی تو اوس کی نقل کرا کر تالیف بذل المجہود میں اوس سے مدد لی، مصنف عبد الرزاق کی ایک جلد مدینہ منورہ میں ملی، اوس کی نقل کرائی، پھر کتب خانہ سندھ میں دوسری

جلد کا پتہ لگا، تو اوس کو نقل کرایا جمع الفوائد مجموعۂ جامع الاصول و مجمع الزوائد کا نسخہ مولانا عاشق الٰہی صاحب کو دستیاب ہوا، تو حضرت نے اس کے طبع کا حکم فرمایا چنانچہ طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ گئی،

حافظ حدیث بحر العلوم مولانا سید انور شاہ کشمیری (رف ۱۳۵۲ھ) آپ حضرت شیخ الہند کے جانشین اور مسند حدیث دار العلوم دیوبند کی زینت تھے اخیر عمر میں چند سال جامعہ ڈابھیل ضلع سورت کے بھی شیخ الحدیث رہے، آپکی قوت حافظہ کو دیکھ کر اسلاف محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، درس کے وقت روایات و تحقیقات کا سمندر جوش مارتا ہوا نظر آتا تھا، ایک دفعہ اس ناکارہ نے مولانا کی بیاض پر ایک نظر ڈالی جس میں بطور یادداشت کے مولانا کچھ نوٹ کر لیا کرتے تھے، میں حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، کہ ایک ایک مسئلہ کے لئے مختلف کتابوں کے متعدد صفحات کا حوالہ درج تھا، جو مولانا کے کثرت مطالعہ اور وسعت نظر کی روشن دلیل تھی، کمال یہ کہ وہ یادداشتیں صرف کتاب ہی میں نہ تھیں، بلکہ دماغ میں بھی محفوظ تھیں، اور درس کے وقت ان کے حوالہ سے عجیب و غریب تحقیقات بیان ہوتی تھیں، آپ کی امالی میں سے فیض الباری چار ضخیم جلدوں میں مصر میں طبع ہوئی ہے، یہ بخاری شریف کے درس کی تقریر ہے، جو آپ کے بعض تلامذہ نے ضبط کی تھی، جامع ترمذی کی تقریر العرف الشذی دو جلدوں میں ہے، ابوداؤد کی تقریر بھی دو جلدوں میں ہے، سنن ابن ماجہ پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، قراءۃ فاتحہ خلف الامام، اور صلوٰۃ الوتر اور رفع الیدین پر الگ الگ مستقل رسالے تصنیف فرمائے ہیں جن کو دیکھکر آپکے تبحر علمی اور حفظ حدیث اور وسعت نظر کی داد دینی پڑتی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کتب نادرۂ علم حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کا مولانا کو بڑا اہتمام تھا، معانی الآثار طحاوی کے رجال میں کتاب کشف الاستار بڑی محنت سے نقل کرائی، جو طبع ہو گئی ہے، کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں بہت کتابیں آپ کی محنت و طلب سے داخل ہوئیں،

محدث بنگال مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی (رف ۱۳۵۷ھ) آپ مولانا حکیم الامت تھانوی کے اجل تلامذہ سے تھے، حضرت حکیم الامۃ کی جگہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ۲۵ سال تک درس حدیث و فقہ

وتفسیر دیا، آپ کا حافظہ بڑا عجیب تھا، تلاوتِ قرآن کی طرح بخاری شریف کا ایک پارہ تلاوت کرنے کا روزانہ معمول تھا، گویا اس زمانہ مین بخاری شریف کے حافظ تھے، ایک نجدی عالم نے مکہ معظمہ مین بعض مسائل مین آپ سے گفتگو کی، اثنائے کلام مین ایک حدیث کی بابت مولانا سے دریافت کیا، کہ یہ حدیث بخاری مین کتنی جگہ آئی ہے، مولانا نے برجستہ جواب دیا، کہ چھ جگہ آئی ہے، نجدی عالم اس جواب سے متحیر ہو کر کہنے لگا، مجھے خبر نہ تھی کہ ہندوستان مین بھی حدیث کے حافظ موجود ہین، مولانا نے موطا امام مالک کی شرح عربی مین لکھنی شروع کی تھی، دو چار صفحہ کی شرح ۱۲۵ صفحات مین لکھی گئی، مگر افسوس ہے پوری نہ ہوئی ورنہ عجائب روزگار سے ہوتی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

وہ حکیم امتِ مصطفےٰ وہ مجددِ طرقِ ہدیٰ ٭ وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے اشرف علی مدارِ تقا شمس المعارف والتقی ٭ جو عمل سوا اپنے نمونۂ عملِ صحابہ دکھا گئے	حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی صاحب محدث تھانوی نور اللہ مرقدہ (ف سنہ ۱۳۶۲)

اسلامیانِ ہند کی یہ بزرگ ہستی ابھی چار مہینے پہلے ہماری نظرون کے سامنے تھی، اور ہمین فخر تھا کہ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھتا کہ اس وقت مسلمانون مین سلف کا نمونہ کون ہے؟ تو ہم یہ کہہ سکتے تھے، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا نے ایک قدم بھی خلافِ شریعت نہین اوٹھایا، آپنے صرف اللہ پر نظر رکھکر کام کیا، کسی والیۂ ریاست یا سلطان و لایت پر کسی وقت نظر نہین کی، آپ کی آٹھ سو کتابون اور ہزارہا خطوط مین جو مردون کے نام بھی ہین، اور عورتون کے بھی، کوئی بات ایسی نہین پیش کی جا سکتی، جس کو پڑھتے ہوے تہذیب کے چہرہ پہ جھینپ کے آثار نمودار ہون[1]،

مولانا ابتدائے عمر ہی سے جب کہ اٹھارہ سال کی عمر تھی، مصنف تھے، اور آخر عمر تک مصنف رہے، ایسا مصنف جس نے تقریبًا ہر علم مین تصنیف کی ہو، اور اتنی کثیر مقدار مین کتابین لکھی ہون، امام سیوطی کے بعد

---

[1] مسائل مخصوصۂ زنان اور مسائلِ طبیہ کو رہنے دیجئے کہ وہ عورتون کے مطالعہ کے لئے ہین، درس و تدریس کے لئے نہین ہین اور انکی ضرورت سے کسی طرح انکار نہین ہو سکتا پھر وہ مولانا کی تصنیف نہین ہین، بلکہ ان کے شاگردون کے قلم سے نکلے ہوئے ہین،

مولانا کے سوا نہیں دیکھا گیا، وعظ اور خوش بیانی میں تو بے نظیر تھے ہی، کہ جس جلسہ میں تقریر کو کھڑے ہوئے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی" مولانا نے اپنی تصانیف سے دنیوی نفع کبھی حاصل نہیں کیا، نہ کسی کتاب کا حق تصنیف کسی سے لیا، تمام کتابیں اللہ کے لئے اور اصلاح امت کے لئے لکھیں، اور ہر شخص کو چھاپنے کی اجازت دیدی،

میں اس وقت صرف آپ کی خدمتِ حدیث پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ عام طور پر مسلمان آپ کو ایک صوفی، عالم، مفسر، فقیہ، واعظ کی حیثیت ہی سے پہچانتے ہیں، حالانکہ خدمتِ حدیث بھی اس زمانہ میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپ کے تاجِ مجددیت کا درخشاں گوہر ہے، آپنے علم حدیث کی باقاعدہ سند ملا محمود دیوبندی اور مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اور مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند سے حاصل کی، ملا محمود صاحب اور مولینا محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھی، اور مولانا محمود حسن صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب سے،

حضرت حکیم الامۃ کو قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل ہے، اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے بھی بعض کتب حدیث پڑھکر سند حاصل کی ہے، پندرہ برس تک مدرسہ جامع العلوم کانپور میں باقاعدہ حدیث کا درس دیا، اور آپکے شاگردوں میں بکثرت محدث پیدا ہوئے، جن میں مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے زیادہ روشن ہے،

حضرت مولانا حکیم الامت نے ۱۳۱۵ھ میں توکلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام فرمایا، اس وقت سے باقاعدہ درسِ حدیث کا سلسلہ ملتوی ہوگیا، اور ہمہ تن تزکیہ و تربیتِ قلوب و اصلاحِ امت میں مشغول ہوگئے، مگر علما، اس مدت میں بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے، علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصری نے جو مصر کے اجلۂ علما محققین و مصنفین سے ہیں، بذریعہ خط کے حضرت سے حدیث کی سند حاصل کی، اسانید حدیث میں مولانا کا رسالہ السبعۃ السیارہ طبع ہوچکا ہے، ترمذی پر آپ کا حاشیہ الثواب الجلی بھی طبع

ہو چکا ہے، دوسرا حاشیہ المسک الذکی بصورت مسودہ مکمل ہے، ایک جہل حدیث بھی طبع ہو چکی ہے جس میں مسلم شریف سے چالیس حدیثیں نسخہ ہمام کی جمع کی گئی ہیں جن کو معمر ہمام بن منبہ سے وہ ابوہریرہ سے اور ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، سب حدیثوں کی سند ایک ہی ہے، مولانا کے مواعظ و رسائل میں میرے اندازے میں پانچ ہزار حدیثوں سے کم نہیں جن کی شرح کرکے امت کو تبلیغ کی گئی ہے،

۱۳۳۰ھ میں آپ کو دلائلِ حدیثیہ للحنفیہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو جامع الآثار اور تابع الآثار دو رسالے تصنیف فرمائے جن میں ابواب الصلوٰۃ تک وہ حدیثیں جمع کی گئیں جو حنفیہ کی دلیل ہیں، پھر تمام ابواب کے دلائل کا استیعاب کرنا چاہا، اور احیاء السنن کے نام سے ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی مگر جس عالم کو اس پر نظرِ ثانی کے لئے متعین کیا گیا تھا، اوس نے اپنی رائے سے اس میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کر دی، کہ مولانا کی تصنیف باقی نہ رہی، بلکہ مستقل کتاب ہو گئی، اس لئے اوس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی، اور حضرت کے منشار کے موافق دوبارہ اس مہم کام کو انجام دیا گیا،[۱] پندرہ سال سے کچھ زیادہ مدت میں ابواب الصلوٰۃ سے ابواب المیراث تک جملہ ابوابِ فقہیہ کے دلائلِ احکام حدیث سے جمع کر دیئے گئے،

یہ کتاب جس کا نام اعلاء السنن ہے، بیس جلدوں میں تمام ہوئی ہے، ابتدار کی آٹھ جلدیں حرفاً حرفاً حضرت حکیم الامۃ کی نظر سے گذر چکی ہیں، بقیہ جلدوں میں مشکل اور مہم مقامات حضرت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں حضرت حکیم الامۃ کو اس کتاب کی تکمیل سے جسقدر مسرت ہوئی ہے، اوس کو لفظوں سے بیان نہیں کیا جا سکتا، فرماتے تھے، کہ اگر خانقاہ امدادیہ میں اعلاء السنن کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی، تو یہی کارنامہ اوس کا اتنا عظیم الشان ہے، کہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی، اس میں صرف حنفیہ ہی کے دلائلِ حدیثیہ نہیں بلکہ متن کتاب میں

---

[۱] قد در اللہ اتمامہ واکمالہ علی ید ھذا العبد الغریق فی الآثام اقل الانام ظفر احمد العثمانی التھانوی ولیس لی فیہ غیر الرسم والاسم وانما شیخہ نور اللہ مرقدہ ھو الروح فی ھذا الجسم،

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　آنچہ استاذ ازل گفت ہمان می گویم

احادیث مویدۂ حنفیہ ہین، اور حواشی مین بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے، پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ و فقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، کوشش کیگئی ہو کہ ہر مسئلہ مختلف فیہا مین حنفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا، اوسی کو مذہب حنفی قرار دیا گیا، تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہے کہ جس مسئلہ مین حنفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہوگا، تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہوگا، یا کوئی حدیث یا آثار صحابہ اون کے قول کی تائید مین ہون گے۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ مسئلہ مصراۃ مین بھی امام ابوحنیفہ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے، جس کو علامہ ابن حزم نے محلی مین روایت کیا ہے، اعلاء السنن مین تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی التقلید سے کام لیا گیا ہو، جس مسئلہ مین حنفیہ کی دلیل کمزور تھی، وہان صاف طور سے ضعف دلیل کا اعتراف کیا گیا، اور دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کیا گیا ہو،

جن حضرات کو مذہب حنفی پر مخالفتِ حدیث کا اعتراض ہے وہ انصاف سے کام نہین لیتے، جس مذہب مین مرسل و منقطع بھی حجت ہے، اور راوی مستور الحال کو قبول کیا گیا ہے، قولِ صحابی کو بھی قیاس سے مقدم مانا گیا ہے اوس سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا کون ہوسکتا ہے، ؟ بات یہ ہے کہ خبر واحد کی تصحیح و تضعیف میں جس طرح باہم محدثین مین اصولی اختلاف ہے، اسی طرح حنفیہ کو بھی بعض مقامات مین محدثین سے اصولی اختلاف ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک صحت خبر واحد کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے، کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور یہ اصول قیاسی نہین، بلکہ نصوص قرآنی اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہین، بعض علماے عصر نے حنفیہ کے کلام مین موافقت اصول کی شرط دیکھکر جو یہ دعوی کیا ہے، کہ حنفیہ روایت پر درایت کو مقدم کرتے ہین، یہ صحیح نہین ہے، حنفیہ کے نزدیک تو حدیث ضعیف اور مرسل بھی قیاس سے مقدم ہے، وہ درایت کو روایت پر مقدم کیسے کرسکتے ہین؟ حنفیہ کی مراد موافقتِ اصول سے اُن اصول کی موافقت ہے، جو نصوص قرآنیہ اور سنتِ مشہورہ سے ماخوذ اور امت کے نزدیک مسلّم ہین، یہ اور بات ہے کہ یہ اصول درایت و

قیاس کے موافق بھی ہین، مگر قیاس سے ماخوذ نہین، (ملاحظہ ہو ملفوظات عزیزیہ ص ۱۵ و ۱۶ (طبع مجتبائی میرٹھ)
اس قاعدہ کی بنا پر حنفیہ بعض بعض دفعہ ضعیف حدیث کو صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہین، کیونکہ ضعیف موافق اصول ہے، اور صحیح خلاف اصول، مگر وہ کسی حدیث کو رد نہین کرتے، بلکہ حدیث مرجوح کا بھی اچھا محمل بیان کر دیتے ہین، جس کی تائید حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک آثار و اقوال صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے مین بڑا دخل ہے، وہ ہر خبر واحد کو آثار صحابہ کی روشنی مین سمجھنے کی کوشش کرتے ہین، یہ ایک اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کرنا چاہئے،

اس کتاب کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت مین الگ چھپ چکا ہے، جس مین حنفیہ کے اصول حدیث جمع کئے گئے ہین، اور ثابت کیا گیا ہے، کہ جن اصول مین حنفیہ عام محدثین سے متفرد ہین، ان مین بھی بعض محدثین ان کے موافق ہین، پھر مقدمۂ فتح الباری کی ایک طویل فصل کا خلاصہ لکھ کر ثابت کیا گیا ہے، کہ امام بخاری جیسا محدث بھی بعض دفعہ حنفیہ کے اصول پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، پس جب تک حنفیہ کے اصول حدیث سے پوری واقفیت حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک اون کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف کہنے سے ضعیف نہین کہا جا سکتا،

الحمد للہ اس کتاب کی تکمیل سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی وہ بات پوری ہو گئی، جس کو اونھون نے فیوض الحرمین مین کبریت احمر و اکسیر اعظم بتلایا ہے،

قال عرفنی رسول اللہ صلی اللہ	فرماتے ہین کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی	نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی مین ایک طریقہ بڑا
طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق	عمدہ ہے، جو اوس طریق سنت کے بہت زیادہ
بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت	موافق ہے، جو بخاری اوران کے اصحاب کے
ونقحت فی زمان البخاری و اصحابہ	زمانہ مین مدون اور منقح ہو چکا ہے وہ یہ کہ

وذلك ان يوخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فى المسئلة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من اهل الحديث فرب شئ سكت عنه الثلاثة فى الاصول وما تعرضوا لنفيه ودلت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفى، اه

(ائمہ) ثلاثہ (ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ) کے اقوال میں سے اوس قول کو لیا جائے، جو اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو پھر ان فقہائے حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے اختیارات کا تتبع کیا جائے، کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں سکوت کیا ہے، اوران کی نفی سے تعرض نہیں کیا، اور احادیث اون پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو ثابت ماننا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی ہوگا، (مذہب سے خارج نہ ہوگا)

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں، :-

وهذه الطريقة ان اتمها الله تعالیٰ و اکملها فهى الكبريت الاحمر والاكسير الاعظم

(شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اگر اللہ تعالیٰ اس طریقہ کو پورا کردیں تو وہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہوگا،

الحمدللہ یہ طریقہ کبریت احمر واکسیر اعظم شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے دورِ تجدید میں پورا ہوگیا، کیونکہ اعلاء السنن میں یہی کیا گیا ہے، کہ ائمہ ثلاثہ اور علمائے حنفیہ کے اقوال کا پورا تتبع کرکے جو قول حدیث کے زیادہ موافق ملا، اوسی کو مذہب قرار دیا گیا،

اس وقت تک اس کتاب کی گیارہ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، نو جلدیں بصورتِ مسودہ رکھی ہوئی ہیں جن میں سے تین کی کاپی ہوچکی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہورہی ہے، حضرت حکیم الامۃ کی جماعت کا خصوصًا اور تمام مسلمانوں کا عمومًا فرض ہے کہ اس کتاب کی تکمیلِ طباعت میں پوری کوشش کریں

علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے اس کی دس جلدون پر نظر فرماکر اپنی طرف سے مفصل تقریظ جریدۂ الاسلام مصر مین شائع فرمائی ہے، جس کو دیکھکر اندازہ ہوسکتا ہو کہ بیرون ہند کے علمار نے اس کتاب کو کس وقعت کی نظر سے دیکھا ہے، ان کی تقریظ کے آخری چند جملے یہ ہین، فرماتے ہین، :-

والحق یقال انی دُهشت من هذا	حق بات کہنا پڑتی ہے مین تو اس طرح حدیثون
الجمع وهذا الاستقصاء ومن هذا	کے جمع کرنے تلاش کرنے اور پوری طرح ہر حدیث کے
الاستیفاء البالغ فی الکلام علی کل	متن وسند پر فن حدیث کے موافق مفصل کلام
حدیث بما تقتضی به الصناعة متنا	کرنے سے حیرت مین رہ گیا، پھر خوبی یہ ہو کہ اپنے مذہب
وسندًا من غیر ان یبدو علیه آثار	کی تائید مین تکلف کے آثار کا نام ونشان نہین، بلکہ
التکلف فی تائید مذهبه بل الانصاف	جملہ اہلِ مذاہب کی رایون پر انصاف کو امام بنا کر
رائده عند الکلام علی آراء اهل المذاهب	کلام کیا گیا ہے مجھے اس کتاب سے بے انتہا خوشی ہوئی،
فاغتبطت به غایة الاغتباط وهکذا تکون همة	ہمتِ مردانہ ایسے ہی کہتے ہین اور بہادرون کا
الرجال وصبر الابطال اطال الله بقاء فی خیر و	استقلال ایسا ہی ہوتا ہو، اللہ تعالیٰ مؤلف
عافیة ووفقه لتالیف امثاله من المؤلفات النافعة،	کو خیر وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس

([illegible])

حضرت حکیم الامۃ نے ایک طرف مذہب حنفی کو احادیث کی روشنی مین منقح فرمایا، اور دوسری طرف مسائل سلوک وتصوف کو قرآن کی آیات کثیرہ سے مجتہدانہ شان کے ساتھ مدون فرمایا، جس کا نام مسائل السلوک ہے، پھر احادیث تصوف کو کتاب التعرف باحادیث التصوف مین جمع فرمایا اور دنیا کو بتلا دیا کہ صحیح اسلامی تصوف صرف قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، اوس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی مآخذ سے لیا ہوا نہین، التعرف سے پہلے احادیث تصوف مین مستقل کتاب سننے مین نہین آئی، الحمد للہ اس کتاب نے صحیح اسلامی تصوف سے مسلمانون کو روشناس کر دیا ہے، ضرورت ہو کہ حکیم الامۃ رح کی جماعت مین کوئی صاحبِ ہمت اس موضوع کی تکمیل کے لئے

قدم آگے بڑھائیں، کیونکہ التعرف میں ہنوز جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہیں ہوا،

اب میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کی چند عظیم الشان شروح حدیث کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن کے مصنف بحمد اللہ اس وقت بقید حیات ہیں،

فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے جس میں مسلم شریف کی شرح محدثانہ، فقیہانہ و متکلمانہ انداز سے کی گئی ہے، جن احادیث پر آج کل عقلی اشکالات کئے جاتے ہیں، ان کے جوابات متکلمانہ طرز استدلال کے ساتھ بہت خوبی سے دیئے گئے ہیں، جا بجا نکات تصوف بھی بیان کئے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب سلسلۂ ولی اللّٰہی کی حدیث دانی، تفقہ اور علم کلام و تصوف کی آئینہ دار بن گئی ہے، پانچ ضخیم جلدوں میں تمام ہونے کی امید ہے، اس وقت تک تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں، سرکار نظام والیِ دکن خلد اللہ ملکہ کی امداد مالی مولف کے شامل حال ہے، امید ہے کہ بقیہ جلدیں بھی جلد طبع ہو جائیں گی، جلد اول کے شروع میں مقدمۂ علم حدیث قابل دید اور بہت مفید ہے،

اوجز المسالک فی شرح الموطا المالک یہ ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی بہترین تالیف ہے اس سے پہلے آپنے شمائل ترمذی کی شرح بھی اردو میں بہت عمدہ لکھی ہے، جو بیحد مقبول ہوئی، اوجز المسالک موطا مالک کی بے نظیر شرح ہے، ہر مسئلہ میں فقہاء اربعہ کے مذاہب نہایت بسط و ایضاح سے بیان کئے گئے ہیں، جملہ مذاہب کے دلائل بھی اجمالاً بیان کئے گئے ہیں، مگر چونکہ اس کا موضوع شرح موطا ہے، اس لئے جملہ مسائل واحکام سے تعرض نہیں کیا گیا، صرف انہی مسائل سے بحث کی گئی ہے، جن سے موطا میں تعرض ہے، اس میں بلاغات و مراسیل و مقاطیع کو موصول کرنے کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے، جو شارح کی وسعت نظر کی بڑی دلیل ہے پہلی جلد کے ساتھ ضخیم مقدمہ ملحق ہے، جو بہت ہی کارآمد اور مفید ہے، تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں، بقیہ زیر تالیف و زیر طبع ہیں، گرانی کاغذ سد راہ بن رہی ہے، اطال اللہ بقاء مولفہ و وفقہ لامثالہ (آمین) آپکے چچازاد بھائی مولوی محمد یوسف سلمہ بھی ماشاء اللہ

نوعمری ہی مین مصنف ہین، شرح معانی الآثار طحاوی پر بڑی محنت سے کام کر رہے ہین، امید ہے کہ طحاوی کا یہ حاشیہ بے نظیر ہوگا، علماے حنفیہ کا فرض ہے کہ شرح معانی الآثار طحاوی کی پوری طرح خدمت کرین ابھی تک اس کتاب کے شایان شان کام نہین ہوا، امید ہے کہ مولوی محمد یوسف سلمہ اس فرض کو بخوبی انجام دین گے، وفقہ اللہ واعانہ (آمین)

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح یہ ہمارے نوجوان محدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تالیف ہے، عربی زبان مین مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح ہے، دمشق مین طبع ہوئی ہے، میری نظر کی چار جلدین گذری ہین، خود مؤلف سے بھی بعض مقامات کو سنا ہے، مؤلف کی محنت، وسعت نظر، سلیس طرزِ بیان قابلِ داد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان علما کو اس قسم کی محنت و تحقیق کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائین، آمین، (کثر اللہ امثالھم وتقبل اعمالھم) قصبہ کاندھلہ کے لئے یہ فخر حاصل ہے، کہ اوس مین بیک وقت تین چار محدث موجود ہین، اور ہر ایک صاحبِ تصنیف ہے،

بغیۃ الالمعی حاشیۃ نصب الرایۃ للزیلعی یہ علماے مجلس علمی جامعہ ڈابھیل کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس وقت تک ہندوستان مین نصب الرایۃ کا ایک ہی نسخہ مطبوعہ نولکشور علما رکے سامنے تھا، جو بہت زیادہ محتاج تصحیح تھا، مجلس علمی جامعہ ڈابھیل نے بڑی محنت سے اوس کی تصحیح کی پھر اوس پر بہت نفیس حاشیہ لکھوایا، اور عمدہ کاغذ پر خوبصورت جلی حروف مین مصری ٹائپ سے طبع کرا کر شائع کیا، یہ بہت بڑی خدمتِ حدیث ہے، جو مجلسِ علمی کے علمار نے انجام دی ہے، جزاھم اللہ احسن الجزاء وفقھم لامثالہ،

سیرۃ النبی وسیر الصحابہ وسیر الصحابیات وسیر التابعین، اسوۂ صحابہ یہ دار المصنفین شبلی منزل اعظم گڈھ کا اردو زبان مین بڑا بلند اور مفید کارنامہ ہے جس مین حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ اور قرن اول کے رجال حدیث کی مفصل تاریخ ضبط کی گئی ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے حدیث پڑھی ہے، علامہ شبلی کے حنفی ہونے مین کسی شک وشبہہ کی اصلاً گنجائش نہین، انکی اسکات المعتدی

فی قرأۃ المقتدی اور سیرۃ النعمان اور نعمانی لقب اس پر شاہد ہے، علمائے دار المصنفین علامہ شبلی ہی کے جانشین ہیں، ان کے حنفی ہونے میں بھی کسی طرح کلام نہیں ہو سکتا، پس ان کی یہ تمام تر خدمت حدیث سلسلۂ[1] ولی اللّٰہی کی اوسی شاخ کا کارنامہ ہے، جو اپنے کو حنفی کہتے ہیں، ان کو حنفیہ سے الگ کرنا انصاف کا خون کرنا ہے، سیرۃ النبی کی چھ جلدیں اور سیر الصحابہ کی دس جلدیں اور تابعین کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے، ہر جلد کافی ضخیم ہے، اور یہ بہت بڑی خدمت حدیث ہے، جو دار المصنفین کے علماء نے انجام دی ہے، حق کو چھپایا نہیں جا سکتا، ہم کو سیرۃ النبی کے بعض مقامات پر اعتراض بھی ہے، اور مقام شکر ہے کہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی ان کی اصلاح پر توجہ فرما رہے ہیں،

یہ مختصر تذکرہ ہے سلسلۂ ولی اللّٰہی حنفی کی خدمت حدیث کا جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا، کہ آج اس سلسلہ کی برکت سے ہندوستان میں علم حدیث کا مینارہ اتنا بلند ہے، کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی ملک اوسکی ہمسری نہیں کر سکتا، جامع از ہر مصر کے مشہور ناقد و بصیر عالم سید رشید رضا مرحوم نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ سے کیا ہے،

ولو عنایۃ اخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث — اگر ہمارے برادران علمائے ہندوستان اس زمانہ میں علوم حدیث
فی هذا العصر لقضی علیها بالزوال — پر توجہ نہ کی ہوتی تو اس علم کے زوال و فنا کا فیصلہ ہو چکا ہوتا

اور اگر خدمت درس و تالیف کے ساتھ ان خدمات کو بھی ملا لیا جائے جو کتب نادرہ علم حدیث کی اشاعت و طبع میں اس سلسلہ نے بالخصوص دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے انجام دی ہیں[2] تو بلا مبالغہ اس وقت سرزمین ہند نے آفتاب علم حدیث کی روشنی کو بہت دور دور تک پہنچا دیا ہے، وذلک من فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون

[1] معارف: یہ ضعیفین دار المصنفین کا سلسلۂ حدیث شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ حضرت مولینا ابو الحسنات عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر اس سلسلہ اوپر مذکور ہے، سلسلۂ ولی اللّٰہی سے بھی بحمد اللہ متصل و مسلسل ہے "س"

[2] یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مصححین و ناشرین و ناقلین دائرۃ المعارف کا تقریباً نصف حصہ علمائے ندوۃ العلماء سے

سلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۳)

ایسی غیر مملوکہ چیزیں جن میں قبضہ کے بعد بھی انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہوتی، ان کی ممکنہ حد تک تفصیل کو اس نقطہ پر ختم کرکے اب ان غیر مملوکہ امور کے بھی کچھ احکام سننے چاہئیں، جن میں قبضہ کے بعد انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے،

بنجر غیر آباد زمینوں کی ملکیت کے قوانین

اسلامی قانون میں ممالک محروسہ کی ایسی غیر آباد زمینیں اور علاقے جن کا کوئی مالک نہ ہو، خواہ وہ کبھی آباد نہ ہوئی ہوں، یا آباد ہونے کے بعد اس طرح ویران ہوگئی ہوں کہ ان کا کوئی مالک باقی نہ رہا ہو، ان کا اسلامی نام (موات) یا مردہ بنجر زمین ہے، بظاہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی زمینوں کی مالک حکومت ہے، اور اس لئے حکومت کی اجازت کے بغیر عام طور سے دنیا میں بھی دستور مروج ہے، کہ حکومت یا بادشاہ وقت کی اجازت کے بغیر ایسی زمینوں، پہاڑوں، جنگلات وغیرہ پر کوئی تصرف نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے، لیکن اسلام کا نقطۂ نظر اس باب میں بالکل مختلف ہے، وہ اس قسم کی تمام زمینوں کو بھی ملک کے عام باشندوں کا مشترکہ سرمایہ قرار دیتا ہے، اور بنجر

ان چند مستثنیٰ زمینوں اور معادن کے ماسوا جن کا ذکر گذشتہ فصل میں بہ تفصیل ہو چکا ہے، رعیت کے ہر فرد کا یہ قانونی حق ہے، کہ ان کو بغیر کسی معاوضہ (رائلٹی) ادا کئے قبضہ کرکے اپنی ملک بنالے، اس باب میں مسلمانوں کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور فرمان ایک ابدی وثیقہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے راوی تقریباً تمام محدثین ہیں، مثلاً امام مالک، امام ترمذی، ابوداؤد وغیرہ سب کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے، کہ

من احیا ارضاً میتة فھی لہ، کسی مردہ غیر آباد زمین کو جو آباد کرے گا یہ زمین اسی کی

اسی بنا پر علامہ مقدسی نے مغنی میں تمام ائمۂ اسلام کا یہ اجماع نقل کیا ہے کہ

عامة فقہاء الامصار علی ان الموات یملك بالاحیاء،	فقہاء امصار کا عامہ اس پر اتفاق ہے، کہ احیاء (آباد کرنے) کی وجہ سے وہ آباد کرنیوالے کی ملک بن جاتی ہے،
(ج ۶، ۱۴۷)	

خواہ یہ ارض موات ایسی زمین ہو جو کبھی کسی کی مملوک نہ ہوئی ہو، اور اس کے آباد نہ ہونے کی نوبت نہ آئی ہو، جیسا کہ وہی لکھتے ہیں، ایسی زمین کہ

مالم یجر علیہ ملك احد ولم یوجد فیہ اثر عمارة فھذا یملك بالاحیاء بغیر خلاف بین القائلین بالاحیاء	کسی کی ملک اس میں قائم نہ ہوئی ہو اور اس میں کسی آبادی کی علامت نہ پائی جاتی ہو تو بالاتفاق آباد کرنے کی وجہ سے آدمی اس کا مالک ہو جاتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جو آباد کرنے کو ملک کا سبب کہتے ہیں،

اسی طرح ایسی اراضی،

مایوجد فیہ آثار ملك قدیم	جس میں کسی قدیم جاہلی ملک کی علامتیں

جاهلی کآثار الروم و مساکن ثمود　　　پائی جاتی ہون مثلاً روم کے آثار اور قوم ثمود

ونحوهم فهذ ایملك بالاحیاء؛　　　کے مسکن کا حال ہے، یا جو ایسے مقامات ہون

تو آباد کرنے سے ان کا بھی آدمی مالک ہوجاتا ہی؛

چونکہ اس قسم کی زمین اسلامی عہد سے قبل ہی سہی لیکن بنی آدم کی مملوکہ چیزون مین ہو چکی تھی، اس لئے شبہہ ہوسکتا تھا کہ دوسرے کی مملوکہ چیز پر قبضہ کرنے یا اوس کو ملک بنانے کا کسی دوسرے کو کیا حق ہے، اس شبہہ کے ازالہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے فرمان مین اس کی بھی تصریح فرمادی ہو کہ

عادی الارض للہ ورسولہ ثم هو　　　عادی اراضی (یعنی اقوام قدیمہ کے کھنڈریا

بعد لکم،　　　ان کے آباد کئے ہوے بنجر علاقے) اللہ اور اسکے

رسولؐ کی ملک ہین، پھر اس کے بعد اے مسلمانو!

یہ تمھاری ملکیت ہے،

یعنی اس قسم کی زمینین جب اُن کے مالک چھوڑکر لاپتہ ہوچکے ہون اور وہ اسلامی حکومت کی زیر نگرانی آگئین، تو اب وہ اپنے پرانے مالکون کی ملک سے نکل کر اللہ ورسول کی ملک مین داخل ہوگئین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے پھر ان کو عام مسلمانون کے حوالہ فرمادیا، البتہ ارض موات کی ایک قسم اَو رہ جاتی ہے، جو اسلامی عہد مین کسی خاص شخص کی ملکیت تھی، لیکن ان کا مالک ان کو غیر آباد کرکے لاپتہ ہو گیا، ایسی زمینون کے متعلق اگرچہ بعض ائمۂ اسلام کی راے مختلف ہے، مگر امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ کا ان اراضی کے متعلق بھی یہی فتویٰ ہے، کہ

انها تملك بالاحیاء وهو مذهب　　　آباد کرنے سے وہ بھی مملوکہ بن جاتی ہین،

ابی حنیفة ومالك،　(مغنی)　　　یہی ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہی،

بہرحال اس قسم کی تمام "اراضی" جن کا فقہ کی اصطلاح مین "موات" نام ہے، دراصل یہ ملک کے باشندون

کی مشترکہ جائداد ہے، اور ملک کا ہر باشندہ اس کو اپنی انفرادی ملکیت بنا سکتا ہے جس کی اسلامی قانون کی رو سے دو صورتین ہین،

اقطاع یا جاگیرون کا حکم | ایک کو اقطاع کہتے ہین یعنی خود حکومت اس علاقہ کو کسی شخص کے ساتھ بندوبست کردے، اور یہ امام کے صوابدید پر ہے، کہ جس کو چاہے جتنی زمین کا اقطاع کردے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہی، جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین نقل کیا ہے، کہ

اقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال بن الحارث المزنی مابین البحر والصخر،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو دریا سے پہاڑ تک جاگیر مین دیدیا تھا، (یہ اصطلاح تھی ساحل سمندر سے کسی خاص سلسلۂ کوہ تک کی درمیانی اراضی کیلئے ہندوستان مین جیسے از گنگ تا سنگ کا لفظ بعض علاقون مین بولتے ہین)

ابو عبید نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الاموال" مین اس قسم کے قطائع (جاگیرات) کا جو بارگاہ رسالت اور سریر خلافت سے مختلف لوگون کو عطا ہوتے رہے ہین، ذکر کیا ہے، مین نے خاص کر بلال بن حارث کی جاگیر کا ذکر قصداً اس لئے کیا تاکہ معلوم ہو کہ بڑی سے بڑا علاقہ بھی حکومت اپنے صوابدید سے جاگیر مین عطا کر سکتی ہے، لیکن حکومت کے صرف اقطاع سے اس علاقہ کا وہ شخص مالک نہیں ہوجاتا ہو جب تک کہ "احیاء" کرکے اس پر قبضہ نہ کرلے، علامہ مقدسی لکھتے ہین،

فان اقطعه الامام شیئاً من الموات لم یملك بذلك لكن یصیر احق به (مغنی)	اگر "موات" زمین کو امام (حکومت) کسی کی جاگیر مین دیدے تو محض اس سے وہ اس زمین کا مالک نہین ہوجاتا البتہ بہ نسبت دوسرونکے وہ اسکا زیادہ حقدار ہوگا،

اپنے اس دعوی کی انھون نے دلیل بھی پیش کی، کہ "عقیق" مین جو جاگیر انھی بلال کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطاع کی تھی، چونکہ احیاء پر قادر نہ ہوسکے، حضرت عمرؓ نے اُن سے واپس لے لی، علامہ مقدسی لکھتے ہین :-

لو ملکہ لم یجز استرجاعہ	اگر صرف اقطاع سے بلال مالک ہو جاتے تو حضرت عمرؓ کو اس کی واپسی جائز نہ ہوسکتی تھی،

اسلامی جاگیرون کا مطلب | یہان جاگیر کا یہ مطلب نہین ہے کہ جیسا ہندوستان مین سمجھا جاتا ہے، کہ وہ لاخراج کردی جاتی ہے، بلکہ موات کی اراضی کے عطا کرنے کے بعد اس پر "عشر" یا "خراج" بھی لگایا جاسکتا ہے، اور اس معاملہ مین مختلف زمینون کا حکم مختلف ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے،

خراج کے باب مین صرف امام (بادشاہ وقت) کو اتنا اختیار دیا گیا ہے، کہ ملک و رعایا کے مصالح کی بنا پر مثلاً وقت پر فوجی امداد جاگیر دار سے حاصل کیجائے گی، یا ازین قبیل کوئی اور مصلحت ہو تو جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے،

یکون الامام قد رای الصلاح	اگر امام اسی مین مصلحت دیکھے کہ زمین
فی تفویض خراج ارض صاحب	کا خراج جاگیر دار کو عطا کر دے تو
الارض فیجوز لہ ویسعہ ان	امام ایسا کرسکتا ہے، اور جاگیر دار کو بھی
یقبلہ	اجازت ہو کہ وہ اس عطیہ کو قبول کرے،

لیکن امام کے سوا حکومت کے کسی عہدہ دار کو خواہ اس کا درجہ کتنا ہی بلند کیون نہ ہو خراج کی معافی بلکہ تخفیف تک کا اختیار نہین ہے،

بہرحال یہ ایک ذیلی بات تھی، جاگیرون کے متعلق بعض غلط فہمیون کا ازالہ مقصود تھا ورنہ اس کے تفصیلی مسائل تو بہت زیادہ ہین، جن کے ذکر کا یہان موقع نہین، اصل بات یہ کہی جارہی تھی

کہ اراضی موات مین انفرادی ملکیت ایک تو اس احیاء (آباد کرنے) سے حاصل ہوتی ہے جو اقطاع کے ذریعہ سے کسی کو ملی ہو، اور عام طور سے غیر آباد زمینون کے بند و بست کرنے کا دنیا مین یہی طریقہ مروج ہے، اگرچہ مختلف حکومتون کا طرز عمل بند و بست کے شرائط اور نتائج مین مختلف ہے، لیکن اراضی موات کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ جو اسلام مین ہے، دوسری حکومتون کی رعایا کے لئے شاید وہ عجیب ہو،

ملک کی غیر آباد زمینون کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ

میرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورۂ بالا فرمان یعنی

مَنْ احییٰ ارض موات فھی لہ، — موات اراضی کو جو آباد کرے گا، اسی کی وہ ہو جاتی ہے،

کی بنا پر فقہاے امت کی اکثریت کا یہ فتویٰ ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو اس کا حق حاصل ہو کہ غیر آباد زمینون اور علاقون (اراضی موات) سے جتنا حصہ بغیر کسی معاوضہ اور رائلٹی کے چاہے، احیاء کرکے اسے اپنی ملک اور جاگیر بنا لے، صرف امام ابوحنیفہ اس مسئلہ مین متفرد ہین، کہ حکومت سے بھی اجازت احیاء کے لئے ضروری قرار دیتے ہین لیکن عام فقہاے اسلام حکومت کی اجازت کو غیر ضروری سمجھتے ہین حتی کہ امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورۂ بالا نبوی وثیقہ کی بنا پر لکھا ہے،

ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جائز الی یوم القیمة، — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قیام قیامت تک نافذ رہے گی،

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فھی لہ (وہ آباد کرنے والے کی ملک ہے) موجود ہو تو اس مین اب کسی دوسرے شخص سے پوچھنے اور اجازت حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہین، البتہ حکومت کو صرف اس کی نگرانی کرنی چاہئے کہ اس سے "مفاد عامہ" کو کوئی ضرر تو نہین پہونچتا، قاضی ابو یوسف نے

لکھا ہے کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں

لیس لعرق ظالم حق (ص ۳۶)

کے الفاظ سے اسی ضرر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی غیر آباد زمین میں (یعنی موات) میں اگر کوئی درخت نصب کرے، جس سے دوسرے کو نقصان پہونچے، تو پھر اس ظلم کا حق اس کو نہ دیا جائے گا،

عام فقہائے اسلام سے امام صاحب کے اس اختلاف کے متعلق قاضی ابویوسف سے پوچھا گیا تھا، کہ اس صحیح وصریح "نبوی وثیقہ" کے ہوتے ہوئے حکومت کی اجازت کی قید امام صاحب نے کیوں بڑھائی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کافی نہیں ہے، اگرچہ اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے نقل کیا جاتا ہے، کہ آخر بیت المال کے متعلق بھی تو عام قانون یہی ہے کہ

هو بیت مال المسلمین، یعنی اس کے مالک مسلمان ہیں،

لیکن باوجود اس کے کہ امام بیت المال کا مالک نہیں ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ

للامام تعیین مصارفہ وترتیبہ امام کو بیت المال کے رقوم مصارف کی تعیین وترتیب کا حق ہے، (مقدسی)

اسی طرح "زمین" کے متعلق بھی امام کو نظم و ترتیب میں بھی دخل دینا چاہئے، ورنہ رعایا میں باہمی کشمکش کا اندیشہ ہے، حکومت کی توثیق کے بعد جھگڑے کا خطرہ نہ رہے گا، لیکن لوگوں نے امام صاحب کی اس توجیہ کو تسلیم نہیں کیا ہے، پوچھا گیا ہے کہ کیا ہوا کہ ہر پرندے پر قبضہ کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت درکار ہے، آخر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی موات کو تمام مسلمانوں کے لئے مباح قرار دیا سند دیدی، کہ جو اس کو آباد کرے گا، اسی کی وہ زمین ہو جائے گی، اس کے بعد حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے،

بہرحال یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موات کی اراضی کو احیاء کے ذریعہ سے اپنی مملوکہ جاگیر بنا لینے کا اختیار صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو ہے، مسلم ہو یا غیر مسلم، اور یہ میرا صرف قیاسی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ فقہ کی کتابوں میں ہمیشہ اس کی تصریح کر دی جاتی ہے، مقدسی لکھتے ہیں،

لا فرق بین المسلم والذمی فی الاحیاء وبہ قال ابوحنیفۃ	موات زمین کو آباد کرکے اپنی ملک بنا لینے میں مسلم اور ذمی (غیر مسلم رعایا) میں کوئی فرق نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ میدانی علاقہ ہو یا کوہستانی، جزیرہ ہو یا خشکی کا خطہ، جنگل ہو یا بیابان، ملک کا ہر باشندہ جتنی زمین چاہے، موات اراضی میں سے آباد کرکے اس کو اپنی مملوکہ جاگیر مفت بنا سکتا ہے،

قاضی ابویوسف کے الفاظ یہ ہیں:۔

کل ما عالج فی اجمتہ او من بحر او من بر بعد ان لا یکون فیہ ملک لانسان فاستخرجہ رجل وعمرہ فھو لہ بمنزلۃ الموات	ریگستان ہو یا تری کا علاقہ ہو، یا خشکی کا اگر کسی خاص انسان کی ملک وہ نہیں ہے، اور محنت مشقت کرکے جس نے اوس کو نکالا اور آباد کیا، تو اس کا وہی مالک ہو جائے گا، جیسے موات اراضی کا حال ہے،

مثلاً دجلہ و فرات جیسے دریاؤں میں عموماً بڑی بڑی زمینیں باہر نکل آتی ہیں، اگر ان کے آباد کرنے میں کسی کا ضرر نہ ہو، توان کا حکم بھی مثل ارض الموات ہے،

یعنی اس جزیرہ کا آباد کرنے والا قانوناً مالک ہو جائے گا، یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احیاء یا آباد کرنے کا جو لفظ برابر استعمال ہو رہا ہے، اوس کا کیا مطلب ہے، محض کھیتی کرنا یا باغ لگانا ہی مقصد

نہین ہے، بلکہ جیسا کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے:-

احياء كل واحدة من ذالك	ان میں ہر چیز کے احیار کا مطلب یہ ہے، کہ
بتهيئتها للانتفاع الذي اريد	جو نفع اس سے مقصود ہو، اس کے لیے
به،	اس کو تیار کیا جائے،

یعنی "آبادی" صرف زراعت یا باغبانی پر منحصر نہین ہے، مکان بنا کر یا دوابگاہ (مویشی رکھنے کی جگہ) یا لکڑی وغیرہ جیسی چیزون کے رکھنے کی جگہ بنانی، یہ سب احیار مین داخل ہے، علامہ مقدسی نے بطور مثال کے چند چیزون کا ذکر کیا ہے، مقصد کے سمجھانے کے لئے ہم بجنسہ نقل کرتے ہین،

فاما الدار فبان يبني حيطانها	گھر کے احیار کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوارین
مما جرت به العادة وتسقيفها	کھڑی کی جائین، یعنی جس طرح اس ملک مین
لانها لا تكون سكنى الا بذالك	دیوارون کے بنانے کا طریقہ ہو، ویسی دیوار
واما الحظيرة فاحياءها بحائط	کھڑی کر دی گئی ہو، اور اس کی چھت پاٹ
جرت به عادة مثلها وليس من	دی گئی ہو، کیونکہ رہنے کے قابل بغیر اس
شرطها التسقيف لان العادة	کے نہین ہو سکتا، اسی طرح حظیرہ (احاطہ)
ذلك من غير تسقيف سواء	کے احیار کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کی دیوار
اراد حظيرة المواشي او الخشب	گھیر کر احاطہ بندی کا طریقہ اس ملک مین
	جاری ہو یعنی چھت پاٹنے کی ضرورت اس
	کی احیار مین نہین ہے، کیونکہ عام طریقہ یہی
	ہے، کہ ان احاطون کے لئے چھت نہین پاٹتے،
	خواہ مویشی کے لئے احاطہ بنایا جائے، یا لکڑی

الغرض آباد کرنے کی جو غرض ہے، اس کا سامان مہیا کرنا ہی اس کا احیار ہے، مثلاً کھیتی ہے تو اس کا جوتنا سیرابی کا انتظام کرنا ہی اوس کا احیار ہے، مقدسی لکھتے ہین کہ زراعت کی احیار کی صورت یہ ہے

ان یسوق الیھا ماءمن نھر او	آدمی اس کی طرف کسی نہر سے یا کنوین سے
بیروان کانت مما لا یمکن زرعھا	پانی لیجائین، اور اگر زمین ایسی ہو جس مین
لکثرۃ احجارھا کارض الحجاز	کھیتی نہ ہو سکتی ہو، مثلاً کثرت سے اس مین
فبان یقلع احجارھا وینقیھا	پتھر ہون، جیسا کہ حجاز کی زمینون کا حال ہے،
حتی یصلح للزرع وان کانت	تو اوس کے احیار کے معنی یہ ہون گے، کہ پتھرون
غیاضا او اشجاراً کارض الشعری	کو زمین سے باہر نکالا جائے، اور زمین صاف
فبان یقلع اشجارھا ویزیل عروقھا	کیجائے حتی کہ کھیتی کے قابل ہو جائے، اور
اللتی تمنع الزرع،	اگر بنجر (موات) زمین مین جنگل جھاڑ ہو درخت
	ہون، جیسا کہ الشعری کی زمین کا حال ہے تو
	اوس کی احیار کے معنی یہ ہین، کہ درخت اکھاڑے
	جائین، اور ان جڑون کو کھود کر نکال دیا جائے،

احسن التقاسیم ص ۱۸۴ طبع لیدن

بہر حال ہر چیز اور ہر ضرورت کا احیار خود اس ضرورت کے حسب حال ہوتا ہے، اور جیسا کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس باب مین اعتبار زیادہ عرف عام اور رواج کا ہے، آباد کرنے کا اطلاق جس کاروبار پر کیا جاتا ہو وہی اس کا احیار ہے،

رعایا کی اسلام مین تملیکی قوت

اس کے بعد خواہ اقطاعی (حکومت کی بندوبست کی ہوئی) جاگیر ہو، یا خود کسی نے ارض موات پر قبضہ کرکے احیار کر لیا ہو، یہ آباد کرنے والی کی انفرادی ملک بن جاتی ہے، اقطاعی جاگیرات کا حکم احیار کے بعد جو ہو جاتا ہے، قاضی ابو یوسف لکھتے ہین :-

فلا یحل لمن یاتی من بعدہم من الخلفاء ان یرد ذالک ولا یخرجہ من یدی من ھو فی یدہ وارثا او مشتریا،

(ص ۳۴)

بعد کو جو خلفاء ہوں ان کے لئے جائز نہ ہوگا کہ کسی امام کی عطا کی ہوئی جاگیر کو، اس شخص سے واپس لیں جس کے قبضہ میں وہ جاگیر خواہ بطور وراثت کے ہو، یا خریداری کے ذریعہ سے اس تک پہنچی ہو،

جس سے معلوم ہوا کہ جس نے آباد کی ہو، خود اس کے یا اس آباد کرنے والے سے کسی کو وراثۃً ملی ہو یا آباد کرنے والے سے کسی نے خریدی ہو، کسی سے بھی حکومت اس کی یہ مملوکہ زمین چھین نہیں سکتی، انھوں نے اسکی تصریح کردی ہے کہ

فاما ما اخذ الولاۃ من ید واحد ارضا واقطعها آخر فھذا بمنزلۃ الغاصب غصب واحد او اعطی آخر،

(کتاب الخراج ۶۴)

اور حکومت کے ولاۃ (صوبہ داروں گورنروں) وغیرہ کا جو یہ طریقہ ہے، کہ جاگیر کو ایک شخص کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو جاگیر میں دیدیتے ہیں، تو اس کی صورت وہی ہے جو غاصب اور زبردستی چھیننے والوں کی ہوتی ہے یعنی ایک شخص سے اس کی مملوکہ چیز زبردستی چھین کر دوسرے کو دیدے،

دوسری جگہ مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

فاما من اخذ من واحد او اقطع آخر فھذا بمنزلۃ مال غصبہ واحد من واحد واعطی واحدا (ص ۶۶)

اور وہ جو ایک شخص سے جاگیر چھین کر دوسری کی جاگیر میں دی جاتی ہے، تو اس کی حیثیت اس مال کی ہے، جو ایک شخص سے چھین کر

اسی طرح اراضی موات کو احیاء کرکے جس نے اپنی مملوکہ جاگیر بنا لی ہو، اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں

ولیس للامام ان یخرج شیئاً من ید احد،

امام (حکومت) کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ کسی کے قبضہ اور ملک سے زمین کو چھین لے، (ص ۳۵)

اسی دفعہ کی تعبیر دوسرے الفاظ میں دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں،

فلا یحل للامام و لا یسعہ ان یقطع ... الناس حق مسلم و لا معاهد و لا یخرج من ید لا من ذالك شیئاً،

امام حکومت کے لئے جائز نہیں ہے، اور نہ قانوناً اس کے لئے اس کی گنجائش ہے، کہ کسی مسلمان یا جس سے اسلامی حکومت نے معاہدہ کیا ہو، کہ اس کے حق کو اس سے منقطع کرے اور نہ یہ کرسکتا ہے، کہ اس کے قبضہ سے ۴

دوامی بندوبست یعنی یہ حکم حکومت کی مسلم غیر مسلم ہر قوم کی رعایا کے لئے عام ہے، گویا ان زمینوں کی حیثیت بندوبست دوام کی ہو جاتی ہے، اور جاگیردار کو اختیار ہے کہ خواہ خود اس کو آباد کرے یا کسی اور ذریعہ سے آباد کرائے قاضی صاحب لکھتے ہیں،

فمن احیاها و هی کذالك فهی له و یزرعها و یزارعها و یواجرها و یکری منها الانهار و یعمرها بما فیه مصلحتها، (ص ۳۷)

جس نے اس زمین کو آباد کیا ہو، اور وہ اس حال میں ہو تو اس زمین کا مالک اس کا آباد کرنے والا ہوگا، اسے حق ہے کہ اس میں خود کاشت کرے یا کسی سے کاشت کرائے، یا کسی کو کرایہ پر دے، اسے اس کا بھی حق ہے کہ اپنی زمین میں نہر کھودے، اور اس کا بھی کہ جس قسم کی عمارت اور آبادی جس میں مصلحت ہو

البتہ اس پر حکومت کی جو مالگذاری عائد کی گئی ہو، صرف اس کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے،

فان کانت فی ارض العشر ادی	اگر اوس کی یہ زمین عشر کی زمین ہو، تو
عنھا العشر، وان کانت فی ارض	اس سے عشر ادا کرے گا، اور اگر خراجی
الخراج ادی عنھا الخراج،	زمین ہو تو اوس سے خراج ادا کرے گا،

تحجیر کا مطلب اور حکم عشر و خراج کی عدم ادائگی کی صورت مین حکومت اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے، اس کی تفصیل مناسب موقع پر آگے آتی ہے، یہان یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ کسی غیر آباد زمین کے حدود مین صرف پتھر نصب کرکے یا کانٹون وغیرہ سے گھیر کر اس کو اپنی مملوکہ زمین قرار دینا صحیح نہین ہے، فقہاء مین اس عمل کا نام تحجیر ہے، چونکہ یہ زمین کا احیار نہین ہے، اس لئے ملکیت تو پیدا نہ ہوگی، البتہ بہ نسبت دوسرون کے اس کے حق کو گونہ ترجیح ہوگی، مگر وہ بھی ایک خاص مدت تک جس کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے، مندرجۂ بالا بیانات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اسلام نے اپنی حکومت کی رعایا کی معاشی سہولتون کے کتنے ذرائع پیدا کر دیئے ہین، آج جب کہ دنیا مین کوئی ایک انچ زمین پر بھی بلا معاوضہ مفت قبضہ نہیں کر سکتا، اس سے اس وقت کا اندازہ لگانا چاہیئے، اور اس لئے مین نے اس سلسلہ مین تھوڑی تفصیل سے کام لیا، کیونکہ اسلامی حکومت کا نظام جب سے ناپید ہو گیا ہے، لوگ ان واقعات کو بھول گئے ہین، ورنہ سچ یہ ہے کہ ہندوستان تک مین حکومتِ مغلیہ کے آخری دور تک زیادہ تر اس قسم کی معاشی سہولتین آبادکارون کو حاصل تھین،

بہرحال یہ احکام تو غیر مملوکہ امور کے متعلق تھے، اب بحث ان چیزون پر کرنی چاہیئے جو کسی کی ملک مین داخل ہین، مین نے کہا تھا کہ اس کی بھی دو صورتین ہین، مالک کی مرضی کے بغیر ان پر قبضہ کرنے کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہین، پھر ایسی مملوکہ چیزین جن پر مالک کی مرضی کے بغیر بھی قبضہ کرکے ان کو اپنا مملوک بنایا جا سکتا ہو، اس کی بھی اسلام مین دو شکلین ہین،

مالک کی مرضی کے بغیر کسی چیز پر قبضہ کرنا

(۱) اسلامی حکومت کی رعایا کا اگر مال ہو تو مالک کی مرضی کے بغیر صرف دو شکلوں میں ان پر قبضہ کرنے کی اجازت ہے، ایک کی فقہی تعبیر لقطہ ہے،

لقطہ کا مطلب

یعنی گرا پڑا ہوا مال اگر کسی کا مل جائے، بعض صورتوں میں یہ جائز ہے، کہ آدمی اوس پر قبضہ کرلے، اور خاص شروط و حالات میں اس کو اپنے تصرف میں بھی لاسکتا ہے، لیکن جب کبھی اصل مالک کا پتہ مل جائے اور وہ اوس کا مطالبہ کرے تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا، چونکہ اس باب کا تعلق معاشیات سے نہیں ہے، کہ یہ آمدنی کی نہایت نادر شکل ہے، اس لئے اس کے تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں،

قانون شفعہ

دوسری شکل شفعہ کی ہے، یعنی مالکانہ شرکت یا پڑوس کی وجہ سے اسلام نے ملک کے ہر باشندے کو یہ قانونی حق دیا ہے، کہ آدمی دوسرے کی خریدی ہوئی چیز کو زبردستی دام ادا کرکے اپنی ملک بنالے، مثلاً کسی مکان یا زمین میں دو آدمی یعنی زید و عمرو شریک ہیں، اگر عمرو کے حصہ کو خالد خریدے تو زید کا یہ قانونی حق ہے، کہ جس دام میں خالد نے اس کے شریک کے حصہ کو خریدا ہے، ادا کرکے خالد کی رضامندی ہو یا نہ ہو خریدلے، قانون اس جبری خریداری کو نافذ کرائے گا، معلوم نہیں اس باب میں دنیا کے اور قوانین کا کیا حال ہے، لیکن اس قانون کی وجہ سے اسلامی حکومت کی رعایا کو دکانوں، کھیتوں، باغوں وغیرہ کے متعلق کتنی آسانیاں بہم پہنچتی ہیں، اور پہنچ سکتی ہیں، اس کا اندازہ تجربہ سے ہوسکتا ہے، خصوصاً حنفی مذہب میں اس قانون کو ملکی شرکت سے آگے بڑھاکر مرافق (مثلاً راستہ ذرائع آبپاشی وغیرہ) کی شرکت اور جوار (پڑوس) کی شرکت تک وسیع کردیا گیا ہے، فقہ کا یہ ایک طویل باب ہے، میرے لئے اس سلسلہ میں صرف اتنا بیان ہی کافی ہوسکتا ہے،

غیر اسلامی حکومتوں کی رعایا کیساتھ مسلمانوں کے معاشی تعلقات

(۲) غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے مملوکات پر مالکوں کی رضامندی کے بغیر قبضہ کرکے مسلمان ان کے قانونی مالک بن سکتے ہیں، اسی طرح غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے بھی اس حق کو اسلام نے قانونی حق قرار دیا ہے، یعنی اسلامی حکومت کے باشندوں

کے اموال پر العیاذ باللہ[۱] اگر ان کا قبضہ ہو جائے تو مالک کی رضامندی کے بغیر وہ بھی ان کے مالک ہو جاتے ہین، دراصل اس دفعہ کا تعلق قانون جنگ سے ہے، اس سلسلہ مین غنیمت، فئی، متعلقات فئی وغیرہ کی آمدنیان ہین علاوہ ان عطایا و وظائف وغیرہ کے جو اسلامی فوجون کو حکومت سے ملتے تھے، چونکہ لڑنے والے ہر سپاہی کو غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا، اس لئے مسلمانون مین آمدنی پیدا کرنے کا یہ بھی ایک بڑا آسان، اور قیمتی ذریعہ تھا، اور ان کی معاشی فراغبالیون پر اس قانون کا کافی اثر مرتب ہوتا تھا، چونکہ اس آمدنی کا تعلق معمولی کاروبار سے نہین ہے، بلکہ اوسکی اکثر شکلون کا تعلق حکومت سے ہے، اس لئے اس باب کی بھی تفصیل کی یہان حاجت نہیں، البتہ اسی بین الاقوامی قانون کی بنا پر کہ شریعت مین چونکہ یہ طے کر دیا گیا ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کا مال غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کے لئے مباح اور جائز ہے، یعنی قبضہ کرنے کے بعد ان کی ملک مین داخل ہو جاتا ہے، اور ان سے اگر کوئی مسلمان اس مال کو خریدے، تو یہ قانونی مالک سے مال کا خریدنا ہوگا، اسی لئے اس کا لینا جائز ہوگا،

غنیمت وفئی کی علت کی وجہ

پھر جس طرح مسلمانون کا مال غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کی ملک مین صرف قبضہ سے داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومتون کے باشندون کے لئے غیر اسلامی حکومتون کے باشندون کا بھی مال مباح و جائز ہے، یعنی قبضہ کے بعد مسلمان اس کے قانونی مالک ہو جاتے ہین، غنیمت (یعنی غیر اسلامی حکومت کے لوگون سے جو مال بزور حاصل کیا جائے) اور فئی (جو مال غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندون کا بغیر کسی جنگ و جدال کے مسلمانون کے قبضہ مین آجائے) ان دونون قسم کے اموال کے قانونی مالک مسلمان اسی بنا پر ہو جاتے ہین، کہ ان لوگون کے اموال کو اسلام نے مسلمانون کے لئے مباح

---

[۱] العیاذ باللہ کا لفظ مین نے اپنے فقہاء کی تقلید مین لکھا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانون پر ایک وہ وقت بھی گذرا ہے، جب غیر اسلامی اقوام کے تسلط کو اپنے اوپر ناقابل برداشت تصور کرتے تھے، پھر آسمان نے رخ بدلا، اور جس کا سوچنا بھی ناگوار تھا، سے دیکھنا پڑا اور کیسا دیکھنا؟

اور جائز قرار دیا ہے،

غیر اسلامی ممالک میں سود، قمار وغیرہ کا حکم اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال یہان پیدا ہو گیا، یعنی غیر اسلامی حکومت کے کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے، مثلاً ربوا (سود) یا قمار یا ازین قبیل کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ مین آجائے، تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہین،

چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے، اور مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کے مالک ہونے کے لئے کافی ہے، اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک ہو جاتا ہے، اور یہی ان کا وہ مشہور نقطۂ نظر ہے جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابون میں

لا ربوا بین الحربی والمسلم — الحربی (غیر اسلامی حکومت کا باشندہ) اور المسلم (اسلامی حکومت کا باشندہ) مین ربوا (سود) نہین ہے،

کا ذکر پایا جاتا ہے، گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے، عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہین ہین، اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے، کہ "ربوا" (سود) جب اسلام مین حرام ہے، تو ہر جگہ ہر شخص سے لینا حرام ہو جانا چاہئے، "حربی" یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندون کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر یہی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہین ہے، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ کر کے اُسے اپنی ملک بنانا ہے، اس قانون سے پہلے ایک اور قانون کا ذکر کتابون مین عموماً کیا جاتا ہے کہ

لا ربوا بین العبد والمولی، — یعنی درمیان غلام اور اس کے آقا کے ربوا (سود) کا معاملہ نہین ہے،

یعنی شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوا کا معاملہ کیا جائے گا، تو وہ ربوا نہ ہو گا، یہ بھی امام ابوحنیفہ کا

مذہب ہو ظاہر ہے کہ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے، کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، بھلا اس کا حق ایک مجتہد کو کیا ہے، بلکہ بات وہی ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا ہے پس آقا نے غلام سے جو کچھ لیا وہ اس کا مال نہیں اپنا مال لیا، اور اپنا مال کسی پر کیون حرام ہو سکتا ہو اس کی مثال ایسی ہو کہ آدمی اپنی آمدنی کی مختلف مدون کو مختلف مصارف کے لئے معین کر دیتا ہے لیکن بسا اوقات کسی ایک ضرورت کے لئے دوسری مد کی آمدنی سے قرض کے نام سے لے لیتا ہے، فرض کیجئے کہ اگر اس قرض مین وہ کچھ سود بھی لگا کر اس مد مین جمع کر دیا کرے جس سے اوس نے قرض لیا تھا، تو کیا واقعی لفظ سود سے وہ سود ہو جائے گا، اس نے تو اپنے ہی روپے کو اپنے مال مین ملایا، ہو خواہ کسی نام سے ملائے، قانوناً شرعاً کوئی اس کو سود نہیں کہہ سکتا، اور یہی وجہ ہو کہ ہندوستان میں جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم نہین ہے یہان کے غیر مسلم باشندون سے بعض حنفی علما[۱] سودی کاروبار کے جواز کا فتویٰ دیتے ہین، بعض غیر قانونی دماغون کو یہ شبہہ ہوتا ہے، کہ اگر اس جواز کی بنا اس پر ہے، کہ غیر اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا مال مسلمانون کے لئے مباح ہے، تو پھر اس ملک میں فریب چوری ڈاکہ وغیرہ جو شرعاً لین دین کے ناجائز ذرائع ہین، کیا ان ذرائع سے بھی مسلمانون کو غیر مسلمون کا مال لینا جائز ہوگا، ؟ حالانکہ جہان یہ مسئلہ فقہ حنفی مین لکھا گیا ہے، وہین دوسرا فقرہ "من غیر غدر" (یعنی خلافِ معاہدہ) لین دین نہ ہو، کی قید بھی بڑھی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان مین جو حکومت قائم ہے، اس کے قانون مین فریب، چوری، ڈاکہ وغیرہ کے ذریعہ سے لین دین کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اور اس ملک مین جو

ہندوستان مین مسئلہ ربوا (سود) کا حکم

---

[۱] جس مین سب سے نمایان شخصیت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، شاہ صاحب کے فتاوی عزیزیہ مین یہ فتویٰ ایک سے زیادہ مقام مین موجود ہو، یہان یہ بھی غور کرنے کا مقام ہو کہ شاہ صاحب نے یہ فتوے اس وقت صادر کئے تھے، جب لال قلعہ مین تیموری سلاطین نام نہاد شاہ ہند کے نام سے موجود تھے لیکن عملاً چونکہ ان کی حکومت ختم ہو چکی تھی، اس لئے شاہ صاحب نے حنفی فقہ کے اس معاشی مسئلہ کا عام اعلان سرزمین ہند مین کر دیا تھا،

مسلمان آباد ہیں، وہ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آباد ہیں، کہ حکومت وقت کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرینگے، اب اگر چوری ڈاکہ یا فریب وغیرہ ذرائع سے ملک کے کسی باشندے کا روپیہ کوئی لے گا، تو غدر (عہد شکنی) کے اسلامی جرم کا وہ مرتکب ہی، بخلاف ربوا (سود) کے کہ موجودہ حکومت نے اس ذریعہ سے لین دین کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے، پس یہ حکومت وقت کے ساتھ غدر (عہد شکنی) نہیں ہے، اور بغیر کسی عہد شکنی کے مسلمان کے قبضہ مین جب اس ملک کے غیرمسلم باشندہ کا روپیہ آئے تو معًا قبضہ کے ساتھ ہی وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، امام ابو حنیفہ کا یہ اتنا مستحکم قانونی نقطۂ نظر ہے کہ اس قسم کے اموال کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی پیش کرنا مشکل ہے، میرا مطلب یہ ہو کہ ہندوستان کی غیرمسلم رعایا کے اموال کے عدم اباحت کی دلیل پیش کرنا آسان نہیں ہے، چہ جائیکہ ان کی حرمت کا دعویٰ؟ اور یہی اس معاشی مسئلہ کی بنیاد ہے، افسوس کہ علمائے اسلام نے اسلام کے اس قیمتی نقطۂ نظر پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا، ورنہ ادھر سو ڈیڑھ سو سال مین مسلمان جن معاشی دقتون مین مبتلا ہو گئے، غالبًا صورتِ حال یہ نہ ہوتی، ملک کے باشندون کا ایک طبقہ صرف لیتا رہا، اور دوسرا طبقہ صرف دیتا رہا، اس کی وجہ سے جو معاشی عدم توازن اس ملک مین پیدا ہو گیا ہے، اس کی ذمہ داری اسلام پر نہین، بلکہ زیادہ تر علماء پر اس لئے ہو کہ ان کے معاشی نظام میں اس صورتِ حال کا علاج موجود تھا، لیکن اونھون نے ایک جزو پر عمل کیا، اور دوسرے کو ترک کر دیا، اور اب تو شاید مرض لاعلاج ہو چکا ہی،

اس مسئلہ کا ذکر چاہئے تو یہ تھا کہ مین سود کے باب مین کرتا، جیسا کہ عمومًا فقہ کی کتابون میں کیا گیا ہی، لیکن سچی بات یہ ہو کہ اس کا تعلق ربوا کے باب سے نہین ہی، بلکہ بین الاقوامی معاشی تعلقات کا یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے، اسی لئے بات بآسانی سمجھ مین آجاتی ہے، بخلاف اس باب کے جہان خود مسلمانون کے باہمی مالی و معاشی معاملات سے بحث کیجاتی ہی، غیر موزون مقام پر درج ہونے کی وجہ سے امام صاحب کا صحیح نقطۂ نظر لوگون کے

لہ اسی لئے ان لوگون سے جو اس مسئلہ مین امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا انکار کرنا چاہتے ہین، میرا مطالبہ ہو کہ قرآن و حدیث و اجماع و قیاس الغرض کسی شرعی دلیل سے الحربی کے اموال کے عدم اباحت کا ثبوت پیش کر سکتے ہون تو پیش کرین،

سامنے نہین آتا، بہرکیف مذکورۂ بالا چند استثنائی صورتون کے سوا باہمی لین دین کو قرآن نے

عن تراض منکم — باہمی رضامندی سے لین دین ہو،

پر مبنی کیا ہے یعنی کوئی کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر اپنی ملک نہین بنا سکتا، اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر

فقہاے اسلام نے تمام معاشی ابواب کے قوانین کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے کہ لین دین مین

باہمی "مراضاۃ" کی شرط تقریبًا تمام متمدن اقوام کے قوانین مین مسلّم ہے، چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکا، غصب

وغیرہ کو جرم اسی بنا پر قرار دیا گیا ہے، کہ ان تمام شکلون میں مالک کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے،

لیکن اسلام نے اس عام قانون کے سوا "مالی معاملات" کے لین دین کے متعلق چند اور امور کا اضافہ

بھی کیا ہے، جن مین پہلی اصل تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن مین

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، — باطل طریقہ سے باہم ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو۔

کے الفاظ مین کیا گیا ہے، اور دوسری اصل قرآن ہی مین

لا تظلمون ولا تظلمون — نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم کیا جائے،

کے دو مختصر لفظون مین مذکور ہے، ہم اس وقت ان ہی دو اصول اور ان کے نتائج پر بحث کرنا چاہتے ہین کہ

"اسلامی معاشیات" کی تصحیح وارتقا مین ان دو قاعدون کو میرے خیال مین بہت زیادہ دخل ہے،

اکل بالباطل کا مطلب پہلی بات یعنی باہم ایک دوسرے کا مال بالباطل نہ کھایا جائے، پہلے اس کے

مفہوم کو سمجھ لینا چاہیے، مثال سے اس کو یون ذہن نشین کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک شخص آپ کا کوئی کام

کر کے یا آپ کو اپنی کوئی چیز دے کر یا اپنی چیز سے آپ کو نفع اٹھانے کا موقع دے کر اگر آپ سے آپ کا مال

لیتا ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ پر اپنا ایک حق قائم کرنے کے بعد اس کے معاوضہ مین آپ کا مال لے رہا ہے لیکن

اس کے مقابلہ مین کوئی حق قائم کئے بغیر اگر آپ کا مال لینا چاہتا ہے، تو یہی اکل بالباطل ہے یعنی بغیر کسی حق کے

آپ کا مال لے رہا ہے، یہ تو الفاظ کا مطلب ہوا، اب ظاہر ہے کہ دنیا مین کاروبار کی ساری سرگرمیان اسی مبنی ہین کہ ہر شخص ایک دوسرے کی ضرورت کو پوری کر رہا ہے، اگر اسی شکل کو یک طرفہ کر دیا جائے یعنی دینے والون کو لینے والون سے کچھ نہ ملے، تو نہ زراعت چل سکتی ہے، نہ تجارت، نہ حرفت، نہ صنعت، جب معاوضہ ادا کئے بغیر لوگون کو زندگی کی ضروریات ملنے لگین گی تو پھر خواہ مخواہ معاوضہ کے مہیا کرنے کی فکر مین کوئی کیون مشغول ہوگا، نتیجہ یہ ہوگا، کہ ملک کے باشندون کی توانائیون کا ایک بڑا حصہ دنیا مین آکر اپنی قیمت حاصل کئے بغیر قبر مین دفن ہوتا چلا جائے گا، نیز ان کے دل و دماغ اور عملی جد وجہد سے ملک کو اپنے معاشی ارتقا مین جو مدد مل سکتی تھی، اس سے وہ محروم ہو جائے گا،

گداگری کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر

یہی وہ بنیاد ہے کہ گو دنیا کے اکثر حصون مین گداگرون اور سائلون کو صرف یہی نہین کہ مجرم نہین ٹھہرایا جاتا تھا، بلکہ بعض علاقون مثلاً ہندوستان مین عظمت و احترام کی آخری بلندیون پر وہی لوگ قابض تھے، اور اب تک ہین، جن کا گذارہ بھکشا اور دان پُن پر ہے، سمجھا جاتا ہے کہ یہ بڑی نیکی اور پُن کی بات ہے، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے یہ کتنا بڑا خسارہ ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اسلام نے صرف یہی نہیں کہ کھاتے پیتون کے لئے سوال کو جرم قرار دیا ہی، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہو کہ

من سال الناس عن ظھر غنی فانما — باوجود غنی ہونے کے جو لوگون سے بھیک مانگتا

یستکثر من جمر جھنم (صحاح) — ہو وہ جہنم کے انگارے جمع کر رہا ہے،

یعنی باوجود "غنا و استطاعت" کے جو بھیک مانگتا ہے، وہ جہنم کے انگارون کو اکٹھا کر رہا ہے، اور غنا سے بھی مراد یہ نہین ہے کہ کافی دولت و ثروت رکھتا ہو، بلکہ اسی حدیث مین ہے کہ پوچھنے والے نے دریافت کیا

یا رسول اللہ ما ظھر غنی — غنی کا یا رسول اللہ کیا مطلب ہی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب مین جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانون کے لئے باعثِ عبرت ہے" ارشاد ہوا،

ان یعلم ان عند اھلہ ما یغدیھم جو یہ جانتا ہے کہ اس کے گھر میں اتنا سرمایہ

وما یعشیھم ہو کہ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی غذا مہیا ہو سکتی ہو،

خواہ وہ کسی شکل میں مہیا ہو سکتی ہو، مثلاً جو یا جواری یا جرہ کی روٹی ہی کیون نہ ہو بہر حال اتنے معمولی سرمایہ رکھنے والے کے لئے بھی اسلام نے سوال کو قطعًا حرام کر دیا ہے، اور اگر کسی کے پاس مالی سرمایہ نہ ہو لیکن ہاتھ پاؤن کا سرمایہ اور اتنی قوت رکھتا ہو کہ کما کر کھا سکے، اس کے متعلق بھی ارشاد ہے

لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی صدقہ حلال نہین ہو صاحب غنا کے لئے اور

مرۃ سوی، نہ مضبوط توانا کے لئے،

لا حق فیھا لغنی ولا لقوی صدقہ مین حق نہ کسی غنی کا ہے، اور نہ کمانیوالے

مکتسب توانا آدمی کے لئے اس مین (صدقہ میں) حصہ ہے

بہر حال بجز چند مخصوص صورتون کے جن کی فقہا نے تشریح کر دی ہے، ملک کے ہر باشندے پر جس مین کسی قسم کی بھی مالی یا بدنی صلاحیت ہو، عمومًا اسلام نے سوال کو حرام کر دیا ہے، اور اس سے یہی غرض ہے کہ اس قسم کی تمام قوتین ملک کے معاشی ارتقاء مین اپنی اپنی وسعت کی حد تک ہاتھ بٹائین، اس زمانہ مین مسلمانون کو کون کہہ سکتا ہے،

تندرست و توانا آدمی کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے

ان کو شاید معلوم نہین کہ اسلام مین لینے والون ہی پر عمومًا بھیک حرام نہین ہے، بلکہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ مذکورۂ بالا صفات یعنی کم از کم مالی یا بدنی صلاحیت رکھنے والون کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، علامہ ابن نجیم حنفی نے الاشباہ والنظائر مین مذکورۂ بالا صورتون کے متعلق لکھا ہے،

انّ السائل والمعطی آثمان، بھیک مانگنے والے اور بھیک دینے والے

سائل اور گداگر کے مجرم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہی ہے لیکن دینے والون کو مجرم کیون قرار دیا جاتا ہی اسکی وجہ اونھون نے لکھی ہے،

فلکونہ معیناً علی الحرام،	اس نے حرام مین مجرم کی مدد کی،

اگرچہ بعض علمار کو اس سے اختلاف ہے، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ

لوعلو المعطی ان السائل	اگر دینے والا یہ جانتا ہو کہ سوال کرنے والا
لا یتخذ لا کسبا فلا اثم علیہ	اس کو اپنا پیشہ نہ بنائے گا، تو ایسے دینے والے
ولو علوانہ یتخذ لا کسبا	کو گناہ نہ ہو گا، اور اگر یہ جانتا ہو، کہ
ویتعاد السوال فھو آثم ؕ[۵]	وہ بھیک کو اپنا پیشہ بنائے گا، تو دینے والا
(العرف الشذی ص ۲۹)	بھی گنہگار ہوگا،

(باقی)

[۵] گداگری کے متعلقہ مسائل کی تھوڑی اور تفصیل آیندہ بھی اپنے مقام پر آنے والی ہے "فلینتظر"

موفق الدین عبداللطیف بغدادی

مولانا عبدالسلام ندوی

کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کی ایک روایت کا ماخذ عبداللطیف بغدادی کی ایک تاریخی کتاب "کتاب الافادہ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر" بھی ہے، اور اس لحاظ سے اس مسئلہ کی تحقیق میں ان کا نام رداً و قبولاً بار بار آیا ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں، جو ان کے مفصل حالات سے واقف ہیں، حالانکہ ایک اہم اور مختلف فیہ واقعہ کے راوی ہونے کی حیثیت سے ان کے حالات خاص طور پر دلچسپ ہو سکتے تھے، لیکن اس خاص واقعہ کو چھوڑ کر بھی ان کے حالات دوسری مختلف حیثیتوں سے بھی دلچسپ ہیں،

فلسفہ، اسلام کی تاریخ میں پانچویں اور چھٹی صدی کا زمانہ نہایت اہمیت رکھتا ہے، اس زمانہ میں شیخ بوعلی سینا کی عام شہرت نے دوسرے فلاسفہ کو تقریباً گمنام کر دیا تھا،

کچھ لوگ شیخ الاشراق کے بھی معتقد تھے لیکن ابو نصر فارابی کو لوگوں نے بالکل بھلا دیا تھا، اور قدماء کی کتابوں کو تو کوئی شخص آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا لیکن بعض اشخاص ایسے بھی تھے، جو ابو نصر فارابی اور قدماء کی کتابوں سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے، اور شیخ بوعلی سینا کے مخالف تھے، ابتدا میں موفق الدین عبداللطیف بغدادی بھی شیخ بوعلی سینا کے سخت معتقد تھے لیکن بعد کو اسی قسم کے ایک بزرگ سے اُن کی ملاقات ہوئی، تو بحث و مباحثہ کے بعد ان کے قدیم خیالات بالکل بدل گئے، اور معلوم ہوا کہ تمام دنیا کو شیخ بوعلی سینا اور شیخ الاشراق نے گمراہ کر رکھا ہے، اصلی فلسفہ قدماء کی کتابوں میں ہے، اس لحاظ

سے فلسفۂ اسلام کی تاریخ پر چونکہ ان کے حالات سے روشنی پڑتی ہے، اس لئے وہ خاص طور پر دلچسپی کا موجب ہوسکتے ہین،

وہ ۵۵۷ھ مین بغداد مین پیدا ہوئے، اور شیخ ابوالنجیب کے دامن مین تربیت پائی، خوش قسمتی سے ان کا خاندان علوم عقلیہ ونقلیہ دونون کا جامع تھا، ان کے والد یوسف علوم شرعیہ یعنی قرآن، حدیث، اصول فقہ اور علم کلام کے ساتھ کسی قدر علوم عقلیہ سے بھی واقف تھے، اوران کے چچا سلیمان بھی بہت بڑے فقیہ تھے لیکن چونکہ اس خاندان مین غلبہ علوم شرعیہ کا تھا، اس لئے بچپن مین شیخ موفق الدین کی ابتدائی تعلیم حدیث سے شروع ہوئی، لیکن اسی زمانہ مین وہ لکھنا بھی سیکھتے تھے، قرآن مجید، فصیح، مقامات، اور دیوان متنبی بھی حفظ کرتے تھے اور ایک مختصر کتاب فقہ کی اور ایک مختصر کتاب نحو کی بھی پڑھتے تھے، جب بڑے ہوئے تو اُن کے والد اُن کو شیخ کمال الدین عبدالرحمن الانباری کی خدمت مین لے گئے، جو اس وقت بغداد کے شیخ اور ان کے پرانے دوست تھے، اونھون نے اُن سے فصیح کا خطبہ پڑھنا شروع کیا، لیکن ان کی طویل تقریر کا ایک حرف بھی نہ سمجھے، البتہ اون کے اور تلامذہ ان کی تقریر کو نہایت پسند کرتے تھے لیکن شیخ کمال الدین انباری نے خود کہا کہ مین بچون کو تعلیم نہین دیتا، بلکہ ان کو اپنے شاگرد وجیہ الواسطی کے سپرد کر دیتا ہون، جب ان کی تعلیم سے وہ متوسط درجہ کی قابلیت حاصل کر لیتے ہین، تو خود تعلیم دیتا ہون،

وجیہ واسطی ایک نابینا اور دولت مند شخص تھے، اور بعض رئیسون کے بچون کو تعلیم دیتے تھے، انھون نے نہایت خوشی سے ان کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور صبح سے شام تک نہایت لطف ومحبت کے ساتھ تعلیم دیتے رہے، وہ مسجد ظفریہ مین اُن کے حلقۂ درس مین شریک ہوتے تھے، اور وہ ان کو تمام کتابون کے درس مین شرکت کا موقع دیتے تھے، پھر خاص طور پر ان کی درسی کتابین پڑھاتے تھے، مسجد سے نکلنے کے بعد راستے مین بھی بحث ومذاکرہ جاری رکھتے تھے، پھر جب ان کے گھر پہونچتے تھے، تو وہ خود اپنی درسی کتابین نکالتے تھے، اور عبداللطیف بغدادی بھی اون کے ساتھ ان کو یاد کرتے تھے، پھر وہ شیخ کمال الدین کے پاس جاکر اپنی درسی کتابین پڑھتے تھے

توعبد اللطیف بغدادی بھی ان کو سنتے تھے، یہان تک کہ حفظ و فہم مین ان سے بھی بڑھ گئے، اب جس قدر ان کی علمی قابلیت بڑھتی جاتی تھی، وہ ایک اوستاد کو چھوڑ کر دوسرے استاد کی خدمت مین جاتے تھے، اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، اس طرح اونھون نے جو کتابین پڑھین یا ان کو حفظ کیا، یا ان کے مطالعہ مین رہین ان کے نام یہ ہین، اللمع، شرح المتوانین، شرح الشریف عمر بن حمزہ، شرح ابن برہان، ادب الکاتب، تقویم اللسان، مشکل القرآن، غریب القرآن، ایضاح ابو علی فارسی اور اوسکی شرحین، تکملہ مقتضب للمبرد، کتاب ابن درستویہ، نحو، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، زہد اور تصوف مین شیخ کمال الدین کی ۱۳۰ کتابین، کتاب سیبویہ، کتاب الاصول لابن السراج، فرائض، عروض للخطیب التبریزی، معانی زجاج، علم حدیث مین ان کے شیوخ ابو الفتح محمد بن عبد الباقی المعروف بابن البطی، ابوزرعہ طاہر بن محمد المقدسی، ابو القاسم یحیی بن ثابت الوکیل وغیرہ تھے، اوراُن سے اونھون نے بچپن مین علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد اونھون نے شیخ ابن فضلان سے حدیث اور فقہ پڑھی، اور شیوخِ بغداد، شیوخِ خراسان، شیوخِ شام، اور شیوخِ مصر سے علم حدیث کی سند حاصل کی،

منطق و فلسفہ مین ان کے اساتذہ کا نام نہین معلوم ہوتا، اونھون نے اپنے اساتذہ مین امین الدولہ ابن التلمیذ کے ایک لڑکے کا نام لیا ہے، اور چونکہ وہ عیسائی تھا، اس لئے لازمی طور پر اوس سے علمِ طب یا دوسرے علوم حکمیہ کی تعلیم حاصل کی ہو گی، لیکن عقلی علوم کی طرف جس طرح ان کا میلان پیدا ہوا، اوسکی تاریخ اونھون نے خود یہ بیان کی ہے، کہ بغداد مین ایک مغربی شخص صوفیانہ وضع مین آیا، جو ابن ناتلی کے نام سے مشہور تھا، اور اپنے آپ کو لمتمین کی اولاد مین شمار کرتا تھا، اور مغرب پر عبد المومن کے تسلط و اقتدار کے بعد وہان سے نکل بھاگا تھا، جب اوس نے بغداد مین قیام کیا، تو اوس کے حسن تقریر، اوسکی وجاہت، اور مذہبی حالت نے لوگون کو گرویدہ کرلیا، اور اکابر و اعیان کی ایک جماعت اوس سے ملنے کے لئے آئی، مین بھی اوسکی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس سے مقدمۂ حساب اور نحو مین مقدمہ ابن بابشاذ پڑھا، اوس کا طریقۂ تعلیم

ایسا عجیب تھا کہ لوگ اوس کو بڑا ماہر فن سمجھتے تھے لیکن درحقیقت وہ سطحی معلومات رکھتا تھا، البتہ کیمیا، اور طلسمات وغیرہ کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا تھا، اور ابن وحشیہ اور جابر کی تمام کتابیں چھان ڈالی تھیں، اور اپنی شکل وصورت اور گفتگو سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلیتا تھا، اس نے میرے دل کو تمام علوم کے شوق سے لبریز کردیا، اس کے بعد وہ تو خود چلا گیا، لیکن میں ہمہ تن تحصیل علوم میں مشغول ہوگیا، اور امام غزالی کی کتابوں یعنی مقاصد الفلاسفہ، معیار، میزان اور محک النظر کا مطالعہ کرنا شروع کیا، پھر شیخ بوعلی سینا کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں کی طرف متوجہ ہوا، اور کتاب النجاۃ حفظ کرڈالی، اور شفا کو اپنے ہاتھ سے لکھا، شیخ بوعلی سینا کے شاگرد بہمن یار کی کتاب التحصیل پڑھی، اور جابر بن حیان صوفی اور ابن وحشیہ کی کتابیں بھی پڑھیں، اور کیمیا سازی کرنے لگا، اس گمراہی میں مجھکو سب سے زیادہ شیخ بوعلی سینا کی اوس کتاب نے مبتلا کیا جو اوس نے فن کیمیا میں لکھی ہے، اور اس سے اپنے فلسفہ کی تکمیل کی ہے،

۵۸۵ھ تک اون کی تحصیل علمی کی یہ سرگذشت ہے، اوس کے بعد بغداد میں ان کو کوئی قابل اعتماد اوستاد نظر نہیں آیا، اس لئے وہ موصل میں چلے آئے، اور یہاں بھی ان کی تمنا پوری نہیں ہوئی، یہاں صرف کمال بن یونس ایک شخص تھے، جو فقہ اور ریاضیات کے تو ایک جید عالم تھے، باقی حکمت کی اور شاخوں سے معمولی واقفیت رکھتے تھے، لیکن وہ اپنا دماغ اور وقت صرف کیمیا سازی میں صرف کرتے تھے، اور اس کے علاوہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے، یہاں ایک بہت بڑی جماعت نے شیخ عبداللطیف بغدادی سے ملاقات کی، اور ان کے سامنے بہت سے مناصب پیش کئے، لیکن ان میں اونھوں نے مدرسہ ابن المہاجر المعلقہ اور اس کے ماتحت دارالحدیث کی خدمت کو اختیار کیا، اور ایک سال تک شب و روز اس میں مصروف رہے، اور اہل موصل پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا، یہاں اونھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی فلسفہ دانی کا غیر معمولی شہرہ سُنا، تو ان سے ملنے کا قصد کیا، لیکن ان کے یہاں جانے سے پہلے اونھوں نے کمال بن یونس سے جو ان کے متقدین میں تھے، ان کی چند کتابیں لیں اور تلویحات، لمحہ اور معارج

کا مطالعہ کیا، لیکن ان کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ دنیا جہالت مین مبتلا ہے، اس کے بعد وہ دمشق مین آئے، تو وہان اعیان بغداد اور دوسرے شہرون کے علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نظر آئی جس کو سلطان صلاح الدین کی فیاضی اور قدر دانی نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا، ان مین بعض لوگون سے اونھون نے مناظرے کئے، اور اُن پر غالب آئے، اور یہان بہت سی کتابین تصنیف کین، دمشق مین ان کی ملاقات شیخ عبداللہ بن ناتلی سے ہوئی جن کے متعلق وہان دو فریق ہو گئے تھے، ایک ان کا موافق اور ایک مخالف تھا، خطیب دولعی ان کے مخالف اور بہت سے اعیان و اکابر اُن کے موافق تھے، لیکن اونھون نے خود کیمیا سازی اور فلسفیانہ مباحث کو چھیڑ کر اپنے آپ کو مطعون کر دیا، شیخ عبداللطیف بغدادی نے اون سے مل کر بہت سے علوم پر مباحثے کئے لیکن ان کو معمولی درجہ کا عالم پایا، اس لئے ان کے ساتھ ان کو جو حسن ظن تھا، وہ قائم نہین رہا، اس لئے ان کے یہان آنا جانا کم کر دیا، پھر عبداللہ بن ناتلی نے ظاہر عکا مین سلطان صلاح الدین سے مل کر دولعی کی شکایت کی، اور وہان سے بیمار ہو کر واپس آئے، تو شفاخانہ مین داخل کر دیئے گئے، اور وہین اون کا انتقال ہو گیا اور ان کی کتابین دمشق کی پولیس نے اپنے قبضہ مین لے لین، اس کے بعد شیخ عبداللطیف بغدادی بیت المقدس کی زیارت کو گئے، اور اوس کی زیارت سے فارغ ہو کر ظاہر عکا مین سلطان صلاح الدین سے ملنا چاہا، اور پہلے قاضی فوج بہاء الدین بن شداد سے ملاقات کی، وہ موصل ہی مین ان کی شہرت سُن چکے تھے، اس لئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اور کہا کہ عماد الدین کاتب کے یہان چلین، انکا خیمہ بھی قاضی بہاء الدین کے خیمہ سے ملا ہوا تھا، وہ گئے تو اونھون نے ان سے علم کلام کے چند مسائل پر گفتگو کی، اور کہا کہ چلو قاضی فاضل کے یہان چلین، یہ ان سب کے ساتھ قاضی فاضل کی خدمت مین گئے، تو ان کو ایک نحیف الجثہ بزرگ نظر آئے، جو ہمہ تن قلب و دماغ تھے، وہ خود بھی لکھ رہے تھے، اور دو شخصون سے لکھوا بھی رہے تھے، اسی حالت مین اونھون نے اُن سے قرآن مجید کے متعلق چند نحوی سوالات کئے اور بہت سے مسائل پوچھے اور کہا کہ دمشق مین چلے جاؤ وہان تم کو وظیفہ مل جائیگا لیکن عبداللطیف بغدادی نے کہا کہ مین مصر جانا چاہتا ہون، انھون نے کہا

کہ فرنگیون نے چونکہ عکا پر قبضہ کرلیا ہے، اور مسلمانون کا کشت و خون کیا ہے، اس لئے سلطان پریشان خاطر ہے، لیکن اونھون نے کہا کہ مجھے مصر جانا ضروری ہے، تو قاضی فاضل نے مصر مین اپنے وکیل ابن سنا الملک کو ایک مختصر سا رقعہ لکھدیا، اس لئے اوس نے ان کو ایک آرام دہ مکان مین اوتارا، اور اشرفیان اور غلہ لیکر آیا، اس کے بعد ارکانِ سلطنت کے یہان جاکر کہا، کہ یہ قاضی فاضل کے مہمان ہین، اب ان پر ہدایا وصلات کی بارش ہونے لگی، ہر دسوین دن سرکاری مہمات کے متعلق قاضی فاضل کا ایک مراسلہ دیوانِ مصر مین آتا تھا، اور اس مین خاص طور پر شیخ عبداللطیف بغدادی کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی ہدایت ہوتی تھی، اونھون نے مسجد حاجب لولو مین قیام کیا، اور لوگون کو تعلیم دینے لگے، وہ مصر مین صرف تین آدمیون سے ملنے کے لئے آئے تھے، ایک یاسین سیمیائی، دوسرے موسیٰ بن میمون یہودی، تیسرے ابوالقاسم الشارعی، ان مین سب کے سب ان سے ملنے کے لئے آئے، اور ان کو ان سب کے متعلق رائے قائم کرنے کا موقع ملا یاسین سیمائی محض ایک شعبدہ گر نکلا، اوس کی نسبت کہا جاتا تھا، کہ وہ جس مقدار مین چاہتا تھا، اور جس وقت چاہتا تھا، اشرفیون کا ڈھیر لگا دیتا تھا، اور نیل کے پانی کو خیمہ بنا دیتا تھا، اور اس کے نیچے اپنے رفقاء کے ساتھ بیٹھتا تھا، موسیٰ بن میمون غیر محدود علم رکھتا تھا، لیکن سخت دنیا دار اور جاہ پرست تھا، اوس نے یہود کے لئے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام کتاب الدلالۃ رکھا تھا، اوس نے یہ کتاب اصول شرائع واصول عقائد کی اصلاح کے لئے لکھی تھی، لیکن درحقیقت اوس سے ان کی تخریب ہوتی تھی، لیکن ابھی تک ابوالقاسم الشارعی سے ملاقات نہین ہوئی تھی، اس کی تقریب یہ ہوئی، کہ وہ ایک روز مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے گرد لوگون کا ایک بڑا مجمع تھا، اسی حالت مین ایک وجیہ شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے آیا، اور سب لوگ اوس سے مرعوب ہوگئے، اور اوس کو سب کے اوپر بٹھایا، جب مجلس ختم ہوگئی، تو عبداللطیف بغدادی کے پاس مسجد کے امام نے آکر کہا کہ آپ اس شیخ کو پہچانتے ہین؟ یہ ابوالقاسم الشارعی ہین، اونھون نے ان کو گلے لگایا، اور کہا کہ مین آپ ہی سے ملنے کے لئے آیا ہون، اب وہ ان کو

اپنے مکان پرلے گئے، اور کھانا کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی، توان کی دلی مراد پوری ہوئی، اونکی صورت اور سیرت دونوں حکیمانہ تھی، دنیوی مال واسباب مین سے بقدر کفاف پر قناعت کرلی تھی اون سے صحبت رہی، تومعلوم ہوا کہ وہ قدمار اور ابونصر فارابی کی کتابوں کے سب سے بڑے ماہر ہین، لیکن خود شیخ عبداللطیف بغدادی کو قدمار اور ابونصر فارابی سے کوئی عقیدت نہ تھی، ان کا خیال تھا کہ حکمت کا خزانہ صرف شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتابوں مین بھر دیا ہے، اس پر دونوں مین بڑی بحثیں رہین، شیخ عبداللطیف بغدادی اپنے عقیدہ پر شدت سے قائم تھے، اور وہ اس عقیدے کو بدلنا چاہتے تھے، اور اس غرض سے ابونصر فارابی، اسکندر اور ثامسطیوس کی کتابین دکھاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ بھی مذبذب ہوگئے، اسی حالت مین یہ خبر پھیلی کہ سلطان صلاح الدین نے فرنگیون سے صلح کر لی ہے، اور بیت المقدس مین واپس آگیا ہے، اس لئے عبداللطیف بغدادی بھی بیت المقدس مین آئے، اور جہان تک ممکن ہوسکا، قدمار کی کتابین ساتھ لیتے آئے، یہان سلطان صلاح الدین کی علمی مجلس مین اُن کو شرکت کا موقع ملا اور اُس نے اُن کے لئے ۳۰ دینار ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، سلطان کی اولاد نے بھی ان کے لئے وظائف مقرر کئے، اور اس طرح اون کے لئے سو دینار ماہوار کے وظائف مقرر ہوگئے، اب وہ دمشق مین واپس آئے، اور جامع دمشق مین لوگون کو تعلیم دینے لگے، اب قدمار کی کتابون کا بغور مطالعہ کیا، توان کا شوق بڑھتا، اور بوعلی سینا، کی کتابون کا شوق گھٹتا گیا، کیمیا سازی کی لغویت سے بھی ان کو واقفیت ہوئی، اوران کے بیان کے موافق ان کو دو ہلاکت خیز گمراہیون سے جن مین تمام دنیا مبتلا تھی، نجات حاصل ہوئی، ایک بوعلی سینا کی کتابین دوسرے کیمیا سازی کا شوق، اس کے بعد سلطان صلاح الدین کا انتقال ہوگیا اور اس کی اولاد ادھر ادھر پھیل گئی، اور مصر کی شادابی اور سرسبزی کی وجہ سے ان مین اکثر لوگ مصر چلے گئے، لیکن شیخ عبداللطیف بغدادی نے دمشق ہی مین قیام کیا، اس وقت دمشق کا بادشاہ سلطان صلاح الدین کا بڑا لڑکا ملک الافضل تھا، ملک العزیز نے مصری فوجون کو لیکر دمشق پر چڑھائی کی، اور اپنے بھائی کو

کا مصرے میں لے لیا لیکن اس کو کامیابی نہیں ہوئی، اور وہ درد قولنج کے لاحق ہو جانے سے مرض الصفر میں چلا گیا، جب اس کو درد سے نجات حاصل ہوئی تو شیخ عبداللطیف بغدادی اوس سے ملنے کو گئے، تو وہ ان کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور بیت المال سے بقدر ضرورت ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اب اونھوں نے شیخ ابوالقاسم شارعی کے ساتھ قیام کیا، اور شب و روز ان سے صحبت رہنے لگی، یہاں تک کہ شیخ ابوالقاسم شارعی نے انتقال کیا،

اس زمانہ میں ان کا مشغلہ یہ تھا کہ صبح سے چار گھنٹہ تک جامع ازہر میں تعلیم دیتے تھے، دوپہر کے وقت لوگ ان سے طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، دن کے اخیر حصہ میں پھر جامع ازہر میں آتے تھے، اور دوسرے لوگ اُن سے پڑھتے تھے، اور رات کو اپنا کام کرتے تھے، پھر ملک العزیز کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد بھی وہ ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کی طرف سے ان کو وظیفہ ملتا رہا، اسی زمانہ میں مصر پر قحط اور وبا کی مصیبتیں نازل ہوئیں، اور اونھوں نے اس کے متعلق ایک کتاب، کتاب الافادہ والاعتبار کے نام سے لکھی، جس میں اس قحط اور وبا کے چشم دید اور مستند لرزہ خیز واقعات درج کئے، اس کے بعد جب سلطان ملک العادل سیف الدین ابوبکر ایوب نے مصر و شام اور مشرق کے اکثر شہروں پر قبضہ کیا، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی، تو وہ بیت المقدس میں چلے آئے، اور وہاں قیام کرکے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، پھر ۶۰۴ھ میں دمشق میں آئے، اور مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم دینے لگے، اس سے پہلے ان کی شہرت علم نحو میں تھی، لیکن اب وہ طب میں مشہور ہوئے، اور اس فن میں بہ کثرت کتابیں تصنیف کیں، اس کے بعد مختلف شہروں کا سفر کرتے رہے، لیکن ان کا قیام زیادہ تر حلب میں رہا، اور وہاں طب اور حدیث کا درس دیتے رہے، اور ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، وہ حلب سے نکل کر دمشق میں دوبارہ قیام کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس سے پہلے بغداد کے راستے سے حج کے سفر کا ارادہ کیا تاکہ

وہان خلیفہ مستنصر باللہ کی خدمت مین اپنی چند تصنیفات پیش کر سکین، لیکن بغداد مین پہنچکر بیمار ہوئے اور ۱۲ر محرم ۶۲۹ھ مین انتقال کیا، اور بہ مقام وردیہ اپنے باپ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے،

شیخ عبداللطیف بغدادی سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کے خاندانی تعلقات تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے دادا جس زمانہ مین مصر مین تھے، اسی زمانہ مین شیخ عبداللطیف بغدادی بھی مصر میں تھے، اور اس بنا پر دونون مین گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اور علامہ ابن ابی اصیبعہ کے باپ اور چچا اون سے علم ادب کی تعلیم حاصل کرتے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے چچا نے اُن سے ارسطو کی کتابین بھی پڑھی تھین، وہ آخری بار دمشق مین آئے، تو خود علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی دیکھا، ان کا بیان ہے، کہ وہ نحیف الجثہ میانہ قد آدمی تھے، اور ان کو اپنے علم وفن پر بڑا ناز تھا، وہ اپنے زمانہ کے علما اور بہت سے علماے قدیم کی تنقیص کیا کرتے تھے، اور اس مین حدِ اعتدال سے گذر جاتے تھے، وہ علماے عجم بالخصوص شیخ بو علی سینا پر بہت زیادہ اعتراضات کیا کرتے تھے،

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے شیخ عبداللطیف بغدادی کے بہت سے تعلیمی خیالات نقل کئے ہین، جو غور سے سننے اور پڑھنے کے قابل ہین، وہ فرماتے ہین، کہ تم کو اپنی سمجھ پر کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن محض کتب بینی سے علم نہ حاصل کرو، بلکہ ہر علم کو دو اوستادون سے حاصل کرو، اگر ایک استاد ناقص ہو تو جو کچھ علم اوس کے پاس ہے، اوس کو حاصل کر لو، پھر اوس سے زیادہ باکمال اوستاد مل جائے، تو اوس کو چھوڑ دو، جب کوئی کتاب پڑھو تو اوس کو حفظ یاد کر لو، یہان تک کہ اگر اوس کتاب کا وجود بھی باقی نہ رہے، تو تم کو اسکی پروا نہ ہو،

جب کوئی کتاب پڑھو، تو اوس کے ساتھ دوسری کتاب نہ پڑھو، بلکہ جو وقت دوسری کتاب کے پڑھنے مین صرف کرنا چاہتے ہو، وہ اسی کتاب مین صرف کرو،

ایک ساتھ دو علم کی تعلیم نہ حاصل کرو، بلکہ سال دو سال تک صرف ایک ہی علم کی تحصیل مین معروف رہو، جب اوس سے فارغ ہو جاؤ، تو دوسرے علم کی طرف توجہ کرو، جب کوئی علم حاصل کر چکو تو صرف

اسی بنا پر قناعت نہ کرلو، بلکہ بحث و مباحثہ، غور و فکر، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے اوس کو ترقی دیتے رہو،

جب کسی علم کی تعلیم دو تو اوس کے ساتھ دوسرے علوم کی آمیزش نہ کرو، کیونکہ ہر علم مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس لئے جو شخص اوس کے ساتھ دوسرے علم کی آمیزش کرتا ہے، وہ گویا ایک زبان کی تعلیم دوسری زبان کے ذریعہ سے دیتا ہے،

انسان کو علم تاریخ و سیر کی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہئے تاکہ اوسکو گذشتہ قومون کی عیب و ہنر سے بھی واقفیت حاصل ہو جائے، انسان کو صدر اوّل کی روش اختیار کرنی چاہئے، اس کیلئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھنا چاہئے، اس طرح جب اوس کو معلوم ہو جائے گا، کہ خورد و نوش، وضع لباس، صحت و مرض وغیرہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طرز تھا، اور آپ اپنے اصحاب، ازواج مطہرات اور دشمنون کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، اور وہ اس پر تھوڑا بہت بھی عمل کریگا تو ایک سعادتمند انسان ہو جائیگا اپنی ذات سے ہمیشہ بدگمان رہو، اور اپنے خیالات علما کے سامنے پیش کرتے رہو، جس شخص نے علما کے دروازون پر ٹھوکرین نہین کھائین، وہ علم و فن کے میدان مین کبھی ثابت قدم نہ رہے گا،

اگر دنیا تم کو حاصل نہ ہو تو رنجیدہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر وہ تم کو حاصل ہو جائے گی، تو کسب فضائل مین حائل ہو گی، کیونکہ دولت مند لوگ علم کی تحصیل مین بہت کم جد و جہد کرتے ہین، البتہ اگر وہ بہت زیادہ بلند ہمت ہون یا تحصیل علم کے بعد ان کو دولت حاصل ہو جائے، تو یہ دوسری بات ہے، مین یہ نہین کہتا کہ دنیا طالب العلم سے منہ موڑ لیتی ہے، بلکہ وہ خود اوس سے منہ موڑ لیتا ہے، کیونکہ وہ صرف تحصیل علم مین مشغول رہتا ہے، اس لئے وہ دنیا کی طرف متوجہ ہی نہین ہوتا، دنیا حرص و طمع اور بڑے حیلے حوالے سے حاصل ہوتی ہے، لیکن چونکہ وہ حصول دنیا کے تمام اسباب سے بے پروا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اوس کو حاصل نہین ہوتی، اس کے علاوہ ایک طالب العلم ذلیل پیشون کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے تجارت

کی مختلف قسمون کو اپنے رتبہ سے گرا ہوا پاتا ہے، ارباب دنیا کے سامنے سر نہین جھکاتا، دنیا انہی طریقون سے حاصل ہوتی ہے، اور اس مین بڑا وقت صرف کرنا پڑتا ہے، لیکن ایک شخص جو طلب علم مین مصروف ہے وہ اس دردسر مین مبتلا نہیں ہوسکتا، اس لئے وہ چاہتا ہے، کہ دنیا یونہی بلا وجہ مل جائے، تو کیا یہ ظلم نہین ہے؟ البتہ ایک آدمی جب کسی علم مین پوری دستگاہ حاصل کرلیتا ہے اور اس مین مشہور ہوجاتا ہے تو ہر طرف سے اوس کی مانگ ہوتی ہے، اور اس کے سامنے عہدے پیش کئے جاتے ہین، اب دنیا اوس کے سامنے خود سربسجود ہوکر آتی ہے، اور اس حالت مین آتی ہے، کہ اوسکی عزت، اور اس کا دین محفوظ و برقرار ہوتا ہے، علم مین ایک خوشبو ہوتی ہے، جو پکار کر صاحب علم کا نام بتاتی ہے، اس مین ایک روشنی ہوتی ہے، جو صاحب علم کا پتہ دیتی ہے، مشک کا تاجر اور اوس کا سرمایہ چھپا نہیں رہ سکتا، جو شخص اندھیری رات مین مشعل لیکر چلتا ہے وہ مخفی نہیں رہ سکتا، پانی کے چشمے ایک بار خشک ہوجاتے ہین، پھر جوش مارنے لگتے ہین، یہی حال علم کا بھی ہے کہ اوس مین جزر و مد ہوتا رہتا ہے،

علم ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم مین اور ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین جاتا ہے، اور اس طرح چلتا پھرتا رہتا ہے،

شیخ عبداللطیف بغدادی نہایت کثیر التصیفات ہین، اور حدیث، تفسیر، علم کلام، طب، فلسفہ، منطق، شعر و ادب، تاریخ غرض ہر فن پر کتابین لکھی ہین، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ان کی تصنیفات کی فہرست ڈھائی صفحون مین درج کی ہے، اور ان مین بہت سی کتابین اچھوتے مضامین پر ہین، افسوس ہے کہ ان کی فلسفیانہ تصنیفات مین کوئی کتاب ابتک شائع نہین ہوئی، ورنہ امام غزالی، امام رازی اور ابو البرکات بغدادی کے ساتھ فلسفۂ ارسطو اور فلسفہ ابن سینا کے مخالفین مین ایک اور معزز نام کا اضافہ ہوجاتا، اور فلاسفۂ قدیم کے بہت سے مسائل و نظریات منظر عام پر آجاتے،

کچھ تفسیر رازی کے متعلق

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین

اردو زبان مین غالباً سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے یہ راز فاش کیا، کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی کی کی تصنیف نہین ہے، بلکہ اس کی تکمیل شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی نے کی ہے،

ایک سلسلۂ تحقیق مین اس مبحث سے متعلق بعض نئی چیزین سامنے آئین، وہ اس لئے پیشِ خدمت ہین کہ شاید دوسرے اہلِ علم کی نظرون مین بھی اور کچھ باتین ہون، جو منظرِ عام پر آسکین!

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ تکملہ محض شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی کا مرہونِ منت نہین ہے، بلکہ ان کے سوا اس خدمت مین اور لوگ بھی شامل ہین، کتب خانہ خدیویہ مصر کی فہرست مین ہے،

ثم کمله جماعة منهم شهاب الدین خلیل الخوبی الدمشقی المتوفی سنة ۶۳۹ھ ونجم الدین احمد بن محمد القمولی	امام رازی کی تفسیر کا تکملہ ایک جماعت نے کیا، ان میں سے شہاب الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قمولی ہین،

افسوس ہے کہ فہرست کے مرتب نے اپنا ماخذ نہین تبلایا، ورنہ جماعۃ کا شاید کچھ اور سراغ لگتا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آج تک یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اس تفسیر مین تکملہ نگارون نے کہان سے کہان تک لکھا ہے؟ فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر کے مرتب نے سید مرتضیٰ شارح قاموس اور سید مرتضیٰ نے شرح شفا، خفاجی کے حوالہ سے بیان کیا ہے، کہ امام رازی نے سورۂ انبیا تک تفسیر لکھی تھی،[2]

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد اول ص ۲۱۳ [2] فہرست ،، ص ۲۱۳،

مولانا شبلی مرحوم نے اس سے اختلاف فرمایا ہے، ان کا ارشاد ہے کہ سورۂ فتح تک امام صاحب کی تفسیر کا لکھا جانا یقینی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورہ کی تفسیر کے خاتمہ مین لکھا ہے کہ ۶۰۳ھ مین تمام ہوئی، اور امام کی عادت ہے کہ ہر سورہ کی تفسیر ختم ہونے کی تاریخ لکھدیتے ہین، امام نے ۶۰۶ھ مین وفات پائی ہے، اس لئے ۶۰۳ھ ان کی زندگی کا زمانہ ہے،

اس سورہ کے بعد پھر کہیں اس قسم کی تصریح نہین ملتی، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہین سے تکملہ نگارون کا سلسلہ شروع ہوتا ہے[1]،

لیکن اس راے کے قبول کرنے مین دقت یہ ہے کہ سورۂ فتح سے پیشتر کی بعض تفسیری عبارتین صاف بتلاتی ہین، کہ امام رازی اس حصۂ تفسیر کے مصنف نہین ہین، مثلاً سورۂ یٰسین کی تفسیر کے آخر مین امام غزالی کا یہ قول درج ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یٰسین کو قرآن کا قلب اس لئے فرمایا، کہ اس سورہ مین حشر ونشر کے اعتقاد کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، پھر امام غزالی کی اس راے کے متعلق تحریر ہے،

واستحسنه فخر الدين الرازی	اس کو امام رازی نے پسند فرمایا، امام
رحمه الله سمعته يترحم عليه بسبب	غزالی کے اس کلام کی وجہ سے مین نے رازی
هذا الكلام۔ (تفسیر کبیر ج ، ص ۱۲۱ مطبوعہ)	کو ان پر دعاے رحمت کرتے ہوئے پایا،

ظاہر ہے کہ یہ حصۂ تفسیر امام رازی کے کسی دیکھنے والے ہی کا ہوسکتا ہے، اور ہمارے خیال میں وہ شمس الدین خوئی شاگرد امام رازی ہین جن کا تذکرہ بعد کو آئے گا!

اسی طرح سورۂ بقرہ مین حروف مقطعات کے متعلق ایک تفصیلی بحث ہے، پھر سورۂ عنکبوت مین حروف مقطعات کے متعلق دوبارہ ایک مستقل بحث ملتی ہے، اس کے بعد سورۂ ص جس کے آخر مین امام رازی نے تاریخ اختتام درج فرمائی ہے، اس کے شروع مین لکھتے ہین کہ اگرچہ سورۂ بقرہ مین حروف مقطعات کے متعلق تفصیلی بحث گذر چکی ہے، مگر یہان بعض وجوہ کا ذکر کیا جاتا ہے،

---

[1] مقالات شبلی جلد ۴ ص ۴۳،

اب سوال یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت کی بحث کا امام نے تذکرہ کیون نہین فرمایا؟ حالانکہ وہان اس عنوان پر خصوصی بحث ہے، ہم سمجھتے ہین کہ سورۂ عنکبوت کی تفسیر بھی امام کی نہین ہے جس کا پہلا قرینہ تو یہی ہے کہ اگر انھون نے اس کو لکھا ہوتا، تو اس کا حوالہ ضرور دیتے، دوسرے یہ کہ سورۂ یٰسین کی تفسیر جس کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ امام رازی کی تفسیر نہین ہے،

اس کے شروع مین یہ عبارت ہے،

قد ذکرنا کلاماً کلیاً فی حروف	حروف تہجی کے متعلق سورۂ عنکبوت مین ہم نے
التہجی فی سورۃ العنکبوت[1]،	ایک مفصل گفتگو کی ہے،

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سورۂ یٰسین کی تفسیر لکھی ہے، وہی سورۂ عنکبوت کا بھی مفسر ہے، یہ چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سورۂ یٰسین کا مفسر سورۂ عنکبوت کی بحث کا حوالہ تو دیتا ہے، لیکن سورۂ بقر جہان کئی صفحون مین یہ بحث ہے، اس کا حوالہ نہیں دیتا ہے، کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ سورۂ بقرہ کا حصہ تفسیر اس کا لکھا ہوا نہین ہے!

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر کو مسلسل نہین لکھا، بلکہ مختلف اوقات مین مختلف حصے لکھے، اور ان باقی ماندہ حصون کو تکملہ نگار مولانا نے پورا کیا،

اور اگر مولانا شبلی کے ارشاد کے بموجب تاریخ اختتام کے اندراج کو امام رازی کے تفسیری حصہ کی علامت قرار دیا جائے، تو سورۂ فتح سے پیشتر کی حسب ذیل سورتون کی تفسیر کا امام رازی کی طرف انتساب مشکوک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان سورتون مین تاریخ کا اندراج نہیں ہے،

(۱) سورۂ فاتحہ (۲) سورۂ بقرہ (۳) سورۂ مائدہ (۴) سورۂ انعام (۵) سورۂ اعراف (۶) سورۂ حجر (۷) سورۂ مریم (۸) سورۂ طٰہ (۹) سورۂ انبیاء (۱۰) سورۂ حج (۱۱) سورۂ مومنون (۱۲) سورۂ نور

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷، ص۵۰،

(۱۳) سورۂ فرقان (۱۴) سورۂ شعرا (۱۵) سورۂ نمل (۱۶) سورۂ قصص (۱۷) سورۂ عنکبوت (۱۸) سورۂ روم (۱۹) سورۂ لقمان (۲۰) سورۂ سجدہ (۲۱) سورۂ احزاب (۲۲) سورۂ سبا (۲۳) سورۂ فاطر (۲۴) سورۂ یٰسین (۲۵) سورۂ محمد،

ہمارے خیال میں امام رازی کے حصۂ تصنیف اور تکملہ نگاروں کے حصۂ تصنیف میں اسی وقت امتیاز کیا جا سکتا ہے جب کہ تفسیر کبیر کا ایک ایک حرف پڑھا جائے، مصنفین نے جا بجا اپنے اپنے عہد کے علما و مشائخ کا تذکرہ کیا ہے، ان علما و مشائخ کے حالات تلاش کئے جائیں، اس طرح زمانہ کی تعیین ہو جائے گی، اور تعیین زمانہ کے بعد مصنف کا معلوم ہو جانا مشکل نہیں ہے، مثال کے طور پر سورہ (ق) میں آیت وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کی تفسیر میں ایک مصری عالم امام زین الدین[۱] کا نام لیا گیا ہے، اب تک ہم امام زین الدین کی شخصیت کا پتہ نہ چلا سکے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کے حالات کے معلوم ہو جانے کے بعد زمانۂ تصنیف اور مصنف کا پتہ چلانا کیا مشکل ہے!

تفسیر رازی کے تکملہ نگار (۱) تفسیر رازی کے پہلے تکملہ نگار قاضی القضاۃ شمس الدین احمد بن خلیل بن سعادہ بن جعفر بن عیسی الخلیلی الشافعی ہیں، یہ شوال ۵۸۳ھ میں پیدا ہوئے، خراسان میں علم کلام پڑھا، فقہ امام رافعی سے اور مناظرہ علاؤ الدین طاؤسی سے حاصل کیا، موید طوسی سے بھی نفع اٹھایا، اور ابن زبیدی اور ابن صلاح سے بھی استفادہ کیا، خود ان کے حلقۂ درس سے بھی جلیل القدر اہلِ علم پیدا ہوئے، مثلاً تاج الدین ابن ابی جعفر، ابو عمرو بن حاجب، جمال محمد بن الصابونی، خود ان کے بیٹے قاضی القضاۃ شہاب الدین محمد، یہ ان کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں[۲]

شمس الدین کو امام رازی سے شرف تلمذ حاصل تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق سبکی نے دو قول نقل کئے ہیں، کہ بعض کے نزدیک یہ امام رازی کے شاگرد تھے، اور بعض کے نزدیک قطب مصری شاگرد رازی

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۷، ص ۴۶۳، اس موقع کے الفاظ یہ ہیں، ھٰذا وجہ جید مستفاد من الامام زین الدین ادام اللہ فوائدہ [۲] طبقات شافعیہ ج ۵ ص ۸۔

کے شاگرد تھے، لیکن ابن ابی اصیبعہ ۶۶۸ھ جو شمس الدین خوئی کے شاگرد ہیں، اور ان سے تبصرہ ابن سہلان پڑھا ہی، ان کا بیان ہے کہ شمس الدین امام رازی کے شاگرد تھے،[۵۱] (۲) ممکن ہو کہ دونوں سے پڑھا ہو،

بہرحال یہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، طب کے پورے واقف کار تھے، سلطان ملک معظم عیسیٰ بن الملک العادل کے زمانہ میں شام تشریف لائے، بادشاہ چونکہ خود صاحب علم تھا، اس نے ان کی بہت قدر کی، وظیفہ مقرر کیا، عرصہ تک ساتھ رہا، پھر دمشق میں ان کے قیام کا انتظام کر دیا، یہ دمشق میں قاضی القضاۃ بھی ہو گئے تھے!

بہت متواضع تھے، مزاج میں نرمی تھی، گفتگو بہت شیرین ہوتی، حیا کا غلبہ تھا، مروت طبیعت بن گئی تھی، شکل و شباہت بھی بہت اچھی تھی،

دمشق میں دق کے مرض میں، شعبان ۶۳۷ھ کو انتقال ہوا،[۵۲] اس حساب سے چون سال کی عمر ہوئی،

ان کے نام اور سنہ وفات میں کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، جس کا ازالہ مناسب ہے، کشف الظنون[۵۳] فہرست کتب خانہ خدیویہ[۵۴] اور مقالات شبلی[۵۵] میں بجائے شمس الدین کے ان کا نام شہاب الدین درج ہے، حالانکہ صحیح نام شمس الدین ہے، شہاب الدین ان کے بیٹے کا نام ہی، چنانچہ طبقات شافعیہ، طبقات الاطباء، اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا نام شمس الدین ہی مذکور ہے، اور ان کے بیٹے کا نام شہاب الدین تبلایا گیا ہے،

سال وفات میں یہ غلطی ہوئی ہے کہ کشف الظنون میں ۶۳۹ھ درج ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی یہی سنہ لکھا ہے لیکن شذرات الذہب[۵۶] اور طبقات الاطباء[۵۷] میں ہے کہ شعبان ۶۳۷ھ میں ان کا

---

۵۱ طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۷۱، ۵۲ ر ر ۵۳ کشف الظنون جلد ۲ ص ۴۴، ۵۴ فہرست خدیویہ جلد ۶ ص ۳۲، ۵۵ مقالات شبلی جلد ۵ ص ۴۳

۵۶ ج ۵ ص ۱۸۳، ابن عماد حنبلی ۱۰۸۹ھ نے شذرات میں ۶۳۷ھ میں وفات پانے والوں کے سلسلہ میں قاضی القضاۃ شمس الدین کا تذکرہ کیا ہی، مگر حیرت انگیز یہ ہے کہ اسی پانچویں جلد میں ص ۴۲۲ میں ۶۹۳ھ میں وفات پانیوالوں کے ضمن میں بھی ان کا ذکر ہے لیکن وہاں بھی سال وفات ۶۳۷ھ ہی درج ہے ۵۷ جلد ۲ ص ۱۷۱،

انتقال ہوا ہے، البتہ سبکی نے، رشعبان ۶۳۶ھ لکھا ہے[1] معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے ثلاثین کو ثمانین لکھدیا ہے،!

اس سلسلہ میں ایک تیسری چیز کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے؛ وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے بحوالہ کشف الظنون تحریر فرمایا ہے، کہ شمس الدین کے تکملہ کا نام واضح تھا، مولانا مرحوم کو اس میں تسامح ہوا، صاحب کشف الظنون نے اس تکملہ کا نام واضح نہیں تبلایا ہے، بلکہ تفسیر رازی کے خلاصہ کا نام واضح بتایا ہے، پوری عبارت یہ ہے، !

وصنف الشیخ نجم الدین احمد	شیخ نجم الدین قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے
بن محمد القمولی تکملة له وتوفی	اور شہاب الدین دمشقی متوفی ۶۳۹ھ نے
۷۲۷ سنة سبع وسبعین وسبع	اس کا تکملہ لکھا، اور برہان الدین محمد بن
مائة وقاضی القضاة شهاب الدین	محمد نسفی نے اس کا خلاصہ کیا، اور اس
بن خلیل الخوبی الدمشقی کمل ما نقص	کا نام واضح رکھا،
منه ایضاً وتوفی ۶۳۹ سنة تسع	
وثلاثین وستمائة، واختصره	
برهان الدین محمد بن محمد النسفی	
المتوفی ۶۸۷ سنة سبع وثمانین و	
ست مائة وسماه الواضح،[2]	

الفوائد البہیہ ص۰۸ میں بھی نسفی کو تفسیر رازی کا خلاصہ نگار بتایا گیا ہے، کشف الظنون ج ۲ ص۴۷۶ میں ایک دوسرے خلاصہ نگار محمد بن القاضی کا بھی ذکر ہے، اس خلاصہ نگار نے کچھ اضافے بھی کئے ہیں، کتبخانہ

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۵ ص۳۵، [2] کشف الظنون جلد ۲ ص۴۷۷،

خدیویہ مین تفسیر رازی کا ایک ناقص خلاصہ موجود ہے، مگر مصنف کا نام معلوم نہین![1]

تفسیر قمی نیشاپوری بھی تفسیر رازی کا خلاصہ ہی ہے!

(۲) تفسیر رازی کے دوسرے تکملہ نگار احمد بن محمد بن ابی الحزم مکی بن یاسین القمولی نجم الدین ہین[2]، سالِ پیدایش متعین طور سے معلوم نہین لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی[3] اور سبکی[4] وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی بتلاتے ہین، اور ان کی وفات رجب ۲۷ سنہ ۷۲۷ھ مین ہوئی ہے، اس حساب سے سالِ پیدایش سنہ ۶۴۷ھ ہوتا ہے، یعنی شمس الدین خوئی کی وفات کے دس سال بعد یہ پیدا ہوئے!

ان کے سال وفات مین بھی کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، کشف الظنون مین سنہ ۷۷۷ھ ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی یہی سنہ وفات لکھا ہے[5] لیکن یہ صحیح نہین ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی[6]، ابن عماد حنبلی[7]، علامہ سبکی[8]، حافظ جلال الدین سیوطی[9]، اور ان سب سے بڑھ کر کمال الدین ابو الفضل جعفر بن تغلب بن جعفر الادفوی سنہ ۷۴۸ھ، جو نجم الدین قمولی کے نہ صرف ہم عصر بلکہ ہمدم و ہمراز بھی تھے، وہ بھی سنہ وفات رجب سنہ ۷۲۷ھ تبلاتے ہین[10]،

نجم الدین قمولی قاضی القضاۃ بدر الدین جماعہ کے تلامذہ مین سے تھے، بہت صاحب علم و فضل تھے مختلف مقامات مین عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، اہلِ علم کا قول تھا کہ ان سے زیادہ مصر مین کوئی فقیہ نہین، ان کے مزاج مین بہت نرمی تھی، احباب کا بہت خیال رکھتے تھے، وظائف و اوراد کے پابند تھے، رات کو شب بیداری اور دن کو کثرتِ ذکر سے اپنے اوقات کو پُر نور رکھتے تھے، ادفوی کا بیان ہے کہ مرض الموت مین، مین نے ان سے کہا کہ معمولات مین کچھ کمی کر دیجئے لیکن راضی نہ ہوئے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف خاص مشغلہ تھا، جب تک لکھنے سے معذور نہ ہوئے، برابر تصنیف کا کام جاری رہا[11]، رحمہ اللہ،

۱؎ فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد ۱ ص ۲۰۹ ۲؎ الطالع السعید ص ۹۳ ۳؎ درر کامنہ جلد اول ص ۳۰۴ ۴؎ طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۹ ۵؎ مقالات شبلی ج ۴ ص ۳۴ ۶؎ درر کامنہ جلد اول ص ۳۰۴ ۷؎ شذرات الذہب جلد ۶ ص ۷۴ ۸؎ طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۹ ۹؎ حسن المحاضرہ اول ص ۱۷۰ ۱۰؎ الطالع السعید ص ۶۳ ۱۱؎ ایضاً ص ۶۴

امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات

تفسیر کبیر کے سوا امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات سے عموماً لوگ واقف نہین ہین، ہمارے علم ہین اس سلسلہ کی جو کتابین ہیں، ان کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا!

قفطی[1] نے تفسیر کبیر کے سوا حسب ذیل تفسیرون کا پتہ دیا ہے :-

۱- تفسیر سورۂ فاتحہ،

۲- تفسیر سورۂ بقرہ، خالص عقلی حیثیت سے،

۳- تفسیر صغیر جس کا نام اسرار التنزیل وانوار التاویل ہے،

کشف الظنون مین بھی اسرار التاویل کا ذکر ہے، اور لکھا ہے کہ یہ نا مکمل رہ گئی تھی[2] یہ کتاب کتب خانہ بانکی پور مین موجود ہے[3] علامہ ابوالفا نصر ہورینی ۱۲۹۱ھ نے اپنی تفسیر سورۂ ملک مین اس سے نفع بھی اٹھایا ہے[4] لیکن اس کو بجائے تفسیر کے علم کلام کا رسالہ کہہ سکتے ہین،

تفسیر سورۂ فاتحہ کے متعلق کشف الظنون مین ہے کہ یہ دو جلدون مین تھی، اور اس کا نام مفاتیح العلوم تھا،[5]

صاحب طبقات الاطبا نے بھی تفسیر سورۂ فاتحہ اور تفسیر سورۂ بقرہ کو تفسیر کبیر کے سوا مستقل تفسیر شمار کیا ہے، لیکن تاہنوز یہ امر تحقیق طلب ہے کہ واقعی تفسیر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ موجودہ تفسیر کبیر سے الگ ہے یا اس مین شامل ہے؟ صاحب طبقات الاطبا نے ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے، جس کا نام رسالہ فی التنبیہ علی بعض الاسرار المودعۃ فی بعض سور القرآن العظیم ہے!

کشف الظنون مین[6] درۃ التنزیل وغرۃ التاویل کے نام سے ایک تفسیری کتاب کو امام رازی

---

[1] اخبار الحکماء ص ۱۹۱ [2] کشف الظنون ج اول ص ۵۹ [3] مفتاح کنوز المخفیہ جلد اول صفحہ ۴۲

[4] فہرست کتب خانہ خدیویہ ج اول ص ۱۴۷ [5] کشف الظنون ج اول ص ۱۲۳ و ج دوم ص ۴۷۶،

[6] کشف الظنون جلد اول ص ۴۸۳،

کے نام سے منسوب کیا ہے، اس میں قرآن مجید کی مکرر آیات سے بحث ہے! اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے[1] لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو امام رازی کی تصنیف ہے، یا ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب اسکافی کی کتاب ہے جس کا نام بھی یہی ہے!

کتب خانہ مصر کی فہرست میں ہے کہ اس کتاب پر ایک ورق لگا ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب کا املا ہے، فہرست کے مرتب نے اس صفحہ کو جعلی قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے نزدیک اس کتاب کا انتساب امام رازی کی طرف مشتبہ ہے، اس لئے کہ امام رازی کی طرف منسوب مصری نسخہ کا جسکا حوالہ فہرست میں ہے، اور اسکافی کے نسخہ مطبوعہ کا خاتمہ بالکل ایک ہے اور وہ یہ ہے:

هذا آخر ما تکلمنا علیه من الآیات التی یقصد الملحدون التطرق منها الی عیبها،

البتہ یہ چیز لائق توجہ ہے، کہ ان دونوں کی ابتدا میں اختلاف ہے، مصری نسخہ منسوب بہ امام رازی کی ابتدا الحمد للہ حمد الشاکرین سے ہے، اور اسکافی کی درۃ التنزیل کی ابتدا ان کلمات سے نہیں ہے!

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ جلد اول ص ۱۷۳،

تفسیر ابو مسلم اصفہانی

عربی معتزلہ کی مفقود الخبر نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت :- عہ، ضخامت ۱۰۳ صفحے،

حدائق البیان فی معارف القرآن

اس کتاب میں قرآن مجید کے متعلق بہت سے لفظی اور معنوی مباحث درج کئے گئے ہیں جن سے عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور قرآن مجید کے متعلق بہت سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں،

قیمت :- ؏، ضخامت ۳۴۲ صفحے

منیجر

استفسار و جواب

"درۃ التاج لغرۃ الدباج"

اور

علامہ قطب الدین شیرازی

جناب حافظ صاحب حافظ محمد | مکرم و مخدوم
(حافظ منزل) راندیر ضلع سورت | السلام علیکم و رحمۃ اللہ

امید ہے کہ مزاج اقدس بعافیت ہوگا، احقر بھی بفضلہ تعالیٰ مع الخیر ہے، عرصہ ہوا، کہ جناب راندیر تشریف لائے تھے، اوس وقت مختصر سی ملاقات و زیارت ہوگئی تھی، اس کے بعد نہ ملاقات کا موقع ہوا، اور نہ ہی عریضہ ارسال کرنے کی نوبت آئی، گو اکثر جناب کا تذکرہ احباب کے سامنے آیا کرتا ہی خصوصاً مجبور رنگونی کے ذریعہ خیریت مزاج گرامی معلوم ہوتی رہتی ہے، ایک خاص امر اس عریضہ کا باعث ہے، میرے ایک دوست کے پاس درۃ التاج مصنفہ علامہ محمود بن مسعود ابن المصلح الشیرازی ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، اس کی دو جلدین ان کے پاس ہین، ایک جلد غالباً ریاست ٹونک کے کتب خانہ مین ہے، چونکہ صاحب حاجت ہین، تو ان کا خیال ہوا کہ ممکن ہے اس نایاب کتاب کی قدر حیدرآباد مین ہو، اور ان کو اس کے صلہ مین کچھ رقم ملجائے، چنانچہ وہان ایک دوست کو لکھا گیا، وہان سے جواب آیا، کہ اس کے مصنف کون ہین، کس فن کی کتاب ہے، کتابت کس

سنہ کی ہے، براہ راست لکھا جاوے، کتاب کو دیکھنے سے تصنیف کا سنہ معلوم نہین ہوا، اور نہ اس کی کتابت کا سال معلوم ہوتا ہے، مصنف کا نام تو مین اس عریضہ مین لکھ چکا ہون، ان کا زمانہ بادشاہ فیل شاہ بن الملک المعظم رستم کی حکومت کا ہے، زبان کتاب کی فارسی ہے، کسی خاص فن کی کتاب نہین ہے، اس مین منطق و فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، اصول دین و فروع کا فلسفہ سب ہی کچھ ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی بہت ہی پسند فرمایا، اب آپ سے اس کے متعلق دو باتین عرض کرنی ہین،

ایک یہ کہ علامہ محمود بن مسعود و فیل شاہ کا زمانہ کونسا ہے، کس سنہ مین یہ حضرات تھے، و درۃ التاج کا کہین ذکر ہے یا نہین، دوم یہ کہ مولانا احمد اللہ ندوی دائرۃ المعارف کو اس بارہ مین کچھ سفارش کے طور پر تحریر فرمادین، مین اس معاملہ مین لوجہ اللہ دلچسپی لے رہا ہون، محض یہ خیال ہے کہ مالک کتاب بہت حاجت مند شخص ہین، صاحب علم ہین، ان کی ضعیفی کا زمانہ ہے، نیز یہ کہ ایسی عمدہ جامع کتاب کسی اچھی جگہ پہنچ جائے، اور ان غریب کا کام بھی ہو جائے، اس سلسلہ مین اگر اور کوئی بہترین صورت ذہن مبارک مین آوے، تو ضرور توجہ فرما دین، آپ کو اجر عظیم ملے گا،

حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب نے جب اس کتاب کو ملاحظ فرمایا، تو انھون نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا تھا، کہ اگر یہ کتاب حیدرآباد دائرۃ المعارف پہنچ جائے تو اچھی رقم مل سکے گی، بہرحال جناب والا کی توجہ گرامی سے امید قوی ہے کہ کوئی بہترین صورت نکل آئے گی، آپ کو اجر عظیم ملے گا، باقی سب خیریت ہے دعاؤن کا بیحد محتاج ہون،

والسلام

معارف:۔ محترم زاد مجدکم،

السلام علیکم:۔ گرامی نامہ ملا، آپ کی کتاب درۃ التاج کے بیش قیمت ہونے مین کوئی

شبہ نہین، یہ علوم عقلیات کی ممتاز تصانیف مین شمار کیجاتی ہے، لیکن اب یہ غیرمطبوعہ نہیں رہی، چند سال گذرے، یہ ایران سے رضا شاہ پہلوی کے عہدِ حکومت مین بڑے اہتمام سے کئی جلدون مین شائع ہوچکی ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ ہمارے کتب خانہ مین بھی موجود ہے،

آپنے اس کے مصنف کا حال اور اس کا زمانہ دریافت فرمایا ہے؛ اس کے مصنف علامہ قطب الدین محمود ابن ضیاء الدین مسعود شیرازی ساتوین صدی مین افاضل روزگار مین سے تھے، علوم عقلیات مین ان کی قابل قدر تصانیف ہین، اور فلسفہ، حکمت، منطق، ریاضی اور ہیئت کی مختلف متون و شروح مین "قطب الدین شیرازی" یا "علامہ شیرازی" کے لقب سے یاد کئے گئے ہین،

علامہ قطب الدین شیراز کے ایک ذی علم خاندان مین ماہ صفر ۶۳۴ھ مین پیدا ہوئے، ان کا آبائی وطن شہر کازرون تھا، جو شیراز سے تین دن کی مسافت پر آباد تھا، چنانچہ ان کے والد شیخ ضیاء الدین مسعود ابن مصلح اسی نسبت سے کازرونی کہے گئے، وہ شیراز مین مقیم تھے، اور اپنے زمانہ کے مشہور اطباء و مشائخ صوفیہ مین شمار کئے گئے، انھیں بانیٔ طریقہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی سے بیعت و خرقہ ارادت حاصل تھا، شیراز کے بیمارستان مظفری مین تدریس کی خدمت اور مریضون کے معالجہ مین مصروف تھے، ۶۴۸ھ مین اونھون نے اپنے صاحبزادے قطب الدین محمود کو ۱۴ سال کی عمر مین چھوڑ کر وفات پائی،

شیخ ضیاء الدین جب تک زندہ رہے، اپنے نوعمر صاحبزادے کی تعلیم و تربیت مین مصروف رہے، چنانچہ قطب الدین محمود نے اپنی ابتدائی تعلیم، اور علم طب کی علمی و عملی تحصیل اپنے پدر بزرگوار سے کی، نیز شفیق باپ نے اپنے نوعمر بچہ کو دس برس کی عمر ہی مین تبرکاً خرقۂ تصوف پہنایا، پھر شیخ وقت حضرت نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی کے سپرد کیا، ان کے حلقہ مین وہ بیٹھا کئے، اور شیخ وقت نے بھی اسی کم عمری مین انھیں خرقۂ تصوف سے نوازا،

پھر والد بزرگوار کی وفات کے بعد صرف چودہ سال کی عمر مین یہ اپنے والد کی جگہ پر اسی بیمارستان

منظفری میں خدمت پر مامور کئے گئے، اور دیگر اطبار کی نگرانی، ہدایت اور شفقت سے عملی خدمات کے ساتھ فن کے علمی و عملی تجربے حاصل کرتے رہے، یہانتک کہ دس سال اسی طریقہ سے گذر گئے، اس کے بعد انھیں فن میں تبحر حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مختلف اساتذۂ روزگار کے حلقۂ درس کا رُخ کیا، اور فن کی مشہور کتابیں ممتاز اہلِ علم سے پڑھیں، اس سلسلہ میں پہلے اپنے چچا شیخ کمال الدین ابو الخیر بن مصلح کازرونی سے کلیات قانون ابن سینا پڑھی، پھر اسی طرح مختلف اساتذہ شیخ شمس الدین محمد بن احمد کیشی، شیخ الکل شرف الدین زکی البوشکانی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اس زمانہ میں علوم عقلیات میں حکیم خواجہ نصیر الدین طوسی کا طوطی بول رہا تھا، چنانچہ شیخ قطب الدین محمود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اشارات ابن سینا اور فن ہیئت کا درس لیا، اور مختلف علمی و نظری علوم کے مشکلات و شکوک اُن سے حل کئے، نیز مشہور زیچ ایلخانی کی ترتیب میں خواجہ کا ہاتھ بٹایا،

اس کے بعد شیخ قطب الدین نے اُن مشہور شہروں کی سیاحت شروع کی جو اس زمانہ میں علم کے مرکز تھے، اور ہر مقام کے اکابر سے استفادہ کیا، اسی سلسلہ میں بغداد میں شیخ طریقت حضرت محمد بن سکران بغدادی المتوفی ۶۶۲ھ سے فیوض حاصل کئے، پھر روم پہنچے، اور مولانا سے روم جلال الدین رومی المتوفی ۶۷۲ھ کی صحبت میں بیٹھے، پھر قونیہ میں وارد ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی المتوفی ۶۷۳ھ کے حلقۂ ارادت میں بیٹھے، اور طریقۂ ارشاد و علوم شریعت و طریقت کی تحصیل کی، نیز حاکم روم معین الدین سلیمان پروانہ سے ان کے مخلصانہ روابط قائم ہوئے، وہ اُن سے غیر معمولی تعظیم و تکریم سے پیش آیا، اسی سلسلہ میں سیواس وملطیہ کی قضارت کی خدمت پر مامور کئے گئے، نیز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، چنانچہ ان کی کتاب التحفۃ الشاہیہ اسی زمانہ کی تصنیف ہے،

اسی زمانہ میں انھوں نے بعض دوسرے سیاسی خدمات بھی انجام دیئے، چنانچہ ہلاکو کے لڑکے تکدار نے اسلام لے آنے اور احمد نام اختیار کر لینے کے بعد شاہانِ اسلام کے پاس اپنی جو سفارتیں بھیجیں، ان میں سے

مصر کی سفارت مین جو ملک قلاؤون، المتوفی ۶۷۸ھ - ۶۸۹ھ) کے پاس گئی تھی، قاضی قطب الدین شیرازی بھی تھے، اور اس سلسلہ میں جو شاہی مراسلے ایک دوسرے کی طرف گئے، ان مین انھین "اقضی القضاۃ" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے (ابن خلدون ج ۵ ص ۴۰۲، مختصر الدول ص ۵۰۰، شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۷۰)

علامہ قطب الدین شیرازی نے اس سفر میں شام میں کتاب الشفا، اور کتاب قانون کا درس دیا، اس طرح ان کے علمی خدمات جاری رہے،

اس کے بعد حاکم تبریز نے انھین اپنے یہان مدعو کیا، اور غیر معمولی ادب و احترام سے پیش آیا، آپ انھون نے اسی شہر مین اقامت اختیار کر لی، اور علم و فن کی خدمت مین ہمہ تن مصروف ہو گئے، اور اپنے عہد کے شہرۂ آفاق اساتذہ مین شمار کئے گئے، اگرچہ وہ روم، مصر، شام و عراق کے حکرانون مین بڑی منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، لیکن آخر عمر مین اونھون نے امرار کے دولت کدون سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تھا، اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف مین مصروف رہتے تھے، وہ مذہبًا شافعی تھے، علامہ سبکی نے اسی حیثیت سے اپنی طبقات مین ان کا تذکرہ کیا ہے، ۷۶ برس کی عمر مین بماہ رمضان ۷۱۰ھ وفات پائی

ان کے حلقۂ درس سے بیشمار تلامذہ نے فیوض حاصل کئے، اور اپنے زمانہ مین ممتاز اکابر و فضلا مین شمار کئے گئے، ان مین سے شیخ تاج الدین اردبیلی المتوفی ۷۴۶ھ، قطب الدین محمد رازی بویہی صاحب شرح مطالع المتوفی ۷۶۶ھ، نظام الدین اعرج نیشاپوری صاحب شرح شافیہ معروف بہ شرح نظام، و تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری اور کمال الدین حسن بن علی الفارسی المتوفی ۷۱۸ھ وغیرہ ہیں

علامہ قطب الدین اپنے عہد مین علوم عقلیات کے بڑے ماہرین میں شمار کئے گئے ہیں، اور مستند مورخین نے اسی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا ہے، چنانچہ اسنوی انھیں "امام عصرہ فی المعقولات" کہتا ہے، یافعی نے "عالم العجم" کا لقب دیا ہے، اسی طرح ابو الفدا نے انہیں "امام و ماہر علوم ریاضی، منطق، فنون حکمۃ بطب، اصول فقہ و علم کلام" لکھا ہے،

علامہ قطب الدین عقلیات کے خشک موضوع سے وابستہ رہنے کے باوجود طبعاً نہایت شگفتہ مزاج تھے ظرافت و بذلہ سنجی سے خاص لگاؤ تھا، ان کے دلچسپ لطائف و ظرائف بھی ان کے سوانح میں محفوظ ہیں' ذوق شعری سے بھی مناسبت تھی، فارسی کلام کے کچھ نمونے کتابوں میں ملتے ہیں،

علوم کی خدمت کے ساتھ خاصہ وقت عبادت و ریاضت میں بھی گذارتے، اور لباس صوفیانہ زیب تن رکھتے تھے، تصنیفات کے سلسلہ میں یہ عادت تھی، کہ عموماً روزے رکھ کر مسودے لکھتے اور شب بیداری کرکے مسودہ کو مبیضہ میں منتقل کرتے تھے،

علامہ قطب الدین شیرازی کے مفصل سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو الدرر الکامنہ ابن حجر ج ۴ ص ۳۳۹ طبقات الشافعیہ سبکی ج ۶ ص ۲۴۸، دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۶۷، مرآۃ الجنان یافعی جلد ۴ ص ۲۴۳، بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۳۸۹، ابو الفدا ج ۴ ص ۶۵، الفوائد البہیہ مولانا عبد الحیٔ ص ۲۰۵، ابن خلدون جلد ۵ ص ۵۴۷، تاریخ گزیدہ ص ۸۰۹، دیباچہ درۃ التاج سید محمد مشکوۃ (بحوالہ روضات الجنۃ ج ۴ ص ۲۱۴، وصاف الحضرۃ ج ۱ ص ۵۱، شرح حکمۃ الاشراق ص ۷، جامع التواریخ رشیدی ج ۱ ص ۶۳، حبیب السیر ج ۳ ص ۶۰، وغیرہ) نیز ریو نے فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم، وضمیمہ فہرست مخطوطات عربی جلد ۲ ص ۴۳۴ میں اور ایتھ نے فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ج ۱ ص ۴۹۳ و ۱۲۱۰ میں مصنف کے سوانح و تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، نیز ہفت اقلیم امین رازی سے ان کے حالات کا خلاصہ درج اور سفینۃ الاولیاء سے بعض اقتباسات نقل کئے ہیں،

اسی طرح ان فہرستوں میں بعض دوسری کتابوں کے ضمن میں بھی تذکرہ آیا ہے، نیز معجم المطبوعات الیاس سرکیس میں ان کی بعض مطبوعہ کتابوں کے ضمن میں مختصر حالات مندرج ہیں اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مختلف کتابوں کا تذکرہ کیا ہے،

مختلف علوم میں حسب ذیل کتابیں ان کی یادگار ہیں،

۱۔ نھایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک، اس مین علم ہئیت مین چار مقالے عربی مین قلمبند کئے گئے ہین، مختلف تذکرہ نگارون نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ کی کشف الظنون مین بھی تذکرہ آیا ہی کتبخانہ خدیویہ مصر (ج ۵ ص ۲۲۵) اور مدرسہ سپہ سالار ایران مین اس کے نسخے موجود ہین، یہ غالبًا علامہ قطب الدین کی سب سے پہلی تصنیف ہی، جو محمد بن صاحب السعید بہاء الدین محمد جوینی حاکم اصفہان کے نام سے معنون کی گئی ہی،

۲۔ التحفۃ الشاھیہ بھی عربی زبان مین فن ہئیت مین ہے، امیر شاہ محمد بن الصدر السعید تاج الدین معتز بن طاہر کے نام سے معنون ہے، ہفت اقلیم امین رازی مین اس کا ذکر آیا ہے، یہ قضاۃ سیواس کے زمانہ کی تصنیف ہے، سید شریف اور ملا علی قوشجی نے اس پر حاشیہ اور اسکی شرح لکھی ہے شرح قوشجی کا نسخہ کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے، اصل کتاب کے نسخے بھی کتب خانہ ملی معارف طہران (فہرست کتب خانہ مذکور ج ۱ ص ۱۵۵) اور مدرسۂ سپہ سالار مین موجود ہین،

۳۔ شرح حکمۃ الاشراق کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ۱۳۱۵ھ مین طہران سے چھپ چکی ہے، مصنف نے اس کو جمال الدین علی بن محمد الاستجردانی کے نام سے معنون کیا ہے، معجم المطبوعات مین بھی اس کا ذکر آیا ہے،

۴۔ مفتاح المفتاح، یہ علامہ سکاکی المتوفی ۶۲۶ھ کی مشہور تصنیف مفتاح العلوم کی شرح ہی امین رازی نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو اس کتاب کی بہترین شرحون مین شمار کیا ہے، (جلد ۲ ص ۴۸۰) مصنف نے اس کو خواجہ ہمام الدین ابن ہمام المتوفی ۷۱۳ھ کی خواہش سے لکھا تھا، اس کے نسخے دار الکتب مصریہ اور مدرسۂ سپہ سالار مین موجود ہین،

۵۔ التحفۃ السعدیہ "شرح کلیات ابن سینا" کے نام سے بھی معروف ہی، ہفت اقلیم اور دوسرے تذکرون مین اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو قانون کی بہترین شرح قرار دیا ہی (ج ۲ ص ۲۱۰) یہ تصنیف خواجہ سعد الدین کے نام سے معنون ہے، مدرسۂ سپہ سالار مین اس کا نسخہ بھی محفوظ ہے، المغنی فی

شرح المعجز کازرونی کے ماخذ مین ہے، (برٹش میوزیم)

۶۔ شرح مختصر الاصول ابن حاجب مصنف نے اس کا تذکرہ مفتاح المفتاح اور التحفۃ السعدیۃ مین کیا ہے، حاجی خلیفہ کی نظر سے بھی اس کا نسخہ گذرا تھا،

۷۔ فتح المنان فی تفسیر القرآن معروف بہ "تفسیر علامی" (منسوب بہ علامہ قطب الدین) حاجی خلیفہ نے اس کو چالیس جلدون مین بتایا ہے، مصنف نے علوم عقلیات سے مناسبت رکھنے کے باوجود آیات کی تفسیر مین منقولات کے حدود سے تجاوز نہین کیا ہے، اس کی پہلی جلد کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے،

۸۔ حاشیہ بر کشاف زمخشری، یہ دو جلدون مین ہو (کشف الظنون ج ۲ ص ۳۱۱)

۹۔ رسالۃ فی بیان الحاجۃ الی الطب وآداب الاطباء، اس کا ایک نسخہ جو ۹۱۳ھ کا مکتوبہ ہی کتب خانہ خدیویہ مین موجود ہے، لیکن یہ رسالہ کسی نام سے موسوم نہیں، رسالہ کی اصل عبارت اسی فقرہ سے شروع ہوتی ہے، جو بطور اسم درج کیا گیا،

حاشیہ بر حکمۃ العین، علامہ نجم الدین قزوینی المتوفی ۶۷۵ھ کی حکمۃ العین پر یہ حاشیہ ہے، جس کو شمس الدین محمد بن مبارک شاہ بخاری نے اپنی شرح حکمۃ العین مین تمام وکمال نقل کر لیا ہے، اور "فی الحواشی القطبیۃ" لکھکر اپنی شرح سے اس کا امتیاز قائم رکھا ہے، شرح حکمۃ العین کا یہی نسخہ اس زمانہ مین طلبہ مین عام طور پر متداول ہے،

۱۱۔ درۃ التاج لغرۃ الدباج، مصنف کی یہی وہ تصنیف ہے، جس کا قلمی نسخہ آپ کے دوست کے پاس اور مطبوعہ نسخہ ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تصنیف امیر دباج بن فیل شاہ کی خواہش سے لکھی گئی، اور اسی مناسبت سے "درۃ التاج لغرۃ الدباج" کے نام سے موسوم کی گئی، چنانچہ مصنف نے مقدمہ مین دباج بن فیلشاہ کے علو نسب و مکارم اخلاق کا تذکرہ کرکے لکھا ہی:-

"پس موجب حکم مثال مطاع و فرمان مطاع کسرا این اوراق اتفاق افتاد و بنام آن صاحب دولت

صاحب فکرت کیوان ہمت دوران فہمتِ فلک رفعت ملک سیرت، متوج گردانید واَنرا دُرۃُ التاج لِغُرّۃِ الدباج نام نہاد" (ج ا ص ۲۱)

دباج بن فیلشاہ گیلان کا حکمران تھا، الدرر الکامنہ مین اس کو دوباج بن قطلی شاہ کے نام و نسبت سے موسوم کیا گیا ہے، جو بلا شبہہ نسخہ کی غلطی ہے، اوس نے ۲۵ سال حکمرانی کی، ۷۴۱ھ مین حج و زیارت کیلئے روانہ ہوا، دمشق کے قریب ۵۴ سال کی عمر مین وفات پائی، اور دمشق مین دفن کیا گیا، (الدرر الکامنہ جلد ۲ ص ۱۰۳)

آگے چل کر لفظ "دباج" ملوک گیلان کا لقب قرار پایا، چنانچہ اتیھ نے فہرست مخطوطات فارسی میں عبدالرزاق کی مطلع السعدین اور بعض دوسرے حوالون سے دکھایا ہے کہ گیلان کے سلاطین نے یہ لقب اختیار کر لیا تھا، اور ان کا یہ لقب شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ تک قائم رہا،

اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ جیسا کہ کتاب کے بعض داخلی شہادتون سے معلوم ہوتا ہے، ۶۹۳ھ سے ۷۰۵ھ کے اندر ہے، یہ ابن سینا کی کتاب الشفاء کے طرز پر فارسی زبان مین لکھی گئی، کتاب الشفاء اور درۃ التاج مین مصنف کتاب کے نقطۂ نظر سے یہ بنیادی تصنیفی فرق ہے، کہ ابن سینا نے حکمتِ نظری کے تمام مباحث کی بنیاد منطقی اصولون پر رکھی ہے، اور علوم ریاضی کو مختصراً جگہ دیا ہے، اور علامہ قطب الدین نے اس کے برعکس علوم ریاضی پر مسائل کی بنیاد رکھی ہے، اور منطقی مباحث کو اختصار سے لیا ہے، پھر دوسرا فرق یہ ہو کہ ابن سینا کی کتاب الشفاء مین فلسفۂ مشائین کی ترجمانی کی گئی ہے، اور درۃ التاج مین فلسفۂ اشراقیین کو پیش کیا گیا ہے، نیز اس مین کتاب الشفاء سے حکمتِ عملی کا ایک مستقل باب زیادہ ہے جس مین عبادات، فقہ و سلوک عرفا مندرج ہین،

اصل کتاب کا اندازہ اس کے ابواب و فصول کی فہرست سے لگایا جا سکتا ہے، کتاب "فاتحہ" سے شروع ہوتی ہے، جو تین فصلون پر مشتمل اور ہر فصل تین اصولون مین منقسم ہے:-

اصل اول "علی الاطلاق نضیلت علم" کے بیان مین، جس مین کتاب وسنت سے علم کے فضائل دکھائے ہین، اور عقلی دلائل سے انھین ثابت کیا ہے، پھر اصل دوم نضیلت تعلم، اور اصل سوم نضیلت تعلیم "کے بیان مین ہے، اور ان مین آیات، احادیث، آثار واخبار دلائل میں جمع کئے گئے ہین،

اس کے بعد دوسری فصل "حقیقت علم" کے بیان مین ہے، اور یہ بھی چند اصول مین تقسیم ہے،

اصل اول "حقیقت علم" کی تفصیل مین اصل دوم، تصور علم بدیہی ہے، یا کسبی؟ اگر کسبی ہے تو اُسکی تحدید ممکن ہے یا ناممکن؟ اصل سوم، علم کی تحدید کا ممکن لیکن اس کی تعریف کا دشوار ہونا،

فصل سوم "تقسیم علوم" کے بیان مین، اور یہ بھی تین اصول مین منقسم ہے، اصل اول علم جو کہ مورد تقسیم بن سکے، اصل دوم علم کی تقسیم حکمی وغیر حکمی مین، اور غیر حکمی کی تقسیم علوم دینی وغیر دینی مین، اصل سوم علوم حکمی و دینی اور ان کی تقسیمون کے بیان مین،

اس کے بعد اسی فاتحہ کتاب" مین کتاب کے ابواب و مسائل کی فہرست مصنف نے درج کی ہے اس سے کتاب کے مباحث نگاہ کے سامنے آجاتے ہین، مصنف نے "باب" کے لئے "جملہ" کا لفظ اختیار کیا ہے، چنانچہ کتاب حسب ذیل جملون یا بابون مین تقسیم ہے :-

جملہ اول، فن منطق مین جو سات جداگانہ مقالون مین تقسیم ہے،

جملہ دوم، فلسفہ اولی کے بیان مین، یہ دو فنون مین تقسیم کیا گیا، فن اول امور عامہ کے بیان مین جس مین سات مقالات ہین، فن دوم اعراض وجودی واعتباری کے بیان مین، یہ بھی سات مقالات مین ہے،

جملہ سوم، علم اسفل یعنی علم طبیعی کے بیان مین، یہ بھی دو فنون مین تقسیم کیا گیا، فن اول اجسام طبیعی فن دوم نفوس وصفات اور ان کے آثار کے بیان میں ہے، دونون فنون بھی حسب معمول سات سات مقالون پر مشتمل ہین،

جملہ چہارم، علم اوسط یعنی علوم ریاضی مین، یہ چار فنون مین تقسیم ہے، فن اول اقلیدس (۵ مقالات

فنِ دوم مجسطی (۱۳ مقالات) فنِ سوم ارثماطیقی (۴ مقالات) فنِ چہارم علم موسیقی (۵ مقالات)

جملہ پنجم، علم اعلیٰ یعنی علم الٰہی ہیں، یہ دو فنون ہیں، فنِ اول، عقل اور اس کے آثار عالم جسمانی و روحانی (۶ مقالات) فنِ دوم، واجب الوجود و حدانیت نعوتِ جلالِ الٰہی، کیفیت فعل وغیرہ (۷ مقالات)

اس کے بعد خاتمہ کتاب ہے جو چار اقطاب پر مشتمل ہے

قطب اول اصولِ دین،

قطب دوم فروعِ دین،

قطب سیم حکمتِ عملی،

قطب چہارم سلوک،

پچھلے ابواب کی طرح ان اقطاب میں بھی تحتانی مقالات، مقدمات و مسائل مندرج ہیں،

مذکورۂ بالا اجمالی فہرست سے اس کتاب کے گوناگون مباحث و مسائل کا ایک سرسری اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس تصنیف کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے علمی مسائل، اور اس کی فلسفیانہ موشگافیان، دینی فہم و ادراک کے تابع نظر آتی ہیں، اس لئے فلاسفہ و اربابِ عقل اس کی راہ سے دین کے رشتہ کو پا سکتے ہیں، اور یونانی فلسفہ و حکمت سے متاثر دماغوں میں دینی مباحث و مسائل کے دلائل مستحضر ہو سکتے ہیں اسلئے طبقہ عقلا کیلئے یہ ایک سودمند تصنیف قرار پا سکتی ہے،

اس کتاب کے قلمی نسخے یورپ کے مختلف کتب خانون میں موجود ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا نمبر ۷۶۹۴ ہے، ریو نے اس نسخہ کا مفصل حال لکھا ہے، (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۴۳۴) نیز انڈیا آفس میں یہ دو نمبروں ۲۲۱۹ و نمبر ۲۲۲۰ میں موجود ہے، اسی طرح وائنا اور برلن کے کتب خانون میں اس کے نسخے موجود ہیں اور مختلف ممتاز مستشرقین نے مصنف اور اس کی اس تصنیف کے حالات مختلف فہرستون میں لکھے ہیں (فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس جلد ۱ ص ۱۲۱۰، ۳۹۴ وغیرہ)

اگر علامہ قطب الدین شیرازی کی دوسری تصنیفات کے متعلق بھی جستجو کیجائے تو غالباً یورپ کے مختلف

کتب خانوں میں ان کا سراغ لگ سکتا ہے، اوران کے متعلق مزید معلومات مہیا ہو سکتے ہیں،

ہندوستان کے اہلِ علم کے درمیان بھی علامہ شیرازی کی تصنیفات متداول رہی ہیں، چنانچہ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی مرحوم نے اپنے ایک تعلیق میں ان کی شرح القانون شرح المختصر، شرح المفتاح، التحفۃ اور نہایۃ الادراک وغیرہ کے مطالعہ کا تذکرہ کیا ہے (تعلیق بر الفوائد البہیہ ص ۵) اس لئے یقین ہے کہ ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں بھی ان کی تصنیفات محفوظ ہوں گی، آپ بانکی پور، رام پور، اور نیشل کالج لاہور، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، وغیرہ کی فہرستوں سے ان کا سراغ لگا سکتے ہیں،

درۃ التاج کا یہ مطبوعہ نسخہ بھی پانچ قلمی نسخوں سے ترتیب پایا ہے، اور بڑے اہتمام سے تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، اس کے مصحح سید محمد مشکات نے اس پر ایک پرمعلومات مقدمہ لکھا ہے، اور اس کو علٰحدہ علٰحدہ چند جلدوں میں شائع کیا ہے، ہمارے یہاں اس کی پانچ جلدیں جو سوا سوا سو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو صفحوں پر مشتمل ہیں، موجود ہیں، پانچویں جلد میں جملہ پنجم "کے علم الٰہی کے مباحث ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ چھٹی جلد خاتمہ کتاب اور اس کے چاروں اقطاب کے مباحث پر مشتمل ہوگی، معلوم نہیں آپ کے دوست کے پاس اس کی جو دو جلدیں ہیں، ان میں کہاں تک کے مباحث موجود ہیں، بہرحال جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، یہ کتاب مطبوعہ کتب میں سے ہے، اس لئے آپ کے نسخہ میں جو ندرت ہو سکتی ہے، وہ اس نسخہ کی ذاتی ہوگی، اس کے مطبوع ہونے کی وجہ سے دائرۃ المعارف حیدرآباد میں شاید اس کے لئے گنجایش نہ ہو، البتہ قلمی کتابوں کے شائقین آپ کے نسخہ کی قدر کر سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ سطریں جب معارف میں شائع ہوں تو ان کے پڑھنے والوں میں سے کوئی صاحب ذوق ایسے نکل آئیں، جو آپ کے دوست کے اس نسخہ کی قدردانی فرمائیں، اور ان کی نگاہ توجہ سے یہ نسخہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے اور آپ کے دوست کی وقتی ضرورت بھی پوری ہو جائے، والسّلام

"س"

ادبیات

ذوق و شوق!

از جناب انور کرمانی لاہور

سیلِ بلا کو بڑھ کے روک تندیِ موج سے نہ ڈر — منزلِ ذوق و شوق کی موت بھی اک ہے رہگذر
قیدِ مکان و لامکان توڑ گیا میرا جنون! — رازِ حیات پا لیا، اپنی خودی میں ڈوب کر
دل کی متاع بے بہا، عشق کا جذبۂ بلند — میری یہ آہ نیم شب، میرا یہ نالۂ سحر
عزمِ حسین سے ہے فاش یعنی لا الٰہ کا راز — اب بھی لبِ فرات سے آتی ہے یا نگ لا تذر
نکتہ راہلِ ہوش و کیف کھول کے کیا بیان کرون — عقل کا مدعا خبر عشق کی آرزو نظر
آتشِ گل بھڑک اٹھی شعلہ نوا ہے عندلیب — کس کے نفس کے سوز سے صحنِ چمن ہے پر شرر
معرکہ وجود مین راز یہی بقا کا ہے! — زندہ وجاودان ہے وہ جس کی نظر ہو خود نگر
اٹھنے کو ہے وہ انقلاب، سینۂ کائنات سے — جس کے لئے ہین مہر و ماہ چشم براہ سربسر

یون دلِ ناصبور ہے سینے مین پائمالِ غم!
طائرِ کہ بہار ہو جیسے کوئی شکستہ پر

غزل

از جناب رمز گنوری

دل و دماغ پہ چھایا ہوا ہے رنگِ جمود — ادھر بھی دیکھ لے اے نرگسِ خمار آلود
نگاہِ شوق سے مستور دل مین ہے موجود — کہ اوس کی ذات ہے آئینہ دارِ غیب و شہود

خوشا یہ دورِ محبت یہ ساعتِ مسعود
وہ سامنے ہیں مرے اور میں ہوں محوِ سجود

تجلیون کی یہان تک ہوئی فراوانی
کہ دامنِ نگہ شوق ہوگیا محدود

تصرفِ نگہ مست اسے معاذ اللہ
کہ آج تو یہ مری ہوگئی شراب آلود

مین اوس کو دیکھ کے دیوانہ ہوتا جاتا ہون
سنبھال اب مجھے نیرنگیٔ طلسم نمود

سرشکِ غم کا تسلسل نہ ٹوٹنے پائے
بھرے رہیں مرے دامن مین گوہرِ مقصود

یہ سرد سرد ہوائین یہ چاندنی راتین
پلا دے ساقی مہوش اب آتش بے دود

اب آستان پہ اجازت ہو ایک سجدے کی
کہ دل سے تا بہ جبین آگیا ہے ذوقِ سجود

بنا دے عالمِ باطن کو عالمِ ظاہر
کہ ہر مقام سے مین چاہتا ہون تیری نمود

محبت اصل حقیقت ہے چھپ نہین سکتی
کہ ہمرز کوششِ اخفائے راز ہے بے سود

بھول گئے!

ازجناب شفیع منصور ایم اے شملہ

اب رنگ بہاران کیا کہئے، سب رنگ بہاراں بھول گئے
شب ہائے خزان کی ظلمت مین ہم صبح گلستان بھول گئے

سب بھول گئے کچھ یاد نہین کیون مہر بلب ہین کیا کہئے
کچھ تو ہی بتادے ہم کیا کیا اے محفل جانان بھول گئے

اک روز جوان کے شانے پر بکھری تھی وفورِ مستی مین
ہم شامِ غمِ الفت کی قسم وہ زلفِ پریشان بھول گئے

کچھ دیکھا تھا ان آنکھون مین کیا دیکھا تھا اب کیا کہئے
کیا یاد کرین کچھ یاد بھی ہو سب دیدۂ حیران بھول گئے

اب یاد کرین ہم کیا اُن کو، اب یاد کرین وہ کیا ہم کو
سب خواب کی باتین تھین شاید وہ خوابِ پریشان بھول گئے

اب صحرا صحرا پھرنا کیا، اب رونا کیا اب ہنسنا کیا!
منصور وفورِ الفت کے وہ رنگ نمایان بھول گئے!!

مطبوعات جدیدہ

مانڈو ترجمہ جناب مرزا محمد بشیر صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت مجلد سے رغیر مجلد عار، پتہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

شادی آباد عرف مانڈو (مالوہ) ایک قدیم تاریخی مقام ہے، جو کم و بیش ڈیڑھ صدی تک اسلامی حکومت کا دار السلطنت رہ چکا ہے، یہ حکومت سلطان محمد بن فیروز تغلق بادشاہ دہلی کے ایک امیر لاور خان غوری نے چودہوین صدی عیسوی کے آخر مین قائم کی تھی، سولھوین صدی کے نصف اول مین سلطان محمود خلجی پر اس سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اکبری دور تک مالوہ کا الحاق دہلی کی مرکزی حکومت سے نہ ہوگیا، یہان مختلف حکمران ہوتے رہے، ان مین دلاور خان غوری، ہوشنگ غوری، محمود خلجی اول، سلطان غیاث الدین اور باز بہادر نے شادی آباد مین بہت سے محلات، مسجدین، مدرسے، باولیان، حوض، تالاب اور دوسری عالیشان عمارتین بنوائین، جو اپنے دور کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھین، مانڈو کا عظیم الشان قلعہ خاص طور سے اہم تاریخی یادگار ہے، اس حکومت کے خاتمہ کے بعد مالوہ کی آب و ہوا کی خوبی اور دلکش مناظر کی وجہ سے تیموری سلاطین کو بھی اس سے خاص تعلق رہا، اور وہ سیر و تفریح کے لئے وہان جایا کرتے تھے، شاہجہان کو خاص طور سے مالوہ کی آب و ہوا پسند تھی، اس لئے تیموریون نے بھی یہان بعض عمارتین بنوائین، اور پرانی عمارتون کی مرمت کرائی، ان مین سے بعض عمارتین دست برد زمانہ سے کھنڈر بن چکی ہین، لیکن بعض محکمۂ آثار قدیمہ اور ریاست دھار کے بدولت ابتک قائم اور اپنی عظمت گذشتہ کی یاد دلا رہی ہین، جناب غلام یزدانی صاحب ناظم محکمۂ آثار قدیمہ ریاست حیدرآباد نے جنکو آثار قدیمہ سے خاص شغف ہے، ان عمارتون کا مشاہدہ کرکے انکے حالات مین انگریزی مین ایک کتاب "مانڈو دی سٹی آف جوائے" لکھی تھی، جو آکسفورڈ یونیورسٹی

پریس سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، مذکورۂ بالا کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے، اسمین مانڈو مین اسلامی حکومت کی مختصر تاریخ اور اس کے آثار قدیمہ کے مفصل حالات ہین بعض عمارتون کے فوٹو کے چربے بھی دیدیئے ہین، اور فنی نقطۂ نظر سے ہر عمارت کی تعمیری خصوصیات اس کی موجودہ حالت اور جہان تک مل سکے ہین، ان کے تاریخی حالات دیدیئے ہین، اور جن کتابون اور تصانیف مین ان کا ذکر آیا ہے، ان کے بیانات بھی نقل کر دیئے ہین جس سے اس کتاب کی تاریخی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، مانڈو کے اسلامی دور کی تاریخ فراموش ہو چکی تھی، اس کتاب سے اس کی تجدید ہو گئی، اس کی اشاعت سے اردو مین ایک مفید تاریخی کتاب کا اضافہ ہوا،

مشرق بعید از جناب شاہد حسین صاحب رزاقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- عہر، پتہ :- دار الاشاعۃ سیاسیہ اشاعت منزل اردو گلی حیدرآباد دکن۔

ہندوستان سے مشرق بعید کی قربت کے باوجود اردو مین اس کے متعلق بہت کم معلومات ہین جاپان کی حوصلہ مندیون نے مشرق بعید کی سیاست کو بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا ہے، اس کے پیش نظر جناب شاہد صاحب رزاقی نے اس ضروری موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے، کتاب کے شروع مین مشرقی ملکون پر قبضہ و اقتدار کے لئے یورپین حکومتون کی گذشتہ اور موجودہ کشمکش کی تاریخ اور اس کے نتائج بیان کئے ہین، اس کے بعد بحر الکاہل کے تمام بڑے بڑے جزائر اور روس کے ساحلی ملکون کی گذشتہ تاریخ و موجودہ حالات اور ان مین یورپین طاقتون کی مداخلت اور سیاست کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے ان ملکون کے متعلق جملہ ضروری معلومات حاصل ہو جاتے ہین، کتاب مفید اور پڑھنے کے لائق ہے،

زندہ روس مرتبہ ادارۂ نیا ادب تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۶ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۱ روپیہ، پتہ :- کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

ترقی پسند ادیبون نے ایک خاص طرز کے نئے ادب کے علاوہ سوویٹ روس کے متعلق سنجیدہ لٹریچر فراہم کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے، اس موضوع پر جو چند متفرق مضامین نکلے ہین، ان کو ادارۂ نیا ادب نے کتابی شکل

مین مرتب کردیا ہی، یہ مضامین اشتراکیت کے مقصد، سوویٹ حکومت کے نظام، روسی کسانون اور مزدورون کی زندگی، ان کی تنظیم موجودہ روسی لٹریچر، افسانے، ڈرامے اور دوسرے فنون، اور دوران جنگ مین روسی ادیبون اور فن کارون کی قلمی خدمات وغیرہ سے متعلق ہین، ایک حصہ ان افسانون کا بھی ہے جن سے انقلاب روس اور موجودہ سوویٹ زندگی کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، چند انقلابی ترانے بھی ہین، سجاد ظہیر صاحب کا مضمون نسبۃً زیادہ مفید ہے، اس کتاب سے سوویٹ روس کے مختلف پہلوون کے متعلق متفرق معلومات حاصل ہوجاتے ہین،

مشاہیر کی بیویان (حصہ اوّل) از جناب طاہر رفعت، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۰، صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲؍، پتہ:۔ دارالاشاعت سیاسیہ، حیدرآباد دکن،

اس کتاب مین یورپ کے چھ موجودہ مشاہیر، اسٹالن، مسولینی، چرچل، روزولٹ، جنرل فرانکو، ڈی ویلرا کی بیویون کے حالات ہین، یہ وہ اکابر ہین، جن کو اپنے ملکون مین بادشاہون سے زیادہ عظمت وشان اور اختیارات حاصل ہین، اور انھون نے اپنی قوم و ملک کے لئے جو کارنامے انجام دئیے ہین، وہ دنیا کی نگاہون کے سامنے ہین، یہ حالات اس نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہین جن سے یہ اندازہ ہوسکے کہ ان عورتون نے اپنے شوہرون کی خانگی، اور قومی وسیاسی زندگی مین کیسی رفاقت کی ہے، اوران کی ترقی اوران کے کارنامون مین ان کی بیویون کی رفاقت کا کتنا بڑا حصہ ہے، یہ حالات ان تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے لئے خاص طور سے سبق آموز ہین، جن کا مقصد تعیش اور آزادی کے سوا اور کچھ نہین ہے، اس سے ان کو معلوم ہوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے اور نامور اشخاص کی بیویون نے ان کی زندگی کے مختلف مراحل مین کس دلسوزی سے رفاقت کی ہے، کتاب مفید اور دلچسپ ہے، دوسرا حصہ مشاہیر مشرق کے حالات مین ہوگا،

دیوان بہرام، مرتبہ جناب مسلم ضیائی، ایم اے، تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍، پتہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

اس زمانہ مین جب کہ اردو ہندی کا مسئلہ نہ پیدا ہوا تھا، اور سارے ملک کی مشترک اور علمی زبان اردو

سمجھی جاتی تھی، پارسی، یورپین اور اینگلو انڈین تک اردو زبان سے دلچسپی رکھتے تھے، اور جن کو شعر و سخن کا مذاق تھا وہ اس میں شاعری کرتے تھے، ان کی شاعری کے نمونے اردو میں موجود ہیں، انہی میں ایک پارسی شاعر بہرام جی جاماسپ جی دستور تھے، ان کا زمانہ کچھ بہت قدیم نہیں ہے ۱۸۹۵ء میں ان کا انتقال ہوا، وہ اردو میں صاحب دیوان تھے، جناب مسلم ضیائی نے ایک مقدمہ کے ساتھ اس دیوان کو مرتب اور انجمن ترقی اردو نے شائع کیا ہے، دیوان خاصہ ضخیم ہے، گو کلام زیادہ بلند نہیں ہے، لیکن ایک پارسی کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہے اور بہت سے اشعار تو نہایت صاف اور شستہ ہیں، کلام کا رنگ وہی قدیم ہے جو اس زمانہ میں رائج و مقبول تھا،

حسن ادب و دیگر افسانے، از جناب شوق امرتسری تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ہے، پتہ ملک محمد عارف خان پبلشر کشمیری بازار لاہور،

ترقی پسند ادب کے ذریعہ جس قسم کے پست و مخرب اخلاق افسانوں کی اشاعت ہو رہی ہے، وہ مخفی نہیں، عورتیں فطرۃً کمزور اور ذکی الحس ہوتی ہیں، اسلئے ان پر اس لٹریچر کا نہایت ناگوار اثر پڑ رہا ہے اور بعض نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیاں اس ادبی فریب میں گرفتار ہو کر اس ادنیٰ درجہ کے پست افسانوی رومان کو اصلی زندگی سمجھنے لگتی ہیں جس کے نتائج نکالے ہوئے سامنے آتے رہتے ہیں، جناب شوق امرتسری نے اسکی اصلاح کیلئے یہ اخلاقی افسانے لکھے ہیں، ان میں عورتوں کی اخلاقی و مذہبی تربیت اور ان کی سیرت کی اصلاح و تعمیر کو خاص طور سے پیش کیا گیا ہے، اس حیثیت سے یہ افسانے قابل قدر ہیں لیکن ان میں ادبی دلکشی کے بجائے واعظ نگاری کا رنگ آگیا ہے، اخلاقی نصائح یونہی کچھ خوشگوار نہیں ہوتے، اس لئے جب تک ان کو دلکش انداز میں پیش نہ کیا جائے اس وقت ان کا اثر نہیں ہوتا، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس کا مقابلہ ترقی پسند ادب جیسے ظاہر فریب لٹریچر سے ہو،

خانقاہ، از جناب ایم اسلم تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۷۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ:- عبدالحق اکیڈمی اشاعت منزل اردو بازار حیدرآباد دکن،

خانقاہ جناب ایم اسلم کے افسانوں کا نیا مجموعہ ہے ان کے افسانے تعارف و تبصرہ سے مستغنی ہیں، ان افسانوں میں مصنف کی تمام افسانوی خصوصیات موجود ہیں اور حسن انشاء، اور حسن تخیل دونوں لحاظ سے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں